



محکم دلائل سے مزین و متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
محمد الیاس گھمن

کتبہ
دارالایمان





نام کتاب خلاصۃ القرآن

تالیف: محمد الیاس رحمہ اللہ

تاریخ اشاعت 2025ء

بار اشاعت سوم

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالایمان

87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

0321 6353540

www.ahnafmedia.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فهرست

13	پیش لفظ
16	سورة الفاتحة
18	پاره نمبر 1
18	سورة البقرة
23	پاره نمبر 2
31	پاره نمبر 3
34	سورة آل عمران
39	پاره نمبر 4
41	سورة النساء
44	پاره نمبر 5
50	پاره نمبر 6
51	سورة المائدة

57	پاره نمبر 7
61	سورة الانعام
65	پاره نمبر 8
68	سورة الاعراف
73	پاره نمبر 9
78	سورة الانفال
82	پاره نمبر 10
84	سورة التوبة
91	پاره نمبر 11
94	سورة يونس
98	سورة هود
100	پاره نمبر 12
105	سورة يوسف
111	پاره نمبر 13
116	سورة الرعد
119	سورة ابراهيم

121	سورة الحجر
122	پاره نمبر 14
124	سورة النحل
131	پاره نمبر 15
131	سورة الاسراء
138	سورة الكهف
143	پاره نمبر 16
145	سورة مريم
149	سورة طه
154	پاره نمبر 17
154	سورة الانبياء
159	سورة الحج
165	پاره نمبر 18
165	سورة المؤمنون
169	سورة النور
176	سورة الفرقان

178	پاره نمبر 19
181	سورة الشعراء
183	سورة النمل
187	پاره نمبر 20
188	سورة القصص
193	سورة العنكبوت
196	پاره نمبر 21
198	سورة الروم
201	سورة لقمن
202	سورة السجدة
203	سورة الاحزاب
206	پاره نمبر 22
211	سورة سبا
213	سورة فاطر
215	سورة يس
217	پاره نمبر 23

218	سورة الضحى
222	سورة ص
224	سورة الزمر
226	پاره نمبر 24
227	سورة المؤمن
232	سورة حم السجدة
235	پاره نمبر 25
236	سورة الشورى
238	سورة الزخرف
242	سورة الدخان
243	سورة الجاثية
246	پاره نمبر 26
246	سورة الاحقاف
249	سورة محمد
252	سورة الفتح
256	سورة الحجرات

258	سورة ق
260	سورة الذریت
261	پاره نمبر 27
261	سورة الطور
263	سورة النجم
266	سورة القمر
267	سورة الرحمن
269	سورة الواقعة
271	سورة الحديد
274	پاره نمبر 28
274	سورة المجادلة
277	سورة الحشر
279	سورة المتحنة
281	سورة الصف
283	سورة الجمعة
284	سورة المنافقون

285	سورة التغابن
287	سورة الطلاق
289	سورة التحريم
292	پاره نمبر 29
292	سورة الملك
293	سورة القلم
295	سورة الحاقة
296	سورة المعارج
297	سورة نوح
298	سورة الجن
299	سورة المزمل
300	سورة المدثر
301	سورة القيامة
302	سورة الدهر
303	سورة المرسلات
304	پاره نمبر 30

304	سورة النبأ
305	سورة المزغمت
306	سورة عبس
307	سورة التكویر
308	سورة الانفطار
309	سورة البطففين
309	سورة الانشقاق
310	سورة البروج
311	سورة الطارق
312	سورة الاعلى
312	سورة الغاشية
313	سورة الفجر
314	سورة البلد
314	سورة الشمس
315	سورة الليل
315	سورة الضحى

316	سورة الانشراح
316	سورة التين
317	سورة العلق
317	سورة القدر
318	سورة البينة
318	سورة الزلزال
319	سورة الحديد
319	سورة القارعة
320	سورة النكاثر
320	سورة العصر
320	سورة الهمزة
321	سورة الفيل
321	سورة قريش
321	سورة الماعون
322	سورة الكوثر
322	سورة الكفرون

323	سورة النصر
323	سورة الذهب
323	سورة الاخلاص
324	سورة الفلق، سورة الناس
326	اختتامی کلمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ!

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے جو اس نے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ انسانوں اور جنات کے لیے یہ کتاب سرچشمہ ہدایت ہے۔ اس کتاب کے الفاظ کو یاد رکھنا، اس کے معانی و مطالب سمجھنا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامرانی کا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم کی خدمت کے حوالے سے ہمارے پیش نظر تین اہداف تھے جن میں سے دو بجز اللہ مکمل ہو چکے ہیں اور ایک باقی ہے۔

1: منتخب آیات کی تفسیر

قرآن کریم کی وہ آیات جو اعتقادات اور احکام و مسائل سے متعلق ہیں ان کی ایسی عام فہم تشریح و تفسیر کی جائے جس سے بنیادی عقائد و احکام کھل کر سامنے آئیں۔ ساتھ ساتھ اگر ان آیات کا معنی سمجھنے میں کسی سے غلطی ہوئی ہے تو اس کی بھی دلیل کی روشنی میں نشاندہی کی جائے۔ بجز اللہ ہم نے اس ہدف کو مکمل کر لیا ہے۔ ”دروس القرآن“ کے عنوان سے منتخب آیات کی تفسیر پر مشتمل پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اہل علم کی حوصلہ افزائی اور حد درجہ پذیرائی سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دروس القرآن کے حوالے سے جو مقاصد ہمارے پیش نظر تھے بفضل اللہ ہم ان میں کافی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ علمائے کرام اور طلبائے عظام کے ساتھ ساتھ عوام الناس کے لیے بھی اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

2: خلاصۃ القرآن

رمضان المبارک میں روزہ اور تراویح اہم عبادتیں ہیں۔ تلاوت اور نماز تراویح کی وجہ سے قرآن کریم سے مناسبت عام مہینوں کی بہ نسبت اس ماہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ عوام کے اس ذوق و شوق کے پیش نظر قرآن کریم کا مکمل خلاصہ اگر ان کے سامنے پیش کیا جائے تو کم وقت میں قرآن کے اہم مضامین ان کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس مقصد

کے لیے ”خلاصہ القرآن“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم نے ہر پارے کا مختصر انداز میں خلاصہ پیش کیا ہے۔ رمضان المبارک میں اس کے درس کا طریقہ یہ اختیار کیا جائے کہ تراویح پڑھانے والے امام صاحب اگر عالم ہوں تو اس کا مطالعہ کر کے تراویح کے بعد اسے بیان کر دیا کریں۔ اگر کوئی عالم میسر نہ ہو تو خود امام صاحب یا کوئی مقتدی اس خلاصہ القرآن سے ایک پارے کا خلاصہ دیکھ کر سنا دیا کریں۔ اس سے ان شاء اللہ رمضان المبارک میں پورے قرآن کریم کا خلاصہ سب کے سامنے آجائے گا۔

قارئین سے گزارش ہوگی کہ اس ”خلاصہ القرآن“ میں اگر کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

3: مکمل تفسیر القرآن

ہمارے پیش نظر تیسرا ہدف یہ ہے کہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر عوام کے سامنے لائی جائے جس میں قرآن کریم کا سلیس ترجمہ، آیات کا شانِ نزول، آیات کی تفسیر اور موجودہ دور میں قرآن کریم سے رہنمائی کے اصول بیان کیے جائیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے توفیق عطا فرمائے تاکہ جلد از جلد یہ تفسیر آپ کے سامنے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم کا فہم عطا فرمائے، اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس محنت کو اپنی رضا کا سبب بنائے۔ اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَآزُوْاجُہٗ اَجْمَعِیْنَ۔

محتاج دعا

محمد ریاض کھن

یکم جمادی الاولیٰ - 1442ھ

بمطابق 17 - دسمبر 2020ء

طبع جدید

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ!

بندہ نے جنوری 2025ء میں ”خلاصۃ القرآن“ کے سابق ایڈیشن پر نظر ثانی کی۔ زیرِ نظر نسخہ ”خلاصۃ القرآن“ کا جدید ایڈیشن ہے جو ترمیم و اضافہ کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اگر اس ایڈیشن میں کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

محتاج دعا

مسیرِ ریاس لکھن

استنبول، ترکیہ

ہفتہ: 2- شعبان 1446ھ، 1- فروری 2025ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الفاتحة

قرآن کریم؛ سورت فاتحہ اور تیس پاروں کے مجموعے کا نام ہے۔ فاتحہ ”فَتْحٌ“ سے ہے۔ ”فَتْحٌ“ کا معنی ”کھولنا“ ہے۔ چونکہ اس سورت سے قرآن کریم کو کھولا جا رہا ہے، اس لیے اس سورت کا نام ”سورة الفاتحة“ ہے۔ اس سورت کے دیگر معروف و مشہور نام؛ ام الكتاب اور ام القرآن (قرآن کریم کا خلاصہ) بھی ہیں۔

خلاصہ قرآن کریم:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے چھ مضامین کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

- 1: توحید
- 2: رسالت
- 3: قیامت
- 4: احکام
- 5: ماننے والے
- 6: نہ ماننے والے

اور ان چھ مضامین کا خلاصہ اللہ تعالیٰ نے سورت فاتحہ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۱) الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۲) ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ (۳) ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (۴) ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (۷) میں رسالت اور ماننے والوں کو بیان فرمایا۔ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (۵) میں احکامات کو بیان فرمایا۔ ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ (۳) میں قیامت کو بیان فرمایا۔ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (۴) میں توحید کو بیان فرمایا۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۱) الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۲)

ماننے والوں کے لیے ایک ہی قسم کا لفظ "الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" لائے ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے دو

لفظ الگ الگ لائے ہیں:

1: مغضوب

2: ضال

جو شخص ضد، انا اور تکبر کی وجہ سے نہ مانے وہ "مغضوب" میں شامل ہے جیسے یہود، اور جو لاعلمی و جہالت کی وجہ سے نہ مانے وہ "ضال" میں شامل ہے، مثلاً نصاریٰ۔

انعام یافتہ چار طبقات:

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (٥)﴾

اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا۔ یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا اور وہ چار ہیں:

1: انبیاء کرام علیہم السلام

2: صدیقین

3: شہداء

4: صالحین

مغضوب علیہم اور گمراہ طبقہ:

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (٧)﴾

گزشتہ آیت میں ہم نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! ہمیں ان کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اب یہاں سے مغضوب علیہم اور گمراہ لوگوں کے راستے سے بچنے کی درخواست کی جا رہی ہے کہ اے اللہ! ان سے بچالے جن پر تیرا غضب ہے اور جو گمراہ ہوئے۔ "مغضوب علیہم" سے مراد یہود اور "ضالین" سے مراد نصاریٰ ہیں۔

پارہ نمبر 1

سورة البقرة

"بقرة" عربی زبان میں گائے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں گائے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اس سورت کو "سورة البقرة" کہتے ہیں۔

حروف مقطعات:

﴿المّٰ (۱)﴾

اس سورت کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔ مقطعات؛ مُقَطَّعَةٌ کی جمع ہے اور یہ قَطْعُ سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے۔ چونکہ ان میں سے ہر حرف کو الگ الگ یعنی کاٹ کر پڑھا جاتا ہے جیسے الف، لام، میم اس لیے ان حروف کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔

سورت بقرہ کا آغاز ﴿المّٰ﴾ سے کیا جا رہا ہے۔ اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کی بنیادی حکمت تو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرنا ہے کہ تین حروف پر مشتمل ایک لفظ۔ جو ایک آیت بھی ہے۔ کا مقابلہ سارے عرب باوجود فصاحت و بلاغت کے نہیں کر سکے۔

نیز چونکہ اس کا معنی دنیا میں جانتا ہی کوئی نہیں تو اس کے ذریعے یہ بھی سمجھانا مقصود ہے کہ قرآن کریم کے اسرار و رموز اسی شخص پر کھل سکتے ہیں جو اپنی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا اعتراف کرتا ہے۔

اہل ایمان کے اوصاف:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (۳)﴾

ایمان والوں کی چند صفات کا ذکر فرمایا کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی جن چیزوں کو وہ نہیں دیکھ سکتے جیسے جنت و جہنم وغیرہ اور جن کی حکمت وہ نہیں سمجھ سکتے ان پر بھی ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے ہیں، قرآن کریم اور دیگر تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

منافقین کی خصلتیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (۸)

پھر منافقین کی خصلتوں کا ذکر فرمایا کہ وہ دھوکہ دیتے ہیں، زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، قلبی بیماریوں؛ حسد، تکبر اور حرص میں مبتلا ہیں۔ احکام الہی اور ایمان والوں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً...﴾ (۳۰)

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا شخص جس کو اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

بنی اسرائیل کا تذکرہ اور انعامات خداوندی:

﴿يٰۤاِبْنَٓيَسْرٰٓءٰٓءِ اِذْ كُوْنَا نِعْمَتِيْۤ اِلَيْكَ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُواْ بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ...﴾ (۴۰)

بنی اسرائیل میں کثرت سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ ان کو دنیاوی خوشحالی بھی دی گئی۔ فرعون کی غلامی اور مظالم سے نجات دی گئی۔ ان کے لیے آسمان سے مَن اور سلویٰ اتارا گیا۔ سائے کے لیے بادلوں کا انتظام کیا گیا۔ پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کیے گئے۔ ان کے علاوہ بھی ان پر کئی احسانات کیے گئے تھے۔

انعامات خداوندی کی ناشکری:

بنی اسرائیل نے حق کو چھپایا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔ بچھڑے کی عبادت میں مبتلا ہوئے۔ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا۔ عہد شکنی کی۔ کلام اللہ میں لفظی و معنوی تحریف کی۔ بغض و حسد کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ دنیاوی مال و اسباب سے بے حد محبت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ برے اعمال کے باوجود دعویٰ کرتے تھے کہ جنت میں صرف ہم یہود جائیں گے۔ یہی بات نصاریٰ بھی کہتے تھے۔

قاتل معلوم کرنے کا عجیب طریقہ:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً...﴾ (۶۷)

اس معروف واقعہ کا ذکر ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا۔ قاتل نہیں مل رہا تھا۔ یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمیں قاتل کا پتہ بتادیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ لگاؤ تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا۔ گائے ذبح کرنے کی حکمتیں:

اس سے قاتل کی نشاندہی ہوئی۔ یہود کا ایک گروہ بعث بعد الموت کا منکر تھا اس سے ان پر حجت تام ہوئی۔ نیز پچھڑے کے ساتھ جو بنی اسرائیل کی عقیدت و محبت تھی اس کا بھی رد ہوا۔ ہاروت ماروت کا قصہ:

﴿وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَМАَرُوتَ ۖ وَمَا يُعَلِّمَنِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ...﴾ (۱۰۲)

ہاروت و ماروت کا قصہ بیان کیا۔ یہ دو فرشتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں سحر اور جادو کی تعلیم دے کر بابل کے مقام پر اتارا۔ یہ ایک آزمائش تھی کہ کون جان بوجھ کر کفر اختیار کرتا ہے۔ نیز یہ اس لیے بھی کیا گیا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحی اور جادو میں فرق کر سکیں کہ جادو کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحی کیا ہے۔ یہود کی شرارت کھل گئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۱۰۴)

اس آیت میں یہود کی ایک گستاخانہ شرارت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی اہل ایمان کو بھی ایک چیز کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہود؛ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے: "رَاعِنَا"۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: ہماری رعایت فرمائیے۔ لیکن عربی میں "رَاعِنَا" کا معنی ہے: "ہمارے چرواہے"۔ تو یہود محض حسد کی بنیاد پر جب یہ لفظ کہتے تو عین کو کھینچ کر ادا کرتے تھے جس سے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین

کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ لفظ ”رَاعِنًا“ استعمال کر دیتے؛ معنی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے؛ تو یہودی اس سے بہت خوش ہوتے تھے۔ یہاں اہل ایمان کو تعلیم دی کہ ”رَاعِنًا“ کے بجائے ”أَنْظُرْنَا“ کہا کریں یعنی ہم پر شفقت کی نظر فرمائیے!

کامیابی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۱۱۵)

یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس تھا جبکہ مشرکین بیت اللہ کو قبلہ مانتے تھے اور مسلمان بھی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ یہود کو اس سے تکلیف ہوتی تھی۔ پھر کچھ عرصہ کے لیے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو یہود خوش ہوئے اور کہا کہ مسلمان ہمارا قبلہ ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ تو یہاں یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں بلکہ وہ ہر جگہ موجود ہیں۔ لہذا وہ جس سمت کی طرف بھی نماز پڑھنے کا حکم عنایت فرمادیں تو کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا امتحانات میں ثابت قدم رہنا:

﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ

قَالَ لَا يَنْتَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ (۱۲۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مختلف آزمائشیں آئیں۔ عقیدہ توحید بیان کرنے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا۔ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ مکہ مکرمہ کی وادی میں اہلیہ اور بچے کو چھوڑنے کا حکم ملا۔ بیٹے کے بارے میں جو خواب دیکھا اسے پورا کرنے کا حکم ملا تو اسے قربان کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سب آزمائشوں کو پورا کرنے لگے، تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی امامت کا منصب دینا چاہا، تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ کیا یہ منصب میری اولاد کو بھی ملے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں، لیکن ظالموں کو نہیں ملے گا۔ آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام۔ جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ نبی تھے اور ان کی نسل میں سے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش چار ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ اس سے یہودیہ سمجھنے لگے کہ دنیا میں امامت کے مستحق صرف ہم ہی ہیں۔ یہاں ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ

السلام کی نسل؛ اہل عرب سے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔
ملتِ ابراہیمی کی اتباع:

﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۱۳۵)

اس پارہ کے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ذکر فرمایا جس ملت کی تکمیل کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ملتِ ابراہیمی (دین اسلام) کی طرف دعوت دیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۖ...﴾ (۱۳۷)

اگر یہود اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت؛ جماعتِ صحابہ کرام و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے ہیں تو یہ ہدایت پا جائیں گے۔
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيدٌ مَّجِيدٌ
اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيدٌ مَّجِيدٌ

پارہ نمبر 2

تحویل قبلہ کا حکم اور یہود کا اعتراض:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا...﴾ (۱۴۲)

دوسرے پارے میں سب سے پہلے تحویل قبلہ کو بیان فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو تقریباً سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے لیکن آپ کی تمنا اور آرزو تھی کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں؛ کے بنائے ہوئے کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمادیا: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾۔ اس حکم کے نازل ہونے پر یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے لگے کہ یہ کیسے اللہ کے پیغمبر ہیں کہ کبھی بیت المقدس کو قبلہ بناتے ہیں اور کبھی بیت اللہ کو۔ تو یہود کو جواب دیا گیا:

﴿قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾

اے میرے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔

بعثت نبوی کے مقاصد:

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَ

الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ (۱۵۱)

اس مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے کے بنیادی طور پر چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

[1]: تلاوت آیات

[2]: تزکیہ نفوس

[3]: تعلیم کتاب

[4]: تعلیم حکمت

یہ مضمون قرآن کریم کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔

شعائرِ اسلام:

﴿إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ

بِهِمَا... (۱۵۸)﴾

زمانہ جاہلیت میں صفامر وہ پر بت رکھے ہوئے تھے اس لیے مسلمان صفامر وہ کا طواف کرنے سے بچتے تھے۔ اس مقام پر اس شبہ کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ صفامر وہ کی سعی؛ شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ لہذا ان کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حج و عمرہ کے تفصیلی احکامات کے لیے میری کتاب "حج و عمرہ" ملاحظہ فرمائیں۔

چار چیزوں کی حرمت کا بیان:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ... (۱۷۳)﴾

مشرکین اپنی طرف سے کچھ چیزوں کو حلال کہتے تھے اور کچھ چیزوں کو حرام۔ یہاں ان کی تردید فرمائی کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں اور یہاں چار چیزوں کا ذکر ہے:

مردار، بہنے والا خون، خنزیر اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پھر اس پارے میں اللہ تعالیٰ نے مزید

احکامات بھی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

قصاص لینے کا فائدہ:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱۷۹)﴾

اگر قصاص کے مسئلہ پر عمل درآمد ہو تو اس میں قاتل اور مقتول دونوں کی زندگی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب قاتل کو اپنی سزا کا یقین ہو گا تو وہ قتل کرنے سے گریز کرے گا۔ اس سے مقتول بھی بچ جائے گا اور قاتل بھی۔

وصیت کا حکم:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ لِلْوَصِيَّةِ لِلَّذِينَ وَ الْأَقْرَبِينَ

بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (۱۸۰)﴾

اس آیت میں وصیت کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ فوت ہونے والا اپنی وفات سے پہلے اپنے والدین اور دیگر رشتے داروں کے لیے وصیت کرے کہ اس کی میراث سے کس کو کتنا حصہ ملنا ہے۔ اس آیت کے نزول سے پہلے ورثاء کے حصے متعین نہیں تھے اور مرنے والے کا سارا ترکہ اس کے لڑکوں کو ملتا تھا۔ اس لیے اس آیت میں والدین اور دوسرے رشتے داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر جب سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے میراث میں تمام ورثاء کے حصے متعین فرمادیے تو اب اس آیت میں مذکور وصیت کی فرضیت باقی نہیں رہی۔ ہاں البتہ اب بھی کوئی شخص ورثاء کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے مال کے ایک تہائی حصے کی وصیت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

روزہ کی فرضیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱۸۳)﴾
یہاں روزے کی فرضیت اور روزے کے احکام و مسائل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ روزہ دین اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جو تمام شرائع سابقہ میں بھی مشروع رہی ہے، صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص نہیں۔
روزہ کی شرعی تعریف یہ ہے:

عبادت کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع سے رکنہ۔ اگر کسی نے غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے روزہ افطار کر دیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ روزہ ایسی عبادت ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے جلدی تقویٰ کی نعمت حاصل کر لیتا ہے۔ پھر مسافر اور مریض کے لیے رمضان کے روزوں اور فدیہ کے متعلق احکام بیان فرمائے۔

ماہ رمضان کی فضیلت:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ... (۱۸۵)﴾
رمضان المبارک میں جہاں روزے فرض ہیں وہیں اس کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ قرآن کریم اس ماہ مبارک میں نازل کیا گیا ہے۔ مومن دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات میں قاری قرآن اور حافظ قرآن بیس رکعات تراویح میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے۔ غیر حافظ قرآن کریم کی سماعت کرتا ہے۔ اس لیے اس ماہ مبارک میں

زیادہ سے زیادہ قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

شفقتِ خداوندی:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلِيُؤْمِنُوا بِإِيعَازِهِمْ يَازُشْدُونَ﴾ (۱۸۶)

گزشتہ آیات میں روزے کا ذکر تھا، اس آیت کے بعد پھر روزے اور اعتکاف کا ذکر ہو گا۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی شفقت اور مہربانی کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ اے میرے بندو! میں نے تمہیں جو احکامات عطا فرمائے ہیں اگر ان کی تعمیل کرنے میں تھوڑی بہت مشقت بھی محسوس ہو تو کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے بہت ہی قریب ہوں، مجھ سے مانگو، میں دعا کو قبول کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا آہستہ مانگنی چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فقط عرش پر نہیں بلکہ ہر جگہ بلا مکان موجود ہیں۔ اس آیت سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ روزے کے بعد خصوصاً افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ لہذا اس وقت دعا کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

اعتکاف کا بیان:

﴿وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ ۖ...﴾ (۱۸۷)

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ مرد حضرات ایسی مساجد میں اعتکاف کریں جن میں نماز باجماعت ہوتی ہو جبکہ خواتین اپنے گھروں میں مخصوص جگہوں میں اعتکاف کریں۔

چاند کا فائدہ:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْهَلَلِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۖ...﴾ (۱۸۹)

چاند سے اسلامی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ذریعے سے عبادات یعنی حج، روزہ، نیز عدت کی مدت کے علاوہ دیگر معاملات اور معاہدوں کی میعاد مقررہ کا پتہ بھی چلتا ہے۔

جہاد و قتال:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (۱۹۰)

یہاں جہاد کا مسئلہ بیان فرمایا۔ جہاد فرض ہے اور اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ جہاد قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ شریعت کی اصطلاح میں جہاد نام ہے "قتال فی سبیل اللہ" کا، اگر کسی اور حکم شرعی پر جہاد کے لفظ کا استعمال ہوا ہے تو وہ لغت کے اعتبار سے ہے، شریعت کی اصطلاح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو دیگر تمام اعمال کرنے والوں پر فضیلت دی ہے۔ جہاد بہت عظیم و مبارک اور مقدس عمل ہے۔

حج کا بیان:

﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ

.... (۱۹۷) ﴿

حج: اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔

♦ حج میں تین ارکان ہیں:

1: احرام (حج کی نیت کر کے مکمل تلبیہ پڑھنا) 2: وقوف عرفہ

3: طواف زیارت

♦ حج کے پانچ دن یہ ہیں:

8، 9، 10، 11 اور 12 ذوالحجہ۔

♦ حج کے پانچ مقامات ہیں:

1: بیت اللہ 2: صفا مروہ 3: منیٰ

4: مزدلفہ 5: عرفات

♦ حج کی سات عبادات ہیں:

1: احرام 2: طواف 3: سعی

4: وقوف 5: رمی 6: قربانی

7: حلق یا قصر

ان پانچ دنوں میں پانچ مقامات پر سات عبادات سرانجام دینے کو "حج" کہتے ہیں۔

مرتدین کی سزا کا بیان:

﴿وَمَنْ يَزِدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲۱۷)﴾

پھر مرتدین کی سزا کو بیان فرمایا کہ جو شخص مؤمن ہو اور ایمان کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اگر وہ سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، وہ قتل اور ہمیشہ کے لیے جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ مرتد کو سزا دینا ہر آدمی کے اختیار میں نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اٹھ کر مرتد کو قتل کر دے بلکہ یہ کام حکومت وقت کا ہے۔

حالت حیض میں جماع کی حرمت:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى ۖ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ... (۲۲۲)﴾

عورت کے ساتھ حالت حیض میں ہمبستری کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ عورت کو ہر ماہ رحم سے جو خون آتا ہے اس کو ”حیض“ کہتے ہیں اور بچے کی ولادت کے بعد جو خون آتا ہے اس کو نفاس کا خون کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں حالت حیض میں بیوی کے ساتھ ہم بستری ہونے کو منع فرمایا۔ قرآن کریم میں حالت نفاس میں عورت کے ساتھ ہمبستری کے منع فرمانے کا ذکر نہیں ہے لیکن حالت نفاس میں ہمبستری بھی اسی طرح حرام و ناجائز ہے۔ حالت نفاس میں ہمبستری کے حرام ہونے کا ذکر احادیث میں بھی آیا ہے اور قرآن کریم میں حالت حیض پر قیاس کرنے سے حالت نفاس میں بھی ہمبستری کی حرمت سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ گندگی ہے۔ حالت حیض میں ہمبستری کرنا گندگی میں ملوث ہونا ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

ایک اور بات ملحوظ رکھیں کہ عورت نکاح کے بعد شوہر کے لیے حلال ہے لیکن جس طرح حیض اور نفاس کی حالت میں شوہر اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح شوہر اپنی بیوی سے پچھلے راستے میں (یعنی پاخانے کے راستے سے) صحبت نہیں کر سکتا۔ پچھلے راستے میں صحبت کرنا حرام و ناجائز ہے۔

طلاق کا بیان:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ بِاِحْسَانٍ... (۲۲۹)﴾

طلاق کے مسئلہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ طلاق کے بارے میں ذہن نشین فرمائیں کہ ایک طلاق دی تو ایک واقع ہوگی، دو طلاقیں دیں تو دونوں واقع ہوں گی۔ اگر ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں یا ایک ہی کلمہ سے اکٹھی تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

مسئلہ طلاق کی تفصیلات میری فائل "مسئلہ طلاق ثلاثہ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

رضاعت کا بیان:

﴿وَالْوَالِدَتُ يُرَضِّعَنَّ أَوْ لَا دَهْنَ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ... (۲۳۳)﴾

پھر بچے کے دودھ پینے کا مسئلہ بیان کیا کہ دو سال تک مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ اسلام نے دودھ پیتے بچوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا ہے کہ مدت رضاعت تک کو بیان کیا۔ مدت رضاعت کی مکمل تفصیل میری مرتب کردہ فائل "فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کوئی بچہ مدت رضاعت میں اپنی حقیقی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پی لے تو وہ بچہ اس کا رضاعی بیٹا اور وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے۔ جس طرح نسب کی وجہ سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں اسی طرح رضاعت کی وجہ سے بھی رشتے حرام ہو جاتے ہیں، لیکن جب بھی ایسی کوئی صورت پیش آئے اپنے علماء سے اس کی تفصیل معلوم کر لینی چاہیے۔

عدت کا مسئلہ:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا... (۲۳۴)﴾

پھر عدت کے مسئلہ کو بیان فرمایا کہ اگر کسی عورت کو طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے تو دونوں صورتوں میں عورت پر عدت لازم ہے۔

مطلقہ عورت کی عدت اگر وہ حیض والی ہو تو تین حیض ہے۔ اگر کسی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ عورت کو طلاق ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ شوہر فوت ہو جائے اور عورت حاملہ نہ ہو تو عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اگر حاملہ ہو تو عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہے۔

عدت کے زمانے میں نکاح کا پیغام دینا:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۖ... (۲۳۵)﴾

اگر کوئی عورت عدت میں ہو تو اسے واضح لفظوں میں پیغام نکاح دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر عورت طلاق کی عدت گزار رہی ہو تو اسے بھی صراحتاً یا کنائیہ پیغام نکاح بھیجنا جائز نہیں۔ البتہ اگر عورت عدت وفات میں ہو تو اسے اشارۃً یا کنائیہ نکاح کا پیغام دیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے پختہ وعدہ نہ لیا جائے۔

حضرت طالوت کا ذکر:

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۚ... (۲۴۹)﴾

اس پارے کے آخر میں حق کے نمائندے حضرت طالوت اور باطل کے نمائندے جالوت کا واقعہ بیان فرمایا کہ جالوت کے پاس طاقت بھی تھی، کثرتِ تعداد بھی تھی، منظم فوج بھی تھی اور حضرت طالوت کے پاس طاقت بھی کم تھی اور فوج بھی کم تھی، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔

قرآن کریم نے باقاعدہ ضابطہ بیان فرمادیا:

﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ﴾

کہ کتنی جماعتیں ہیں جو طاقت میں کمزور ہوتی ہیں، ان کی تعداد بھی کم ہوتی ہے لیکن ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں اور اپنی مدد کے ذریعے انہیں غالب فرمادیتے ہیں۔

ہمیں خدا کے اس بیان فرمودہ اصول سے یہ بات سمجھ میں آجانی چاہیے کہ مسلمان جب بھی کامیاب ہوتے ہیں تو وہ مادیت اور دنیاوی طاقت و قوت کے بل بوتے پر غالب نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، بھروسہ رکھنے اور نیک اعمال کی بنیاد پر غالب آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذات پر توکل اور بھروسہ نصیب فرمائیں۔

وَإِخْرُجُوا أَنَا أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پارہ نمبر 3

فضائل انبیاء کرام علیہم السلام:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ... (۲۵۳)﴾

تیسرے پارے کے شروع میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے بعض انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے۔ امت سے تو تمام انبیاء علیہم السلام افضل ہیں لیکن نبیوں میں سے بعض نبی دوسرے نبی سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو براہ راست اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف بخشا ہے تو کسی نبی کو کوئی اور اعزاز بخشا ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو جو معجزات دیے ان کا ذکر کیا ہے۔

آیت الکرسی اور اس کی فضیلت:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يُعَلِّمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (۲۵۵)﴾

آیت الکرسی؛ قرآن کریم کی افضل ترین آیت ہے۔ اس کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شخص فرض نماز کے بعد اس کے پڑھنے کا اہتمام کرے اس کے جنت میں داخل ہونے کے لیے موت کے سوا کوئی چیز مانع نہیں۔ اس کے پڑھنے سے شیاطین اور چوروں سے حفاظت رہتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ:

﴿الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ (۲۵۸)﴾

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمرود سے ہونے والے مناظرہ کو ذکر کیا ہے۔ نمرود خود کو سجدے کراتا تھا، خدائی کا دعویٰ کرتا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلیل کی طاقت کے ساتھ اس کو خاموش کرایا۔

مناظرہ کرنا گناہ نہیں:

یہ بات ذہن نشین فرمائیں کہ جس طرح دین کا کام تصنیف ہے، تبلیغ ہے، دعوت ہے، جہاد ہے، وعظ و

نصیحت ہے، امامت ہے، خطابت ہے، اسی طرح مناظرہ بھی دین کا ہی کام ہے۔ جو لوگ مناظروں کی مخالفت کرتے ہیں وہ قرآن کی اس آیت پر غور فرمائیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، چھوٹا یا بڑا کوئی بھی گناہ کا کام نہیں کرتے۔ تو اگر مناظرہ کرنا گناہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی نہ کرتے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ:

﴿أَوَ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا... (۲۵۹)﴾

حضرت عزیر علیہ السلام کا ایک تباہ شدہ بستی سے گزر ہوا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ کس طریقے سے زندہ فرمائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال تک موت کو طاری کیا، پھر انہیں زندہ کیا۔

موت کے بعد زندہ ہونا:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَظُنِّنَ قَلْبِي ۖ

... (۲۶۰)﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے اللہ! میں جانتا ہوں آپ زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ آپ کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: ﴿أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ﴾ کیا آپ کو یقین نہیں؟ عرض کیا: ﴿بَلَىٰ﴾ کیوں نہیں! یقین تو ہے لیکن آنکھوں سے دیکھ لوں گا تو میرا دل مطمئن ہو گا کہ آپ کیسے زندہ فرمائیں گے۔ فرمایا: چار پرندے لے لیں، ان کے جسموں کے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھیں، پھر انہیں اپنی طرف بلائیں تو وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی مثال:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَلْبَنَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ... (۲۶۱)﴾

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کے اجر کو ایک مثال سے سمجھایا۔ کسان زمین میں ایک دانہ بوتا ہے، اس سے سات بالیاں اگتی ہیں، ہر بالی میں سو دانے ہوتے ہیں تو کسان ایک دانہ خرچ کر کے سات سو دانے حاصل کرتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو اللہ کے راستے میں ایک روپیہ خرچ کر کے سینکڑوں نیکیاں کمالیتا ہے۔

سود کی حرمت اور سود پر وعید:

﴿وَاحْلَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا... (۲۷۵)﴾

پھر سود کی حرمت کو بیان فرمایا ہے۔ سود پر جہاں اور وعیدیں ہیں وہاں اہم ترین وعید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود خور کے ساتھ اعلان جنگ کیا ہے۔ جنگ کا ضابطہ یہ ہے کہ جس سے جنگ ہوتی ہے ایک فریق اس کی سب سے قیمتی چیز کو تباہ و برباد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے قیمتی چیز ایمان ہے۔ سود خور جب سود کو حلال سمجھتا ہے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے اور حرام سمجھ کر کھاتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے، توبہ نہیں کرتا تو بھی خدشہ ہے کہ ایمان ختم نہ ہو جائے۔ سود سے بچنا ضروری ہے۔ سود کا ایک روپیہ کھانا اپنی ماں سے ستر مرتبہ بد فعلی کرنے سے بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

مالی معاملات کا بیان:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ... (۲۸۲)﴾

قرآن کریم نے مالی معاملات کو بھی بہت اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے لین دین، تجارت اور رہن (گروی) کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ اگر کبھی لین دین یا سفر میں رہن رکھنے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کی تحریری دستاویز تیار کر لینی چاہیے اور اس پر گواہ بھی بنالینے چاہئیں۔

جامع اور مفید ترین دعا:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفُ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (۲۸۶)﴾

اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہماری پکڑ نہ فرمائیے گا۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ رکھیے گا جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوائیے گا جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہمیں معاف کر دیجیے، ہمیں بخش دیجیے اور ہم پر رحم کیجیے۔ آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کیجیے۔

سورت بقرہ کے آخر میں ایک جامع اور مفید ترین دعا کا ذکر کیا ہے۔ اگر احکام کی تعمیل میں ہم سے کوئی غلطی یا کمی کو تاہی ہو جائے تو یہ دعا مانگنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر کا معاملہ فرمائیں۔

سورة آل عمران

وجہ تسمیہ:

"آل" اولاد کو کہتے ہیں اور "عمران" ایک شخص کا نام ہے۔ آل عمران کے معنی ہیں: عمران کی اولاد۔ اس سورت میں چونکہ اولادِ عمران کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، اس لیے اس سورت کا نام "سورة آل عمران" ہے۔

عیسائیوں کے وفد کی خدمتِ نبوی میں آمد:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (٦)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کے عیسائی ساٹھ افراد کا وفد لے کر آئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکالمہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام؛ الہ ہونے میں اللہ کے ساتھ شریک ہیں۔ انہوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے قرآن کریم کے ان الفاظ سے استدلال کیا جن میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ، روح اللہ فرمایا گیا ہے۔

گفتگو کی ترتیب:

عیسائیوں کو ناز تھا کہ ہمارے یہاں شاعری بہت ہے تو انہوں نے اپنا شاعر کھڑا کیا۔ اس کے مقابلے کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا تو عیسائیوں کا شاعر شکست کھا گیا۔ عیسائیوں کو خطابت پر بھی ناز تھا تو انہوں نے اپنا خطیب کھڑا کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا تو اب بھی عیسائیوں کا خطیب شکست کھا گیا اور پھر جب دلائل کی باری آئی خود حضور اکرم صلی علیہ وسلم نے دلائل سے توحید خداوندی کو ثابت کر کے عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی تردید فرمائی۔

صفات محکمت، متشابہات:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ...﴾ (٧)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ صفات کی دو قسمیں ہیں:

محکمات متشابہات

صفات محکمات وہ صفات ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے۔ مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ اور صفات متشابہات وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے یہ وجہ، عین وغیرہ جیسے کلمات اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہات ہیں۔

پھر صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ یہ صفات سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

صفات فعلیہ ان صفات کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو اور ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہو لیکن ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہوتا ہو جیسے اِحیاء، اِمات، اِہداء، اِضلال، اِعزاز، اِذلال وغیرہ۔ صفات باری تعالیٰ کی مکمل تفصیل میری کتاب "شرح الفقہ الاکبر" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اہل کتاب کے جرائم:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ...﴾ (۲۱)

پھر اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے جرائم کو بیان کیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو تنگ کرتے تھے اور ان پر ظلم و تشدد کرتے تھے۔ ان کے جرائم کی پاداش میں ان کے اعمال ضائع ہونے اور جہنم میں داخلے کی وعید سنائی گئی ہے۔

کفار کو دلی دوست نہ بنائیں:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ...﴾ (۲۸)

ہمیں حکم دیا کہ ان کے ساتھ قلبی تعلقات، دوستی اور محبت قائم نہ کرو۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ قلبی محبت جسے "موالات" کہتے ہیں؛ کفار کے ساتھ جائز نہیں۔ ہاں البتہ رکھ رکھاؤ، وقتی ضرورت اور اپنے ماحول کو سازگار رکھنے کے لیے ایسے تعلقات جسے "مدارات" کہتے ہیں؛ کی گنجائش ہے مگر یہ تعلق بھی علماء سے پوچھ کر رکھنا

چاہیے۔ کفار کے ساتھ تجارت جائز ہے مگر اس وقت جب کفار مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچاتے ہوں، ان کی املاک نہ تباہ کرتے ہوں اور کفار اپنے تجارتی مال کو اسلام کے خلاف استعمال نہ کر رہے ہوں۔

پھر اس سورت میں تین بڑے اہم واقعات بیان کیے ہیں:

1: حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا ذکر

﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي... (۳۵)﴾

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ حضرت حنہ بنت فاقوذ کی اولاد نہیں تھی تو انہوں نے منت مانی کہ اے اللہ! تو مجھے بیٹا دے، میں اس کو تیرے دین کے لیے وقف کروں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹی عطا فرمائی تو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کو شبہ ہوا کہ بیٹا ہوتا تو میں دین کے لیے پیش کرتی لیکن میری تو بیٹی ہوئی ہے اور بیٹی کیا کرے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَى﴾ کہ جو بیٹا تو نے مانگا تھا وہ اس بیٹی کی طرح نہیں ہے جو ہم نے دی ہے۔

بسا اوقات دینی معاملات میں بیٹیاں بیٹوں سے بھی بڑھ جاتی ہیں۔ بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، اس لیے بیٹی کی پیدائش پر دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو خوشی خوشی قبول کرنا چاہیے۔

2: حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام کا ذکر

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (۳۸)﴾

پھر حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام جبکہ وہ چھوٹی تھیں، کے پاس بغیر موسم کے پھل دیکھے تو حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا کہ اے مریم! تمہارے پاس یہ تروتازہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بغیر موسم کے پھل دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے بھی اپنی طرف سے اولاد عطا فرما جس طرح تو نے مریم کو بغیر موسم کے پھل دیا ہے۔ حالانکہ حضرت زکریا بھی بوڑھے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بوڑھی بانجھ تھیں۔ اس کے باوجود

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔

ہر حال میں اللہ سے مانگنا:

اس واقعہ سے یہ واضح طور پر معلوم ہوا کہ ولی کی کرامت دیکھ کر ولی کے خدا سے مانگنا چاہیے نہ کہ خود ولی سے۔ یاد رکھیں کہ ولی کی کرامت کو دیکھ کر ولی سے مانگنا؛ یہ اسلام نہیں ہے، ولی کی کرامت دیکھ کر ولی کے خدا سے مانگنا؛ یہ اسلام ہے۔

3: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر

﴿قَالَتْ رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرْۙ ۖ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ﴾ (۴۷)

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بیان فرمایا کہ وہ خدا کے کلمہ ”کُنْ“ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے پیدا ہوئے۔ مذکورہ بالاتینوں واقعات خرقِ عادت بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل بھی ہیں۔

یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ:

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَّرَ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَكْرِیْنَ ۙ﴾ (۵۴)

یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں بچانے کی تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہی غالب رہتی ہے۔

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِعِیْسٰى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ۙ...﴾ (۵۵)

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور کافروں (کے الزامات) سے تمہیں پاک کر دوں گا اور تم تک یہود کے ہاتھ پہنچنے بھی نہیں دوں گا۔ تمہیں ان یہود سے محفوظ رکھوں گا اور پھر جو تمہارے ماننے والے ہیں انہیں کامیاب کروں گا۔

عقیدہ اسلام:

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ قیامت سے پہلے آئیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے، جہاد کریں گے اور پھر پوری دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے کوئی ایک شخص بھی کافر نہیں رہے گا۔

نظریہ یہود کی تردید:

رفع عیسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں کے اس باطل نظریہ کا رد ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا ہے اور وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر نہیں چڑھایا گیا بلکہ وہ آسمان پر زندہ ہیں۔

مباہلہ کی دعوت:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا اِنْدَعُ اَبْنَاءَنَا وَ اَبْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ... (۶۱)﴾

عیسائیوں کا جو وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا دلائل سننے کے باوجود بھی انہوں نے جب حق کا اعتراف نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ وہ مباہلہ پر تیار نہ ہوئے بلکہ جزیہ دینا قبول کر لیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ لَمَّا اٰتٰیْتُمْکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَ حِکْمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا

مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنْصُرُنَّہُ... (۸۱)﴾

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر تمہاری موجودگی میں سید الانبیاء خاتم النبیین

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں تو تم سب نے ان پر ایمان لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی نعمت کی قدر کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

پارہ نمبر 4

محبوب ترین چیز خرچ کرنا:

﴿لَنْ تَتَّكَلُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۖ...﴾ (۹۲)

چوتھے پارے کے شروع میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خرچ کیا

کرو۔

خصائص بیت اللہ:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ (۹۶)

پھر بیت اللہ کی خصوصیات اور فضیلت کو بیان فرمایا کہ زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ؛ کعبۃ اللہ ہے۔ اس میں اہم نشانیاں ہیں جن میں ایک نشانی مقام ابراہیم ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے۔ ایک نشانی زمزم کا کنواں ہے۔ زمزم وہ پانی ہے جو حضرت ہاجرہ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وجہ سے نکلا تھا۔ اسی طرح ان نشانیوں میں حطیم بھی شامل ہے۔ جو شخص حرم میں داخل ہو جائے اسے امن مل جاتا ہے۔

حج کی فرضیت:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۖ...﴾ (۹۷)

پھر اس پارے میں اللہ تعالیٰ نے حج کے فرض ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ جو شخص سفر وغیرہ کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو، پیچھے اہل خانہ کے گذر بسر کا انتظام بھی ہو اور وہاں کے قیام کا خرچہ بھی ہو تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت ہے تو حج کی فرضیت کے لیے محرم کا ساتھ ہونا بھی شرط ہے۔ فریضہ حج ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا تذکرہ:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ...﴾ (۱۰۶)

قیامت کے دن اہل السنۃ والجماعۃ کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

... (۱۱۰)

اس امت کی خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کرتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہت اہتمام کرنا چاہیے۔ نیکی کی طرف لانے کے جو جائز اسباب ہیں ان کو اختیار کرنا چاہیے اور گناہ سے بچنے کے جو جائز اسباب ہیں ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

کفار و منافقین سے دلی دوستی کی ممانعت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ

بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ ... (۱۱۸)

مسئلہ بیان فرمایا کہ منافقین اور کفار سے قلبی تعلق نہ رکھو کیونکہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

ان کے دلوں میں جو بغض اور حسد پوشیدہ ہے وہ ان کی علانیہ باتوں سے زیادہ سخت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین اور دنیا کی پریشانی لاحق ہو۔ ہاں البتہ رکھ رکھاؤ اور وقتی ضرورت الگ چیز ہے۔

غزوات کا تذکرہ:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ ... (۱۲۳)

پھر غزوات کا ذکر کیا ہے یعنی غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ حراء الاسد۔ لیکن یہاں تفصیل سے غزوہ احد کا

ذکر ہے جو کہ پچپن آیات پر مشتمل ہے۔ اسلام کی سب سے پہلی جنگ جس نے حق اور باطل کا فیصلہ کیا وہ جنگ بدر

ہے، جس میں مشرکین مکہ کو شکست ہوئی۔ انہوں نے اس کا انتقام لینے کے لیے خوب تیاری کی۔ 3 ہجری میں مدینہ

منورہ پر چڑھائی کی۔ اولاً مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن پھر مسلمانوں کی اجتہادی خطا (یعنی جبل الرماۃ پر جو پچاس افراد کا

دستہ متعین تھا وہ اپنی ذمہ داری چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گیا تھا) کی وجہ سے یہ فتح شکست میں

تبدیل ہو گئی جس سے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ان شہداء میں شامل تھے۔

ان غزوات کے ذکر کرنے کا بنیادی مقصد یہ بتانا ہے کہ اسلام جہاد ہی سے غالب آتا ہے۔

ذاکرین کا تذکرہ:

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ...﴾ (۱۹۱)

دلائل قدرت کا ذکر کرتے ہوئے ذاکرین کی شان بیان کی گئی ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ

کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اہل ایمان کا تذکرہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۲۰۰)

سورۃ آل عمران کے آخر میں اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم صبر کرو یعنی مصائب کی وجہ سے دل چھوٹا نہ کرو،

شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کرو یعنی ڈٹ جاؤ، سرحدوں پر پہرے دو، ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں احکام شریعت پر عمل کرنے کی توفیق دے اور شریعت کی حفاظت کے لیے پہرہ دار بننے کی

توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سورۃ النساء

وجہ تسمیہ:

”نساء“ عورتوں کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے خواتین کے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں

اسی وجہ سے اس سورت کا نام ”سورۃ النساء“ رکھ دیا گیا ہے۔

اسلام کی نظر میں عورت کی عظمت:

حیران کن بات یہ ہے کہ پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ”سورۃ الرجال“ یعنی مردوں کے نام سے کوئی

سورت نازل نہیں فرمائی البتہ عورتوں کے نام سے یہ سورت نازل فرمائی ہے۔ خواتین کو کس قدر عظمت دی ہے۔ اب

اس پروپیگنڈے سے متاثر ہونا کہ اسلام عورت کو عظمت نہیں دیتا، حقوق کا خیال نہیں رکھتا... یہ ناانصافی ہے۔

اسلام نے عورت کے بہت سے حقوق بیان کیے ہیں اور اسے عزت دی ہے، مگر کوتاہی ہماری ہے کہ ہم اسلام پر عمل نہیں کرتے۔

اس سورۃ میں کئی احکام بیان کیے ہیں:

یتیموں کے مال کی حفاظت:

﴿وَأْتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۚ... (۲)﴾

یتیموں کا مال ان کے حوالے کر دینا چاہیے، نہ ہی اسے کھائیں اور نہ ہی ان کے عمدہ مال کو ردی مال سے بدلنے کی کوشش کریں کیونکہ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

تعدد ازدواج کا بیان:

﴿فَأَنْكِحُوا مَا كَتَبَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعَ ۚ... (۳)﴾

اللہ تعالیٰ نے تعدد ازدواج کا مسئلہ بیان فرمایا کہ ایک سے زائد؛ چار تک نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس طاقت و ہمت ہو، اسباب ہوں اور عدل بھی کرتا ہو تو ذہن نشین فرمائیں کہ ایک سے زائد شادیاں کرنے والا افضل ہے۔ لیکن اگر حقوق ادا نہ کر سکتا ہو تو اس پر مواخذہ بھی سخت ہے۔ اگر ایک سے زائد شادیوں پر قوت و طاقت نہ ہو، اسباب نہ ہوں اور حقوق ادا نہ کر سکتا ہو تو پھر ایک ہی نکاح پر اکتفاء کرنا چاہیے۔

میراث کا بیان:

﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرِهَ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ... (۱۱)﴾

پھر میراث کا مسئلہ بیان فرمایا۔ وراثت کے تفصیلی اصول بیان فرمائے کہ کس کو کتنا حصہ دینا ہے۔ جہاں مردوں کے لیے میراث کے حصص کو بیان کیا ہے وہاں عورتوں اور بچوں کو وراثت کا حق دار قرار دیتے ہوئے ان کے لیے بھی حصص کو بیان کیا ہے اور یہ بتایا کہ عورتوں کو حصہ دینا ان پر کسی کا احسان نہیں بلکہ ان کا حق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے۔

محرمات کا بیان:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ... (۲۳)﴾

یہاں محرمات کو بیان فرمایا یعنی کس سے نکاح کرنا جائز ہے اور کس سے ناجائز ہے۔ یہ بات ذہن نشین

فرمائیں کہ نکاح حرام ہونے کے بنیادی طور پر تین اسباب ہیں:

1: نسب یعنی جو خونی رشتے ہیں۔

2: رضاعت یعنی دودھ پینے کی وجہ سے جو رشتے قائم ہوتے ہیں۔

3: مصاہرت یعنی شادی کرنے کی وجہ سے جو رشتے قائم ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی عورت سے نکاح ہوا اور رخصتی

بھی ہو گئی ہو تو آدمی اس عورت کی والدہ یعنی اپنی ساس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

اس کی مزید تفصیل میری کتاب ”کتاب الفقہ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الرَّاٰكِيَّاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا
النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ

پارہ نمبر 5

جن عورتوں سے نکاح جائز ہے:

﴿وَأَحَلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ۖ... (۲۴)﴾

چوتھے پارے کے آخر میں محرمات کا ذکر تھا۔ اب پانچویں پارے کے شروع میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح کرنا حلال و جائز ہے۔ نکاح سے مقصود پاک دامنی ہے نہ کہ صرف شہوت پوری کرنا۔ نکاح کے لیے ایجاب و قبول، دو گواہ اور حق مہر کا ہونا ضروری ہے۔ جب نکاح ہو تو اس کا اعلان بھی لازمی کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں کا فلاں سے نکاح ہوا ہے۔ اس سے انسان تہمت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حرمتِ متعہ:

متعہ کہتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی عورت سے کہے کہ میں تجھ سے اتنے گھنٹوں یا دنوں کے لیے اتنے مال کے بدلے نفع اٹھانا چاہتا ہوں اور وہ عورت اسے قبول کر لے۔ اس میں نہ تو لفظ ”نکاح“ استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ لہذا جس طرح زنا حرام ہے اسی طرح متعہ بھی حرام ہے۔

مرد کی حاکمیت و فضیلت:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ... (۳۴)﴾

مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت پر فضیلت دی ہے اور اس پر حاکم مقرر کیا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

1: عورت کے تمام اخراجات مرد کے ذمہ ہیں۔

2: تکوینی طور پر فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے مرد کو فضیلت دی ہے۔

یہ ضابطہ عام مرد اور عورت کے اعتبار سے ہے لیکن بعض خواتین علم و فضل میں یا کبھی جسمانی قوت و طاقت میں کسی مرد سے آگے نکل جائیں تو یہ اس ضابطہ کے خلاف نہیں۔

نافرمان بیوی کی اصلاح کا طریقہ:

﴿وَالَّتِي تَخَافُ مِن نُّشُوزِهَا فَعَذِّبْهَا وَأَلْهَبْ لَهَا فِي الْمِصْرَاجِ وَاصِرٌ بِهَا... (۳۴)﴾

اگر بیوی کبھی نافرمان اور سرکش بن جائے تو اس کی اصلاح کے لیے تین تدبیریں درجہ بدرجہ اپنائی جائیں:

- 1: اسے سمجھایا جائے اور نافرمانی کی وجہ سے برے انجام سے آگاہ کیا جائے۔
- 2: اگر سمجھانے سے اصلاح نہ ہو تو اسے بستر سے الگ کر دیا جائے۔
- 3: اس کے بعد بھی سرکشی ختم نہ ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے مناسب سزا دی جائے۔

طہارت کے مسائل:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لِمَسْتُمُ النِّسَاءِ ... (۴۳)﴾

یہاں طہارت کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً جب نماز پڑھنی ہو یا قرآن کریم کو ہاتھ لگانا ہو یا کوئی ایسا کام ہو جہاں طہارت کی ضرورت ہوتی ہے تو وہاں وضو کرنا ضروری ہے۔ تین حالتوں میں غسل کرنا فرض ہے:

◆ احتلام ہو جانے کی صورت میں۔ ◆ اپنی اہلیہ سے ہمبستری کے بعد۔

◆ حیض و نفاس کے بعد۔

تیمم؛ نعمت خداوندی

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّسُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ... (۴۳)﴾

اللہ تعالیٰ کا کتاباً احسان ہے کہ وضو طہارت کے لیے مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا جو پانی سے بھی زیادہ آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے۔ تیمم کی نعمت صرف امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی خصوصیت ہے۔

امانت ادا کرنے کی تاکید:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ... (۵۸)﴾

اس آیت کا شان نزول تو خاص واقعہ ہے کہ ہجرت سے پہلے عثمان بن طلحہ - جو کعبہ کے کنجی بردار تھے - نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے فرمایا تھا کہ اے عثمان! شاید تم ایک دن بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس وقت مجھے اختیار ہو گا کہ جس کو چاہوں یہ چابی سپرد کر دوں۔ جب فتح مکہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے کنجی لے لی اور بیت اللہ

میں نماز ادا کرنے کے بعد کنجی عثمان کو واپس کر دی اور فرمایا: یہ قیامت تک تمہارے خاندان کے پاس رہے گی۔ لیکن اس آیت کا حکم عام ہے جس کی پابندی تمام معاملات میں پوری امت کے لیے ضروری ہے۔
خدا، مصطفیٰ اور فقہاء:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ... (۵۹)﴾

اللہ تعالیٰ نے شریعت پر عمل کرنے کے حوالے سے ارشاد فرمایا: خدا کی اطاعت کرو، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور فقہاء کی اطاعت کرو۔

یہ تین باتیں کیوں فرمائی ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو خالق اور مالک ہیں، ہم مخلوق اور مملوک ہیں، ہم نے اللہ تعالیٰ کی بات ماننی ہے لیکن ہم دنیا میں اپنے اس کان سے اللہ تعالیٰ کی بات سن نہیں سکتے، اس آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے تو ہم اللہ تعالیٰ کی بات کو کیسے مانیں گے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان ایک واسطہ ہو اور وہ واسطہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بات کو سنتے ہیں۔ کوئی نبی براہ راست سنتا ہے اور کوئی بذریعہ حضرت جبریل علیہ السلام سنتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ القاء بھی فرمادیتے ہیں۔

بعض مسائل ایسے ہیں جو قرآن و سنت کی تہہ میں موجود ہیں لیکن ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ قرآن و سنت کی تہہ میں سے ان مسائل کو نکال سکے۔ اب ہم نے ان مسائل پر عمل کیسے کرنا ہے؟ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فقہاء کی بات مانو۔ کیونکہ فقہاء کرام؛ اللہ اور نبی کی بات کی تہہ میں سے مسائل نکال سکتے ہیں۔

خدا کی بات کو ”قرآن“ کہتے ہیں، مصطفیٰ کی بات کو ”حدیث“ کہتے ہیں اور فقہاء کی بات کو ”فقہ“ کہتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہاں قرآن کریم، حدیث اور فقہ تینوں کو ماننے کا حکم دیا ہے۔

اجتہاد اور قیاس کا ثبوت:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ... (۵۹)﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اے فقہاء کرام! اگر تمہارا کسی مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کرو۔ مفسرین کرام نے اس سے اجتہاد اور قیاس کو ثابت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے دعائے مغفرت کروانا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ

تَوَّابًا رَّحِيمًا (۶۴)﴾

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ میں منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی کے حکم میں ہے، جیسا کہ دیہاتی والا واقعہ مشہور ہے۔

انعام یافتہ طبقات:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (۶۹)﴾

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں یہ بات فرمائی تھی کہ مجھ سے یوں دعا مانگو:

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾

اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلائیے۔

یہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اس کی مراد اللہ تعالیٰ نے خود سکھائی کہ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ان

لوگوں کا راستہ جن پر اے اللہ! آپ نے انعام فرمایا۔ ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر پانچویں پارے کی اس آیت میں کیا ہے۔ یہ انعام یافتہ طبقات چار ہیں:

2: صدیقین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

1: انبیاء کرام علیہم السلام

4: اولیاء کرام

3: شہداء

پہلی بات کہ انبیاء علیہم السلام کی بات مانو۔ نبی تو ہر علاقے میں نہیں! تو فرمایا کہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر

چلو۔ پھر ہر علاقے میں صحابی بھی نہیں تو فرمایا کہ شہید کے نقش قدم پر چلو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہید شہادت

کے بعد ہماری بات کو سن بھی لے تو وہ بتائے گا کیسے؟ تو پھر فرمایا: اولیاء، علماء اور بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلو۔ تو ہمیں چاروں کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عوام کے لیے تقلیدِ ائمہ کا ثبوت:

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ...﴾ (۸۳)

اگرچہ یہ آیت جنگ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے کہ جن مسائل میں کوئی نص موجود نہ ہو تو ان کے احکام کے حل کے لیے دو طرف رجوع کرنے کا حکم دیا:

1: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو ان کی طرف رجوع کر کے حل کروائیں۔

2: اگر وہ موجود نہ ہوں تو علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کر کے حل کروائیں۔

قتل اور دیت کا بیان:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً...﴾ (۹۲)

اللہ تعالیٰ نے قتل کے احکام بیان فرمائے ہیں کہ مسلمان کی شان کے لائق نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو

قتل کرے الا یہ کہ وہ غلطی سے قتل کا ارتکاب کر بیٹھے۔

اولاً قتل کی دو قسمیں ہیں: قتلِ عمد اور قتلِ خطا۔

پھر یہاں قتلِ خطا کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

1: مؤمن قتل ہو جائے تو قاتل پر دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔ دیت کی مقدار احادیث میں بیان کی گئی ہے:

ایک سوانٹ یا ایک ہزار دینار لازم ہوں گے۔ کفارہ میں ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے گا۔ اگر غلام میسر نہ تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنے پڑیں گے۔

2: اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں رہتا ہو، اسے غلطی سے قتل کر دیا جائے تو صرف کفارہ لازم ہوگا۔

3: اگر کوئی ذمی (جو دارالاسلام میں معاہدہ کے تحت رہتا ہو) کو قتل کر دے تو بھی قاتل پر کفارہ اور دیت لازم ہوگی۔

صلوۃ خوف اور صلوۃ قصر:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ...﴾ (۱۰۱)

گزشتہ آیات میں جہاد اور ہجرت کا بیان تھا تو چونکہ ان دونوں میں خوف و خطر کا سامنا ہوتا ہے جس کی وجہ صلوٰۃ خوف اور قصر کی نوبت پیش آتی ہے اس لیے یہاں صلوٰۃ خوف اور صلوٰۃ قصر کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تفصیلات کے لیے کتب فقہ اور علماء کرام سے رجوع فرمائیں۔

اجماع امت حجت ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (۱۱۵)

اس آیت میں دو چیزوں کو بڑا جرم اور دخول جہنم کا سبب ہونا بتایا ہے:

- 1: مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ظاہر ہے کہ مخالفت رسول کفر اور بڑا جرم ہے۔
- 2: جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں اس کو چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے۔

منافقین کی ذہنی کیفیت:

﴿مُذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ ۖ ...﴾ (۱۴۳)

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حالت بیان فرمائی کہ منافقین نہ ادھر کے ہوتے ہیں نہ ادھر کے، درمیان میں لٹکے ہوتے ہیں۔ جو نہی دین میں کوئی فائدہ دیکھا تو ادھر لپک گئے، دنیا میں کوئی فائدہ دیکھا تو ادھر دوڑ گئے۔ عذاب سے بچنے کا نسخہ:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۖ ...﴾ (۱۴۷)

آخر میں فرمایا کہ اگر تمہارا عقیدہ ٹھیک ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے دو چیزوں کو اپنا ضروری ہے:

اول: عقائد کا ٹھیک ہونا۔ دوم: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں درست عقائد پر کاربند رکھتے ہوئے تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

پارہ نمبر 6

ظلم ختم کرنے کا قانون:

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ (۱۴۸)

اگر کوئی شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے اور وہ مظلوم کسی کے پاس جا کر اس ظالم کی شکایت کرتا ہے یا عدالت میں چارہ جوئی کرتا ہے تو یہ عدل و انصاف ہے، جرائم اور ظلم کے بند ہونے کا سبب ہے۔ مظلوم کا آواز اٹھانا اور کسی کو شکایت کرنا غیبت بھی نہیں لیکن اگر مظلوم صبر کرے اور معاف کر دے تو آخرت میں بڑا اجر ملے گا۔

یہود کے دعویٰ کی تردید:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۖ ...﴾ (۱۵۷)

﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (۱۵۸)

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی کہ یہودیوں نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور نہ ہی سولی پر چڑھایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بحفاظت آسمانوں پر اٹھالیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے۔

عقیدہ تثلیث کی تردید:

﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انْتَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ ...﴾ (۱۷۱)

عقائد کے اعتبار سے نصاریٰ کے تین فرقے تھے، ان کا ماننا تھا کہ:

♦ عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں۔

♦ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

♦ عیسیٰ علیہ السلام تین میں سے تیسرے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ، روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام تینوں کا

مجموعہ خدا ہے۔

یہاں ان کے عقیدہ تثلیث کی تردید فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بطن مبارک سے پیدا شدہ بشر اور خدا کے سچے رسول ہیں۔

کلالہ کی میراث کا حکم:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ... (۱۷۶)﴾

کلالہ وہ ہوتا ہے جس کی اولاد اور والدین نہ ہوں۔ تجہیز و تکفین، قرض کی ادائیگی اور وصیت کے بعد کلالہ کی ایک بہن ہو تو اسے نصف، دو یا زیادہ ہوں تو دو تہائی جبکہ بھائی ہو تو ساری وراثت اور اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو مذکر کو مؤنث سے دو گنا حصہ ملے گا۔

سورة المائدة

وجہ تسمیہ:

"مائدہ" عربی میں "دستر خوان" کو کہتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! مائدہ یعنی دسترخوان آسمان سے نازل فرما۔ اس لیے اس سورت کا نام "سورة المائدة" ہے۔ اس سورت میں حلال اور حرام چیزوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ عہد پورا کرنے کا حکم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ... (۱)﴾

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ معاہدات کو ضرور پورا کرو۔ ان سے مراد وہ معاہدات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ایمان و اطاعت کے متعلق لیے ہیں یا مراد وہ معاہدات ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کر لیا کرتے ہیں۔

نوجیزوں کی حرمت کا بیان:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ

الْمَوْقُودَةُ وَ الْمَتَرَدِيَةُ وَ النَّطِيحَةُ وَ مَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ... (۳)﴾

درج ذیل نو چیزیں حرام ہیں:

مردار۔ بہنے والا خون۔ خنزیر۔ وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ جو جانور گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو۔ جو سخت چوٹ کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہو۔ جو اوپر سے نیچے لڑھکتا ہوا گر کر مر جائے۔ جو کسی ٹکر اور تصادم سے ہلاک ہو گیا ہو۔ جسے کسی درندے جانور نے پھاڑ دیا اور وہ مر گیا۔

البتہ اضطراب کی حالت میں جبکہ جان کو خطرہ لاحق ہو ان کا اتنی مقدار میں کھانا جس سے جان بچ جائے جائز ہے۔ پہلے چار کے علاوہ اگر کسی جانور کو زندہ حالت میں پا کر ذبح کر دیا گیا تو وہ حلال ہو گا۔ تکمیل دین کا اعلان:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا... (۳)﴾

یہ قرآن کریم کی احکام کے اعتبار سے نازل ہونے والی آخری آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ؛ میدانِ عرفات میں اعلان فرمایا کہ میں نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دین کو کامل فرما دیا ہے۔ دین کے مکمل ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ مسائل قرآن کریم میں بیان فرمائے، کچھ احادیث میں اور کچھ مسائل کے لیے قرآن و حدیث میں اصول بتا دیے جن کی روشنی میں باقی ماندہ مسائل کو نکالا جائے گا۔ ان مسائل کو نکال کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت کو فقہاء عطا فرمائے ہیں۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۚ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ ۚ وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ ۚ وَ

الْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ... (۵)﴾

یہاں ”طعام“ سے مراد؛ ذبیحہ ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور مسلمانوں کا ذبیحہ اہل کتاب کے لیے حلال ہے۔ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں، اپنے نبی کو مانتے ہوں اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں۔ لہذا یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں۔

عدل و انصاف کا بیان:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ... (۸)﴾

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ دوستوں سے معاملہ ہو یا دشمنوں سے، عدل و انصاف کے حکم پر قائم رہو۔ نہ تو کسی تعلق کی بنا پر اس میں کمزوری آئے اور نہ ہی کسی سے دشمنی و عداوت کی وجہ سے عدل و انصاف متزلزل ہو۔

یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ... (۱۸)﴾

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ چونکہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اس لیے گناہ بھی کریں تو اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ ان کے اس دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا کہ آپ ان سے پوچھیں: اچھا پھر تم بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں عذاب کیوں دیں گے؟ سورۃ بقرہ میں یہود کا قول مذکور ہے کہ اگر ہمیں عذاب ہوا بھی تو گنتی کے چند دن ہو گا۔ جب تمہیں خود بھی اقرار ہے، تو کیا کوئی باپ اپنے بیٹے یا محبوب کو عذاب دیا کرتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ اس لیے تمہارا دعویٰ باطل ہے۔

ہابیل اور قابیل کی داستان:

﴿وَإِثْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأُ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ... (۲۷)﴾

یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا ذکر ہے۔ آدم علیہ السلام اور اماں حوا جب دنیا میں آئے، اولاد کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر حمل سے جڑواں اولاد پیدا ہوتی تھی؛ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ حقیقی بہن بھائی سمجھے جاتے تھے۔ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے سے پہلے حمل میں پیدا ہوانے والی لڑکی کا نکاح جائز تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بہت خوبصورت تھی۔ ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ کم خوبصورت تھی۔ اسی وجہ سے قابیل ہابیل کا دشمن ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا جو لڑکی میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ان کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا تھا۔ آدم علیہ السلام نے اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے فرمایا: تم دونوں قربانی کرو، جس کی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اسی کو دی جائے گی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی۔ قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ قابیل کو اور زیادہ غصہ آیا تو اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

باغیوں کی سزا کا بیان:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ... (۳۳)﴾

یہاں باغیوں، ڈاکوؤں کی سزا کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سزا کا بنیادی مقصد جرائم کو ختم کرنا ہے۔ اس کی چار

صورتیں ہیں:

ان کو قتل کیا جائے۔ سولی پر لٹکا یا جائے۔ مخالف جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ جلاوطن کیا جائے۔
مختصر تفصیل یہ ہے:

- ◆ ڈاکوؤں نے دارالاسلام کے کسی مسلمان یا غیر مسلم کو قتل کیا، مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا صرف قتل ہے۔
- ◆ اگر کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو زندہ سولی پر لٹکا کر نیزے سے پیٹ کو چاک کر دیا جائے۔
- ◆ اگر صرف مال لوٹا ہے تو مخالف جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔
- ◆ اگر قتل بھی نہیں کیا اور مال بھی نہیں لوٹا تو ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔

چور کی سزا کا بیان:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۳۸)﴾
کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے، اس کو چوری کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں عموماً خطاب مردوں کو ہوتا ہے۔ عورتیں ضمناً و تبعاً شامل ہوتی ہیں لیکن یہاں حد کا معاملہ تھا تو عورتوں کا ذکر بھی صراحتاً فرمایا کیونکہ حدود؛ شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ چور مرد ہو یا عورت اگر مال مسروقہ کا نصاب پورا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

یہود، نصاریٰ اور منافقین کا ذکر:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ... (۴۱)﴾

یہاں مذکورہ تینوں فرقوں کی عادت کو بیان کیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایات کے مقابلے میں

اپنی خواہشات اور آراء کو مقدم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تاویلیں کر کے اپنی خواہشات کے مطابق بنانے

کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کی دنیا و آخرت میں رسوائی اور انجام بد کا بیان ہے۔
یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کی ممانعت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ... (٥١)﴾

یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی رکھنے سے منع کر دیا کہ یہ تمہارے ساتھ مخلص نہیں۔ ان سے دوستی رکھنے میں نقصانات ہیں۔ اس لیے تمہارا یارانہ صرف مسلمانوں سے ہونا چاہیے، اور یہی دستور یہود و نصاریٰ کا بھی ہے کہ وہ اپنی قوم کے علاوہ کسی اور سے دلی دوستی نہیں کرتے۔ اب اگر اس قرآنی حکم کے باوجود بھی کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی کرے گا تو وہ اسی قوم کا فرد کہلانے کے قابل ہے۔

مرتدین اور مخلصین کا ذکر:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۚ

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ... (٥٤)﴾
اگر مسلمانوں میں کچھ لوگ مرتد بھی ہو جائیں تو دین اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے محتاج نہیں ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کو سنبھالو گے تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لیے اچھا ہو گا اور اگر تم خدا کے مقابلے میں اپنی مرضی چلاؤ گے اور خدا کے دین کی حفاظت اور دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام نہیں دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی دوسری جماعت کو لائیں گے جو اخلاق و اعمال میں اعلیٰ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان نئے لوگوں سے پیار کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے پیار کریں گے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بالکل بھی نہیں ڈریں گے۔

تبلیغ دین کی تاکید:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ... (٦٧)﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کی تاکید کی جارہی ہے اور ساتھ ساتھ تسلی بھی دی جارہی ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل کیا جائے وہ سب بغیر کسی جھجک اور روک ٹوک کے لوگوں کو پہنچادیں۔ کوئی برامانے یا بھلا اور مخالفت کرے یا قبول کرے آپ کسی کی پروا نہ کریں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے تسلی بھی دی کہ تبلیغ دین میں کفار آپ کا کچھ نہیں

بگاڑ سکیں گے۔ یہی وجہ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنی پوری ہمت و قوت صرف فرمائی۔

یہود، مشرکین اور نصاریٰ کی دشمنی:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۖ... (۸۲)﴾

آخر میں ایک بات یہ بھی فرمائی کہ دیکھو تمہارے دشمن یہود بھی ہیں، مشرکین بھی ہیں، نصاریٰ بھی ہیں؛ تینوں تمہارے مخالف ہیں لیکن ان تینوں میں سے یہود و مشرکین مسلمانوں کے ساتھ نفرت، دشمنی اور کینہ زیادہ رکھتے ہیں اور عیسائی؛ یہودیوں کی بہ نسبت نرم دل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بات برحق ہے، جو فرمایا سو فیصد درست ہے۔ جب یہود اور نصاریٰ ہمارے دشمن ہیں تو ہمیں بھی اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ہم بھی انہیں اپنا دشمن سمجھیں، خیر خواہ نہ سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی سورۃ البقرۃ میں فرمادیا:

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۖ﴾ [سورۃ البقرۃ: 120]

اے میرے پیغمبر! یہ یہود و نصاریٰ آپ سے تب راضی ہوں گے جب آپ یہودی یا عیسائی ہو جائیں (العیاذ باللہ) اور ایسا ہونا نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا امتی بنائے، شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

پارہ نمبر 7

حبشہ کے نصاریٰ:

﴿وَإِذَا سَبَّحُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ (۸۳)

چھٹے پارے کے آخر میں فرمایا تھا کہ نصاریٰ، بہ نسبت یہود و مشرکین کے مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ اس آیت میں حبشہ کے نصاریٰ کا ذکر ہے۔ جب مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو نصاریٰ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی مبارک زبان سے قرآن سنا تو ان کے آنسو جاری ہو گئے۔

حلال و حرام کا بیان:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ...﴾ (۸۷)

یہاں ایک ضابطہ بیان کیا گیا کہ کوئی بھی چیز خواہ وہ کھانے پینے، پہننے یا منکوحات کی قسم سے ہو؛ حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ جن چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے نہ تو تم ان کو حرام قرار دو اور نہ ہی ان کے استعمال سے گریز کرو بلکہ یہ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، انہیں استعمال کرو۔

قسم کی چند صورتیں اور احکام:

﴿لَا يُوْأْخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُوْأْخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ ۚ...﴾ (۸۹)

قسم کی تین قسمیں ہیں:

1: یمین لغو

2: یمین غموس

3: یمین منعقدہ

کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق سچی قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو اس کو ”یمین لغو“ کہتے ہیں۔ اس پر نہ کفارہ ہے نہ گناہ۔ اسی طرح عام گفتگو میں کوئی بات کرتے ہوئے واللہ، باللہ،

تاللہ کہنا۔ جیسے واللہ یہ کھانا تو زبردست ہے۔ یہ بھی یمین لغو ہے۔

اگر کسی گزشتہ کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے تو اس کو ”یمین غموس“ کہتے ہیں۔ یہ سخت گناہ ہے، توبہ واستغفار کرے، البتہ اس کا کفارہ نہیں۔

آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو ”یمین منعقدہ“ کہتے ہیں۔ اس قسم کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے جو یہ ہے کہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کر دے اور اگر تینوں پر قادر نہیں تو پھر لگاتار تین روزے رکھے۔

حرام چیزوں کا بیان:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۹۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں؛ شراب، جوا، بُت اور جوئے کے تیروں کی حرمت کو بیان کر کے انہیں گندہ اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ ان سے بچنے میں ہی کامیابی ہے۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعے شیطان ایمان والوں میں بغض وعداوت ڈالنا چاہتا ہے، اور ان کے ذریعے اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ...﴾ (۹۵)

مُحْرَم کے لیے حالتِ احرام میں شکار کرنا جائز نہیں خواہ وہ شکار ایسا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے یا وہ شکار ایسا ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ اگر مُحْرَم نے شکار کر لیا تو اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا۔

بے فائدہ سوال کرنے کی ممانعت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن أَشْيَاءَ إِن تُبَدَّلَ لَكُمْ تَسْأَلُهُمْ ۖ وَإِن تُسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلَ لَكُمْ ۖ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (۱۰۱)

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حج ہر سال فرض ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ جب انہوں نے تیسری مرتبہ پوچھا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں ”ہاں“ میں جواب دے دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کر سکتے۔

بعض لوگوں کو بلاوجہ سوال کرنے کا شوق ہوتا ہے تو اس آیت میں سمجھایا گیا ہے کہ اس طرح کے سوالات نہ کریں جن کے نتیجے میں ان پر کوئی مشکل آجائے۔
مشرک نہ رسوم کی تردید:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ... (۱۰۳)﴾

مشرکین نے اپنے طور پر چار قسم کے جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس عقیدہ باطل کی تردید فرمائی کہ وہ جانور جنہیں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کے لیے حلال کر دیا ہے ان میں سے کسی جانور کو خاص قید لگا کر حرام قرار دینا، اپنے لیے منصب تشریع اپنانا ہے جو کہ شرک اور ناجائز ہے۔ وہ چار جانور یہ ہیں:

- (1) بحیرہ: وہ جانور ہے جس کا دودھ خود استعمال کرنے کے بجائے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔
- (2) سائبہ: وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام پر وقف کر کے چھوڑ دیتے تھے۔
- (3) وصیلہ: اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے مونث بچہ پیدا کرتی تھی، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

- (4) حام: اس اونٹ کو کہتے ہیں جو خاص عدد سے جفتی کر چکا ہوتا، اسے بھی بتوں کے لیے وقف کر دیتے تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (۱۰۹)﴾

قیامت کے دن میدانِ محشر میں تمام انبیاء علیہم السلام سے ان کی امتوں کے بارے سوال کیا جائے گا کہ جب آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف دعوت دی تو ان لوگوں نے آپ کو کیا جواب دیا؟ انبیاء علیہم السلام جواب میں کہیں گے کہ ہمیں ان کے ایمان و عمل کا کچھ علم نہیں، آپ ہی غیب کی چیزوں کی خبر رکھنے والے ہیں۔

ماندہ کا مطالبہ:

﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِيَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۱۲)﴾

یہاں ماندہ یعنی دسترخوان کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ ٹھیک ہے، ہم دسترخوان اتاریں گے لیکن اگر اس کے باوجود بھی کوئی نہ مانا تو پھر ہم بہت سخت سزا دیں گے۔

الوہیت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی نفی:

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ آلِهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ۖ ... (۱۱۶)﴾

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے کہ اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود مانو؟ جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے: یا اللہ! آپ کی ذات پاک ہے، ایسی بات تو میرے لیے مناسب ہی نہیں جس کے کہنے کا مجھے حق نہ ہو۔

مختاریت باری تعالیٰ:

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱۱۸)﴾

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ میں نے تو انہیں آپ کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ اگر انہوں نے نافرمانی اور سرکشی کی ہے تو اے اللہ! آپ کو اختیار ہے، اگر آپ عذاب دینا چاہیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، آپ ان کو عذاب دینے پر قادر ہیں اور اگر آپ معاف کرنا چاہیں تو آپ غالب ہیں اور معاف کرنے کی حکمتیں بھی جانتے ہیں۔

نجات سچ میں ہے:

﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۖ ... (۱۱۹)﴾

اس دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ! یہ وہ دن ہے جہاں ہر شخص کی سچائی ہی کام آئے گی۔ سچوں کو نجات ملے گی اور جھوٹے تباہ ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سچائی کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے اور جھوٹ سے بچنے کی توفیق دے۔ (آمین)

سورة الانعام

وجہ تسمیہ:

”انعام“ مویشیوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں مویشیوں کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام ”سورة الانعام“ رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم السلام کی رسالت، قیامت اور قدرت باری تعالیٰ کے دلائل بیان کیے گئے ہیں، ساتھ ساتھ مشرکین کے غلط عقائد و نظریات کی بھی تردید کی گئی ہے۔

مشرکین سے سوال:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنَ شُرَكَائِكُمْ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (۲۲)﴾

قیامت کے دن جب مشرکین اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں گے، ایک عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کو تم ہمارا شریک اور اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے تھے، جن کے گن گاتے تھے اور اپنی جان و مال ان پر قربان کرتے تھے؟ اگلی آیت میں ہے کہ مشرکین بڑے غور کے بعد جواب دیں گے کہ اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، ان کے ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

مجرمین کی تمنا:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا الْيَحْسِرَتْنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۖ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ (۳۱)﴾

تین بنیادی عقائد میں سے تیسرے عقیدے؛ عقیدہ آخرت کو بیان کیا کہ جس وقت مجرمین کو جہنم کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا تو جہنم کی ہولناکی اور سختی کو دیکھ کر وہ اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم پھر دنیا میں واپس لوٹ جاتے تو ہم احکامات کی تکذیب نہ کرتے اور مومن ہو کر لوٹتے۔ بالفرض اگر ان کو دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو وہ اپنی اس بات کو بھول جائیں گے اور وہی کریں گے جو انہوں نے پہلے کیا تھا۔

اہل باطل کی مجلس سے بچنا:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ... (۶۸)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب اہل باطل اللہ تعالیٰ کی آیات میں لہو و لعب اور استہزاء کرنے کے لیے دخل اندازی کریں تو آپ ان سے مبارک چہرہ پھیر لیں۔ یہاں اگرچہ بظاہر خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد عام ہے یعنی اس خطاب میں امت بھی شامل ہے۔

مشرک باپ کا موحد بیٹا:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ أَزِرْ أَبْنَاءَكَ أَصْنَمَا إِلَهَةً إِنِّي أَزَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۷۴)﴾

یہاں کئی آیات میں امام المؤمنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید اور آپ علیہ السلام کے والد اور قوم کی بت پرستی کی تردید کا ذکر ہے۔ والد بت بناتا ہے اور بیٹا دین کی دعوت دے رہا ہے۔ باپ مشرک بناتا ہے اور بیٹا توحیدی بناتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے ابا جان! آپ اور آپ کی قوم دونوں گمراہی پر ہیں۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ خود کو اور قوم کو کفر سے بچائیے! پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دلائل کے ساتھ سمجھایا اور ان کی ستارہ پرستی کی تردید فرمائی۔

اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر:

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَّشَاءُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (۸۳)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا یکجا ذکر کیا ہے۔ اس قدر انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس سورت کے علاوہ اور کسی سورت میں نہیں ہے۔ ان کے اسمائے مبارک یہ ہیں: حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون،

حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسماعیل، حضرت یسوع، حضرت یونس، حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلو، ان کی ہدایات پر عمل کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تعلیمات تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان قدر مشترک ہیں جیسے عقائد میں سے عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور دیگر احکام میں سے صداقت، دیانت، سچائی، ایفاء عہد، حقوق کی ادائیگی وغیرہ؛ ان پر چلو۔ اگرچہ احکام کی تفصیل تبدیل ہوتی رہتی ہے لیکن بنیادی باتیں تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں یکساں رہی ہیں۔

ذات و صفات خداوندی پر دلائل:

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ... (۹۵)﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا دلائل کے ساتھ تعارف کروایا ہے۔ انسان خود سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنا چاہے تو اس کے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت دلائل اور نشانیوں سے حاصل ہوتی ہے۔

رویت باری تعالیٰ:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (۱۰۳)﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال علمی کا بیان ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ مخلوق کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس دنیا میں تو ظاہری آنکھوں سے بھی نہیں دیکھ سکتی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار تو ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ پھر بھی محال رہے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہیں اور انسانی حواس محدود چیزیں ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ محدود چیز؛ غیر محدود ذات اور اس کی صفات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ اس لئے مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کی حقیقت جاننے میں قاصر ہے۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو تمام مخلوق کی نگاہوں کو دیکھنے والی اور ان کا احاطہ کرنے والی ہے۔ مخلوق کا دیکھنا چونکہ ناقص ہے اس لیے اس کا علم بھی ناقص ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اور احاطہ کرنا چونکہ کامل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو جو علم حاصل ہے وہ کامل ہے، ایسا علم مخلوق کو حاصل نہیں۔

آیت مذکورہ کے پیش نظر اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی انسان یا جن اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں! عالم آخرت میں اہل جنت اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے لیکن یہ

دیکھنا بھی احاطہ کے بغیر ہو گا۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ یہ دیکھنا ظاہری آنکھ سے تھا لیکن دو وجہ سے آیت مذکورہ کے مخالف نہیں۔

اولاً..... اس لیے کہ یہ دیکھنا اس دنیا میں نہیں تھا بلکہ عالم بالا میں تھا اور عالم بالا میں آنکھ کے ذریعے دیکھنا ممکن ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار عیناً ایسے کریں گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہیں۔ ثانیاً.... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو رویت ثابت ہے وہ ”رویت بدون الاحاطہ“ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار ذات و صفات کے کلی احاطہ کے بغیر کیا ہے جبکہ آیت میں رویت بالاحاطہ کی نفی ہے۔

خاص معجزات کا مطالبہ اور جواب خداوندی:

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَةُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ (۱۰۹)﴾

مشرکین نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ رویہ اپنایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص قسم کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ مشرکین نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ہمیں یہ معجزہ دکھا دیجیے کہ کوہ صفا پورا سونے کا بن جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ معاہدہ کرو کہ اگر یہ معجزہ ظاہر ہو گیا تو تم سب مسلمان ہو جاؤ گے۔ ان لوگوں نے قسمیں کھالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے کہ اس پہاڑ کو سونا بنا دیجئے تو اُس وقت حضرت جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر تشریف لائے کہ اگر آپ چاہیں تو ابھی اس پورے پہاڑ کو سونا بنا دیں لیکن یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ چونکہ قانون الہی یہی ہے کہ اگر کوئی قوم کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرتی ہے اور وہ معجزہ دکھا دیا جاتا ہے اور پھر وہ قوم انکار کرتی ہے تو ان پر اللہ کی طرف سے عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور ان لوگوں کی عادات سے واقف تھے اس لیے بقاضائے شفقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں اس معجزہ کی دعا نہیں کرتا۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

پارہ نمبر 8

مشرکین کی ہٹ دھرمی:

﴿وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يُجْهَلُونَ﴾ (۱۱۱)

ساتویں پارے کے آخر میں تھا کہ مشرکین؛ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پسند اور مرضی کے معجزات طلب کرتے تھے۔ یہاں بیان کیا کہ اگر ان کے فرمائی معجزات کو پورا کرنے کے لیے آسمان سے فرشتے اتریں اور مردے ان سے کلام کریں تو یہ پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے۔

تسلی خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ﴾ (۱۱۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی کہ ان کی دشمنی سے پریشان نہ ہوں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ انسان اور جنات ان کے دشمن ہوا کرتے تھے جو ان کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ لہذا آپ کے راستے میں بھی رکاوٹیں ڈالی جائیں گی، دشمن بھی ہوں گے لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔

مؤمن اور کافر کی مثال:

﴿أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۱۲۲)

یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار اور ایمان والوں کی حالت کو مثال دے کر سمجھایا ہے کہ مؤمن اور کافر کی مثال ایسے ہے جیسے زندہ اور مردہ، ایمان اور کفر کی مثال ایسے ہے جیسے روشنی اور اندھیرا۔

محشر میں سوال و جواب کا ذکر:

﴿يَمْشَرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسُ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ

يَوْمَكُمْ هَذَا... (۱۳۰) ﴿

مشرک میں اللہ تعالیٰ ان انسانوں اور جنوں سے پوچھیں گے جنہوں نے نافرانی کی تھی کہ کیا تمہارے پاس میرے رسول نہیں پہنچے تھے جو تمہیں میری آیات پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں ملاقات کے دن سے ڈراتے تھے؟ وہ اس وقت رسولوں کے آنے کا اور اپنے کفر اور نافرمانی کا اعتراف کریں گے۔

مشرکین کے عقائد باطلہ:

﴿ وَ جَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هَذَا لِشُرَكَائِنَا... (۱۳۶) ﴿

یہاں مشرکین کے عقائد باطلہ اور گمراہی کو بیان کیا ہے۔ مشرکین؛ کھیتی اور جانوروں میں جو پیداوار ہوتی اپنے خیال کے مطابق اس میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ٹھہراتے اور ایک حصہ بتوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کے حصے کو مساکین اور فقراء میں تقسیم کر دیتے اور بتوں کے حصے کو بت خانے کے مجاوروں پر خرچ کرتے۔ حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور حقیقت میں بھی اسی کا ہے۔

مشرکین کی جاہلانہ رسوم:

﴿ وَ كَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائِهِمْ لِيُرْدُوهُمْ وَ لِيُلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُونَ (۱۳۷) ﴿

یہاں سے لے کر آگے کئی آیات تک مشرکین کی جاہلانہ رسوم کو بیان کیا گیا ہے۔ چند ایک یہ ہیں:

1: بیٹوں کو قتل کرنا۔ اگر یہ بیٹیاں نہ ہوتیں تو یہ کیسے پیدا ہوتے؟ آگے اولاد کیسے چلتی؟

2: بحیرہ اور سائبہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنا۔

3: جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے ان پر سواری اور بوجھ اٹھانے کو حرام سمجھنا۔

4: بعض جانوروں کا دودھ مردوں کے لیے حلال اور عورتوں کے لیے حرام سمجھنا، وغیرہ۔

مشرکین کی تردید:

﴿ ثَلَاثِيَّةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّالِّينَ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْرِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ أَلَا تَذَكَّرُونَ حَرَّمَ أَمْرَ الْاِثْنَيْنِ

﴿اَمَّا اَسْتَمَلْتُ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْعِيَيْنِ نَبِيُّوْنِي يَعْلَمُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (۱۴۳)

اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے حلال جانور (بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے بھینس) نر اور مادہ کا ذکر کیا ہے۔ مشرکین نے اپنی طرف سے کچھ مخصوص جانوروں کو حرام ٹھہرایا تھا، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا ان کی تحریم اللہ تعالیٰ نے کی ہے؟ دلیل سے بتاؤ اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو! کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تحریم اور تحلیل کا حکم دیا؟ ظاہر ہے نہ تو ان کے پاس دلیل ہے اور نہ ہی یہ اس وقت حاضر تھے۔ پھر ان مشرکین سے بڑا ظالم اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا کون ہو گا؟

مشرکین کی بری عادت:

﴿قُلْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّتَعْذَرُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ

لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اٰهْلًا لِّغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ...﴾ (۱۴۵)

مشرکین کی طرف سے بعض چیزوں کو خود ہی حلال اور بعض کو حرام کہنے کی تردید کرتے ہوئے ان کو سمجھایا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے انہیں حلال سمجھیں اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے انہیں حرام سمجھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہاں چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ مردار، بننے والا خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

اوامر و نواہی کا بیان:

﴿قُلْ تَعٰلَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اِلَّا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَّ بِالْوٰلِدَيْنِ اِحْسَانًا...﴾ (۱۵۱)

دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: اوامر اور نواہی۔ اوامر پر عمل کرنا ہے اور نواہی سے اجتناب کرنا ہے۔ یہاں

اللہ تعالیٰ نے اوامر اور نواہی میں سے دس چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ان کا بہت زیادہ خیال کرنا چاہیے:

1: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

2: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

3: اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرنا۔

4: بے حیائی اور ہر قسم کے برے کام سے بچنا۔

5: کسی بے گناہ آدمی کو ناحق قتل نہ کرنا۔

6: یتیم بچوں کے مال میں بطور خاص ناجائز تصرف نہ کرنا۔

7: ناپ تول میں کمی نہ کرنا۔

8: عدل و انصاف کرنا۔

9: اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنا۔

10: صرف صراطِ مستقیم پر چلنا۔

رحیم و کریم:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلُهَا... (۱۶۰)﴾

اللہ تعالیٰ کی ذات کتنی کریم اور رحیم ہے کہ انسان جب نیکی کا صرف ارادہ کرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اگر وہ نیکی کر لے تو نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ گناہ کا ارادہ کرے تو گناہ لکھا نہیں جاتا جب تک گناہ کرنے لے، اگر وہ گناہ کر لے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔

مالکیت باری تعالیٰ:

﴿قُلْ إِن صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۶۲)﴾

سورۃ الانعام کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے نبی! فرما دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ تمام چیزوں کے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہیں، ہم مملوک ہیں۔ اس لیے انسان کا دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ، کان، الغرض ہر چیز اللہ رب العزت کی اطاعت کے لیے استعمال ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہر گز استعمال نہ ہو۔

سورۃ الاعراف

وجہ تسمیہ:

"اعراف" حد فاصل اور دیوار کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت کی آیت نمبر 48 میں اصحابِ اعراف کا ذکر

ہے جو دیوار پر بیٹھ کر اہل جنت اور اہل جہنم کو دیکھ رہے ہوں گے، اس لیے اس سورت کا نام ”سورۃ الاعراف“ ہے۔ اس سورت میں زیادہ تر بنیادی مضامین یعنی آخرت، رسالت اور توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

تسلی خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿كَتَبْنَا اَنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (۲)

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تبلیغ دین میں آپ کا دل تنگ نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ اس کو جھٹلا دیں گے۔ وہ ایمان نہ لائیں تو آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ کا کام فقط دین کو احسن طریقے سے پہنچا دینا ہے۔

تراز و برحق ہے:

﴿وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۸)

قیامت کے دن اچھے اور برے دونوں اعمال کا وزن کیا جائے گا اور یہ حق و صحیح ہے۔ ان آیات میں بات سمجھائی کہ جس شخص کے اعمال کا پلڑا بھاری ہو گا وہ کامیاب ہو گا اور جس کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ ناکام ہو گا۔ اس لیے اعمال کا صحیح اور سنت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ مزید یہ کہ اعمال کے قبول ہونے کی تین شرائط ہیں:

1: عقیدہ ٹھیک ہو۔

2: ارادہ ٹھیک ہو۔

3: طریقہ ٹھیک ہو۔

داستانِ حضرت آدم علیہ السلام:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُنَّا لِلْمَلٰئِكَةِ اِسْجُدْوا لِلْاٰدَمِ ۖ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا اِبْلٰیْسَ ؕ...﴾ (۱۱)

یہاں سے کئی آیات تک حضرت آدم علیہ السلام کی تفصیلی داستان کا ذکر ہے۔ آدم علیہ السلام کا مسجود ملائکہ ہونا، شیطان کا مردود ہونا، آدم علیہ السلام کا جنت میں رہنا، پھر جنت سے زمین پر آنا اور آخر میں دعا کا ذکر ہے۔ ساتھ ساتھ ابن آدم کو سمجھایا گیا ہے کہ شیطان تمہارا زلی دشمن ہے، اس لیے اس سے بچ کر رہنا۔

چوتھا عین:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ شیطان میں تین عین تھے، مگر چوتھا عین نہیں تھا، اس لیے مارا گیا۔ وہ عالم تھا اور اتنا بڑا عالم کہ معلم ملائکہ کہلاتا تھا۔ بہت بڑا عابد بھی تھا۔ وہ عارف بھی تھا اور ایسا عارف کہ عین غضب الہی کے وقت بھی جب کہ اُسے راندہ درگاہ کیا جا رہا تھا، دعا کرنے لگا کہ مجھے مہلت دے دیں، کیونکہ جانتا تھا کہ یہ حالت بھی قبولیت دعا سے مانع نہیں۔ لیکن ظالم میں عشق نہیں تھا، اگر اسے یہ چوتھا عین بھی حاصل ہو جاتا اور اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی تو حکم الہی سے سرتابی نہ کرتا، جب حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو فوراً سجدہ میں گر جاتا، کیونکہ محبت؛ مصلحتیں اور علتیں تلاش نہیں کیا کرتی، محبت تو محبوب کے حکم پر مرٹنے کا نام ہے۔ اس لیے جب تک عشق و محبت نہ ہو، نہ علم کا اعتبار ہے، نہ عبادت کا، نہ معرفت کا۔

معنوی اور ظاہری لباس:

﴿يُبْنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيَةِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ (۲۶)

گزشتہ آیات میں بتایا کہ شیطان کی خباثت کی وجہ سے آدم و حوا علیہما السلام کا جنتی لباس اتر ا اور انہیں برہنہ ہونا پڑا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے لباس کو نعمت قرار دیا ہے۔ لباس ظاہری بھی نعمت ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپاتا ہے اور اس کا اصل مقصد بھی تقویٰ اختیار کرنا ہے، اور لباس معنوی یعنی تقویٰ اختیار کرنا یہ لباس ظاہری سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لیے اولاد آدم کو دونوں لباسوں کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کہیں شیطان ان کے باپ کی طرح اولاد کو بھی آزمائش میں نہ ڈال دے۔

لباس اختیار کرنے کا حکم:

﴿يُبْنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا...﴾ (۳۱)

گزشتہ آیات میں مشرکین کی رسم بد اور جاہلانہ رسم کا بیان تھا کہ وہ ننگے جسم بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور اس کو عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے۔ یہاں سے ان کی اس بے ہودہ رسم کی تردید کی جا رہی ہے کہ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنا بے حیائی اور سخت بے ادبی ہے۔ اس آیت سے علماء کرام نے استنباط کیا ہے کہ جس طرح ننگی

حالت میں طواف کرنا منع ہے اسی طرح ننگے سر نماز پڑھنا بھی منع ہے۔

انسان بقدر طاقت مکلف ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا... (۴۲)﴾

اللہ تعالیٰ نے دین کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایسا بہترین دین ہے کہ اس میں اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے جو انسان کی طاقت میں ہے۔ ہمت سے جو بڑھ جائے اس کا اللہ تعالیٰ حکم ہی نہیں دیتے بلکہ جتنا برداشت ہو سکے اسی کا حکم دیتے ہیں۔

ایک ہے کسی چیز کا نام ممکن ہونا، برداشت سے باہر ہونا اور ایک ہے کسی چیز کا مشکل ہونا۔ شریعت کا کوئی حکم ناممکن اور برداشت سے باہر نہیں ہے، ہاں البتہ کچھ نہ کچھ مشکل ہوتا ہے تبھی تو اللہ تعالیٰ عمل کرنے پر اجر عطا فرماتے ہیں۔

اصحاب اعراف کا ذکر:

﴿وَنَادَىٰ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابَ النَّارِ اَنْ قَدْ جَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَاذْنُ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (۴۴)﴾

یہاں سے کئی آیات تک اہل جنت، اہل جہنم اور اصحاب الاعراف کا تذکرہ فرمایا کہ ایک طرف جنت والے ہیں اور ایک طرف جہنم والے ہیں، درمیان میں ایک دیوار ہے جس کا نام ”اعراف“ ہے۔ جنت والے جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا، ہم نے پالیا۔ تمہارے ساتھ جو جہنم کا وعدہ تھا کیا تمہیں بھی مل گیا ہے؟ اور کچھ لوگ اعراف والے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں دونوں برابر ہوں گی۔ یہ لوگ اعراف میں ہوں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت میں داخل فرمادیں گے۔

توحید پر اہم دلائل:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ... (۵۴)﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر کیا کہ اس نے سات آسمان بنائے۔ کسی آسمان کے نیچے

ستون نہیں ہے۔ ایک چھوٹی سی چھت بغیر سہارے کے کھڑی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت دیکھیں کہ اس قادر مطلق نے سات آسمان بغیر ستون کے پیدا فرمائے ہیں۔ پھر عرش کی وسعت کا ذکر فرمایا ہے اور عرش بھی بغیر سہارے اور ستونوں کے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کی تخلیق بتائی کہ سورج کیسے پیدا فرمایا، چاند کیسے پیدا فرمایا: یہ کتنی بڑی مخلوقات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت اور طاقت سے پیدا فرمایا اور پھر ان کے نظام کو چلا رہے ہیں۔

پانچ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کا ذکر:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اٰعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُۥ... (۵۹)﴾

یہاں سے لے کر پارے کے آخر تک اللہ تعالیٰ نے پانچ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصص بیان فرمائے ہیں۔

ان قصص کے بیان کرنے سے ایک تو یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اصول میں متفق ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ دوسرا مقصد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ مخالفین کی تکالیف پر دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے بھی ایسا کیا تھا۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب؛ علیہم السلام۔

آخر میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے بچنے اور توحید پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، بری عادات سے بچنے کی اور اچھی عادات اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اہل باطل سے دور رہنے اور اہل حق کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

پارہ نمبر 9

قومِ شعیب علیہ السلام کی دھمکی:

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوْ كُنَّا كِرْهِينَ (۸۸)﴾

آٹھویں پارے کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کی داستان شروع ہوئی تھی۔ اب نویں پارے کے شروع میں بھی انہی کی بقیہ داستان ہے۔ قوم کے متکبر لوگوں نے کہا: اے شعیب! یا تو تم پر ایمان لائے ہیں سارے ہماری ملت میں واپس آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ بالآخر قوم کی سرکشی کی وجہ سے ان پر زلزلہ آیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

دستورِ خداوندی:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ (۹۴)﴾

اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کی طرف رسول بھیجتے ہیں اور وہ ان کی بات نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ پہلے ان کو فقر و فاقہ، بیماری اور کسی مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔ وہ باز نہ آئیں تو پھر انعامات، مال کی وسعت اور صحت دیتے ہیں تاکہ مصیبت کے بعد آسانی ملنے پر وہ شکر گزار بنیں۔ لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آتے بلکہ کہتے ہیں کہ زمانہ کی عادت یہی ہے کہ کبھی تنگی اور کبھی آسانی؛ تو پھر اچانک اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

داستانِ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْهُمُ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا... (۱۰۳)﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تفصیلی واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مقابلہ ہوا، فرعون سے گفتگو ہوئی اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادو گر بلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح دی، جادو گروں کو

ناکام کیا، پھر وہ سارے کے سارے جادو گر کلمہ پڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

معجزات کا ذکر:

﴿فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ (۱۰۷) وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنُّظَرِ (۱۰۸)﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو بڑے معجزے دیے ہیں:

- 1- ید بیضا: موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ بغل کے نیچے رکھتے پھر نکالتے تو ایسے چمکتا جیسے سورج چمکتا ہے۔
- 2- عصا: موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا عصا مارتے تو پانی کے چشمے بہہ پڑتے اور سمندر پر مارتے تو پانی میں راستے بن جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی قوم کی طرف آئے ہیں، دعوت دی ہے، انہوں نے ان کی دعوت کو جھٹلایا تو ان پر کئی قسم کے عذاب آئے ہیں۔

مختلف عذابوں کا ذکر:

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ... (۱۳۳)﴾

یہاں پر ان میں سے پانچ عذابوں کا ذکر ہے:

- 1: طوفان کا عذاب
- 2: ٹڈی دل کا عذاب
- 3: جوؤوں کا عذاب
- 4: مینڈکوں کا عذاب
- 5: خون کا عذاب

قوم کی درخواست:

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا اَيُّ مَوْسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ... (۱۳۴)﴾

جب ایک عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اگر یہ ٹل جائے تو آپ کی بات مان لیں

گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، عذاب ٹل جاتا، یہ پھر سرکشی کرنا شروع کر دیتے۔ پھر دوسرا عذاب آتا تو پھر یہی کہتے کہ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اگر یہ ٹل جائے تو آپ کی بات مان لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، عذاب ٹل جاتا، یہ پھر سرکشی کرنا شروع کر دیتے۔ الغرض یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے بلکہ ان کی سرکشی بڑھتی ہی چلی گئی۔

ضابطہ حیات کی درخواست:

﴿وَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْنَةٍ مُبَيَّنَاتٍ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً... (۱۴۲)﴾

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے گئے تو فرعونیوں نے پیچھا کیا تو دریا میں غرق ہو گئے۔ اب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ضابطہ حیات، شریعت یا دستور خداندی چاہیے جس کے مطابق ہم زندگی گزار سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ طور پر تیس دن کا قیام فرمائیں۔ پھر مزید دس دن بڑھا کر چالیس دن کر دیے۔

دنوی و اخروی سزا کا ذکر:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا... (۱۵۲)﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا کہ میری قوم کی اصلاح کرتے رہنا اور انہیں سمجھاتے رہنا مگر قوم شرک میں مبتلا ہو گئی۔ اب یہاں سے فرما رہے ہیں کہ پچھڑے کو معبود بنانے کی وجہ سے آخرت میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب ہو گا اور دنیوی زندگی میں بھی یہ ذلیل و خوار ہوں گے۔

امام الانبیاء ﷺ کے اوصاف:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَ

الْإِنْجِيلِ... (۱۵۷)﴾

پہلی صفت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں۔ رسول ایسے پیغمبر کو کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کر آئے۔

دوسری صفت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔

تیسری صفت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹی ہیں۔

چوتھی صفت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ توراۃ و انجیل میں ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کی قوم کے جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں گے ان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہی ہوگی۔

ختم نبوت پر دلیل:

﴿قُلْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَبِينًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ... (۱۵۸)﴾

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ اعلانِ عام کے ذریعہ لوگوں کو بتادیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح کسی خاص قوم، قبیلے، خطے یا ملک کے نبی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوامِ عالم، جن و انس اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے نبی و رسول ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک تمام اقوامِ عالم کے لیے نبی و رسول ہیں تو پھر کسی اور نبی کے آنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہی ختم نبوت کی دلیل ہے۔

یہود کی بقیہ داستان:

﴿وَقَطَّعْنَهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى اِذَا اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗ اَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اِثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ... (۱۶۰)﴾

درمیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی بعثت اور ختم نبوت کا بیان تھا۔ اب یہاں سے لے کر کئی آیات تک پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں کے حالات و واقعات کو بیان کیا جا رہا ہے۔

عہدِ اُلت:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ طُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا اَيُّوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (۱۷۲)﴾

گزشتہ آیات میں ان معاہدات کا ذکر تھا جو بنی اسرائیل سے احکامِ تورات کی پابندی کے سلسلے میں لیے گئے

تھے۔ اب یہاں سے عہد الست کا ذکر ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو وادی نعمان میں۔ جو عرفات میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والی انسانیت کی روحوں کو جمع کیا جو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں تھیں۔ پھر ان سے عہد و پیمان لیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں۔ دنیا میں آنے کے بعد کچھ شخصیات ایسی بھی تھیں جنہیں عہد الست یاد رہا تھا۔ اس کی تفصیل میری کتاب ”شرح الفقه الاکبر“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بلعم بن باعوراء کا واقعہ:

﴿وَإِثْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأُ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَايِنِ (۱۷۵)﴾

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ قوم جبارین سے جہاد کریں تو جبارین نے بلعم بن باعوراء سے درخواست کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے بددعا کریں کہ وہ واپس ہو جائیں۔ اس نے یہ کہہ کر بددعا کرنے سے انکار کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، ان کے ساتھ فرشتے ہیں، لہذا میں بددعا نہیں کرتا۔ قوم نے بار بار اصرار کیا۔ بالآخر انہوں نے اسے بطور رشوت بھاری رقم دی۔ اس نے بیوی کے کہنے پر بددعا کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو الفاظ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے کہنا چاہتا تھا اس کی زبان سے وہ الفاظ بددعا خود اپنی قوم جبارین کے لیے نکلے۔ خود بلعم بن باعوراء کے دین و دنیا برباد ہو گئے اور زبان لٹک کر سینے پر آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کو کتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کتے کے اوپر وزن ہو تب بھی ہانپتا ہے، وزن نہ ہو تب بھی ہانپتا ہے۔ یہ بھی ایسا شخص ہے جس کے پاس علم ہو تب بھی فائدہ نہیں، علم نہ ہو تب بھی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

علم غیب؛ خاصہ خداوندی

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكْتَرْتُ مِنَ

الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۖ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۸۸)﴾

گزشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ قیامت کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ یہاں سے اس مشرکانہ عقیدے کی

تردید فرمائی جو لوگوں نے انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنا رکھا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم غیب حاصل ہے۔ اسی وجہ سے قیامت کی معین تاریخ بتانے کا آپ سے مطالبہ کرتے تھے۔ اس آیت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق واضح الفاظ میں علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔

امام کے پیچھے مقتدی خاموش رہیں:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۲۰۴)

قرآن کریم کا موجبِ رحمت ہونا اس وقت ہو گا جب اس کی قراءت کے وقت آداب کا لحاظ رکھا جائے گا۔

قرآن کریم کا ادب یہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو سننے والے کان لگا کر توجہ سے سنیں اور خاموش رہیں۔

جہری اور سری نماز:

اس آیت کا تعلق نماز کے ساتھ ہے۔ واضح رہے کہ پورا قرآن کریم؛ سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک 114 سورتوں کا نام ہے۔ نمازیں دو طرح کی ہیں:

1: جہری جیسے فجر، مغرب اور عشاء۔

2: سری جیسے ظہر و عصر۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے حکم بھی دودیے ہیں۔

1: ﴿فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ کہ جب امام جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرے تو مقتدی کان لگا کر توجہ کے ساتھ سنیں۔

2: ﴿أَنْصِتُوا﴾ جب امام سری نمازوں یعنی ظہر و عصر میں آہستہ قراءت کرے، اس کی آواز سنائی نہ دے رہی ہو تو مقتدیوں کے لیے حکم ہے کہ خاموش رہیں۔

سورۃ الانفال

وجہ تسمیہ:

"انفال" نفل کی جمع ہے، نفل زائد چیز کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے مال غنیمت ہے جو میدان جنگ میں ملتا

ہے۔ اس سورت میں چونکہ مال غنیمت کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام ”سورة الانفال“ ہے۔

مال غنیمت کا حکم:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۖ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ... (۱)﴾

یہاں مال غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر فتح کے بعد مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں اختلاف واقع ہوا تھا۔ تو اس آیت میں اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ مال غنیمت کے فیصلے کا اختیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ مسلمانوں کو آپس میں صلح اور تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔

مال غنیمت کی مزید تفصیل دسویں پارے کے شروع میں آئے گی۔

مؤمنین کے اوصاف:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمُ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (۲)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں:

[1]: اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔

[2]: تلاوت کے ذریعے اپنے ایمان کو بڑھانا یعنی ایمان میں ترقی کرتے رہنا۔

[3]: اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔

”توکل“ کا معنی ہے: اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اسباب چھوڑ کر بھروسہ کرنے کو

”تعطل“ کہتے ہیں۔ شریعت میں تعطل کا نہیں بلکہ توکل کا حکم ہے۔

[4]: اقامتِ صلوٰۃ، یعنی فرائض، واجبات و سنن اور آداب کا خیال کرتے ہوئے نماز ادا کرنا۔

[5]: اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنا۔

غزوہ بدر کی تفصیلی داستان:

﴿كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ (۵)﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک غزوہ بدر کی تفصیلی داستان کو بیان کیا جا رہا ہے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے جنگ کے کچھ بہترین اصول بیان فرمائے ہیں جن پر عمل کر کے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ اصول اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میدان جنگ میں کامیابی کے اصول:

میدان جنگ میں کامیابی کے پانچ اصول بیان کیے گئے:

1: میدان جنگ میں پیٹھ نہ پھیریں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمْ إِلَّا ذُبَابًا﴾ (۱۵)

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے، اور وہ چڑھائی کر کے آرہے ہوں، تو ان کو پیٹھ

مت دکھاؤ۔

2: اللہ اور رسول کی اطاعت کریں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ (۲۰)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو، اور اس (تابعداری) سے منہ نہ موڑو، جبکہ تم

(اللہ اور رسول کے احکام) سن رہے ہو۔

3: اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ ۚ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا کہنا مانو جب رسول تمہیں اس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے

والی ہے۔ اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ، انسان اور اس کے دل کے درمیان آرٹن جاتا ہے۔ اور یہ کہ تم سب کو اسی کی

طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔

4: اللہ اور اس کے رسول سے بے وفائی نہ کریں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْلَتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ ہی جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔

5: تقویٰ اختیار کریں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا، تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا اور تمہیں مغفرت سے نوازے گا، اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ کفار کے لیے ترغیب و ترہیب:

﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ﴾ (۳۸)

گزشتہ آیات میں ایمان والوں کے لیے اصول کا بیان تھا۔ اب ان کے مقابلے میں نویں پارے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کفار کو ترغیب دے رہے ہیں کہ کفار اپنے کفر سے اب بھی باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سابقہ گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ نیز ترہیب بھی ہے کہ اگر وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نیا قانون بنانا نہیں پڑے گا بلکہ جو قانون جاری ہو چکا ہے ان پر بھی جاری ہو گا یعنی دنیا میں بھی ہلاک و برباد ہوں گے اور آخرت میں بھی عذاب کے مستحق ہوں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلٰی
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

پارہ نمبر 10

مالِ غنیمت کی تقسیم:

﴿وَاَعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْبَنِ السَّبِيْلِ... (۴۱)﴾

سورۃ الانفال کے شروع میں مالِ غنیمت کے بارے میں سوال و جواب کا ذکر تھا، اب دسویں پارے کے شروع میں اس کی مزید تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔

مالِ غنیمت کے اولاً پانچ حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے چار حصے مجاہدین کے درمیان برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے اور مالِ غنیمت کا پانچواں چونکہ خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اس لیے یہ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دیا جائے گا۔
بقیہ قصہ غزوہ بدر:

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوِّ الْقُصُوٰى وَالرَّكْبُ اسْفَلَ مِنْكُمْ... (۴۲)﴾

یہاں سے پھر اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کا ذکر فرمایا۔ غزوہ بدر مسلمانوں اور کفار کے درمیان وہ پہلی جنگ ہے جس نے مشرکین مکہ اور کفار کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اس غزوہ میں ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کے فتح پانے کا کوئی امکان نہیں تھا اور مشرکین مکہ کی شکست کا کوئی احتمال نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ کی غیبی قوت نے سارے ساز و سامان اور ظاہری اسباب کی کاپلٹ دی۔ یہی وہ جنگ ہے جس نے اسلام کی فتوحات کے دروازے کھولے۔ غزوہ بدر میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا خاص مقام ہے۔

مدد حاصل کرنے کے چھ اصول:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاَنْتَبِهُوْا وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۴۵)﴾

یہاں سے لے کر آیت 47 تک بتایا ہے کہ اگر مسلمان میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو درج ذیل چھ چیزوں کا اہتمام کریں:

- 1: میدانِ جنگ میں ثابت قدمی اختیار کرنا۔
 - 2: کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔
 - 3: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا۔
 - 4: آپس کے اختلافات سے پرہیز کرنا۔
 - 5: اگر جنگ میں ناموافق حالات آجائیں تو صبر کرنا۔
 - 6: کفار کی طرح تکبر اور ریا نہ کرنا۔
- یہ چھ چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کو کھینچ لیتی ہیں۔

اسلحہ اور جنگ کے لیے تیاری کرنا:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ... (۶۰)﴾

اس آیت میں مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جنگی ہتھیار اور جنگ کے لیے خوب تیاری کیا کرو۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ جتنا ساز و سامان کفار کے پاس ہے مسلمانوں کے پاس بھی اتنا ہونا چاہیے بلکہ مسلمان اپنی طاقت کے مطابق خوب تیاری کریں۔ جنگ کے لیے تیاری کرنا فرض ہے۔

قیدیوں سے صلح اور فدیہ لینا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُفْخَنَ فِي الْأَرْضِ ۚ لَئِذَا قِيلَ عَرْضُ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۶۷)﴾

جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہو گئی، کفار کو شکست ہوئی اور ان کے ستر سردار بھی گرفتار کر لیے گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے بارے میں مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ حضرت صدیق اکبر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے جبکہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے فدیہ لے کر چھوڑنے والی رائے کو پسند کیا تو اس پر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف عتاب نازل ہوا جنہوں نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی

رائے دی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو فدیہ تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر سخت عذاب نازل ہوتا۔

مہاجرین و انصار کا ذکر:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (۷۴)

سورۃ انفال کے آغاز میں جہاد کا ذکر تھا اور اختتام میں ہجرت کا ذکر ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کا تذکرہ فرمایا کہ مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے دین اسلام کے لیے ہجرت کی اور انصار وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انہیں ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کے ایمان کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہی پکے مؤمن ہیں اور ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

سورۃ التوبۃ

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں ان مخلصین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داستان اور توبہ کا ذکر ہے جو غزوہ تبوک میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ پھر انہوں نے سچے دل سے توبہ کی تو ان کی توبہ قبول ہو گئی جس کا ذکر آیت نمبر 118 میں ہے۔ اس مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورۃ التوبۃ“ رکھا گیا ہے۔

مشرکین کے متعلق احکامات:

سورت توبہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی پہلی پانچ آیات میں چار قسم کے مشرکین کے احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

پہلی اور دوسری قسم:

﴿بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۱) فَيَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ

أَشْهُرٍ... (۲)

پہلی قسم وہ ہے جن سے کسی قسم کا معاہدہ صلح نہیں تھا۔

دوسری قسم وہ ہے جن سے معاہدہ صلح بغیر تعیین مدت کے ہوا تھا۔

ان دونوں قسموں کا حکم آیت نمبر 1 اور 2 میں ہے کہ ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی کہ اگر وہ اسلام قبول

کر لیں تو ٹھیک یا جزیرہ عرب سے باہر جانا چاہیں تو چلے جائیں وگرنہ انہیں جنگ کا سامنا کرنا ہو گا۔

تیسری قسم:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَ لَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا

فَاتَّبِعُوا إِلَيْهِمْ عَاهِدَهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۴)﴾

وہ جن سے صلح کا معاہدہ کسی خاص میعاد کے لیے کیا گیا اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے۔ ان کے بارے میں یہ

حکم دیا گیا کہ ان کے معاہدے کی جتنی مدت باقی ہے اس کو پورا کیا جائے۔ ان کے معاہدے کی مدت ختم ہونے میں

9 ماہ باقی تھے تو انہیں 9 ماہ تک مہلت دی گئی۔

چوتھی قسم:

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ... (۵)﴾

وہ مشرکین جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا۔ (اسی نقض معاہدہ کی وجہ

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کر کے بغیر خون خرابے کے فتح فرمالیا تھا)۔ ان کے لیے مہلت تو نہیں تھی

لیکن حج کے موقع پر ان سے برأت کا اعلان کیا گیا تھا جو کہ خود حرمت والا مہینہ تھا اور اس کے بعد محرم وہ بھی

حرمت والا تھا، اسی وجہ سے محرم کے آخر تک ان کو بھی مہلت مل گئی تھی کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں یا جزیرہ عرب سے

باہر نہ جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ

أَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ (۱۷)﴾

گزشتہ آیات میں بھی مشرکین کا ذکر تھا، اب یہاں بھی انہی کا ذکر ہے۔ مشرکین بیت اللہ کی تعمیر کرتے

اور حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اور مسلمانوں کے مقابلے میں اس پر فخر کرتے تھے کہ اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ یہاں سے ان کی تردید کی جا رہی ہے کہ مسجد کی خدمت یا حاجیوں کو پانی پلانا بڑی خدمت ہے بشرطیکہ ایمان ہو۔ مشرک کے پاس ایمان نہیں اس لیے اسے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں۔ آگے یہ بھی فرمایا کہ تعمیرِ مساجد وغیرہ جیسے امور اہل ایمان کا حق ہیں۔

غزوہ حنین:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۖ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ... (۲۵)﴾

یہاں سے آگے غزوہ حنین کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنو ہوازن؛ جس کا سردار مالک بن عوف تھا؛ نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیاری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا چودہ ہزار کا لشکر لے کر حنین کے مقام پر پہنچ گئے جہاں یہ جنگ ہوئی۔ تعداد کی کثرت کی وجہ سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے نکل گیا کہ آج ہم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی۔

جب مسلمان ایک تنگ وادی سے گزر رہے تھے تو بنو ہوازن کے تیر اندازوں نے یکایک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ صحابہ کرام ثابت قدم رہے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے آواز لگانے پر صحابہ کرام پلٹے۔ نتیجہً مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی اور کفار شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے، بہت سارا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا اور تقریباً چھ ہزار جنگی قیدی بنائے گئے۔

مسلمانوں کو یہاں یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اپنی کثرت اور طاقت پر نظر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ و توکل رکھنا چاہیے، مدد و نصرت، فتح و شکست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

اہل کتاب کے متعلق حکم:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ... (۲۹)﴾

گزشتہ آیات میں تھا کہ مشرکین کے لیے جزیرہ عرب میں رہنے کی گنجائش نہیں۔ اب یہاں مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب سے جہاد کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دیں۔ اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

مبارک زندگی میں جزیرہ عرب میں غیر مسلم شہری کی حیثیت سے رہ کر جزیہ ادا کرتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وصیت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل کتاب کو جزیرہ عرب سے بھی نکال دیا گیا۔

یہود و نصاریٰ کی تردید:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ... يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (۳۰)

یہاں سے لے کر کئی آیات تک اہل کتاب کا ذکر ہے۔ اہل کتاب میں سے یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے تھے۔ یہاں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ان کے منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مشرکانہ باتوں سے پاک ہے۔

ناحق مال کھانے پر وعید:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَكُونُونَ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْباطِلِ...﴾ (۳۴)

اہل کتاب ناحق طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ شریعت موسوی میں تحریف کرتے اور اس پر لوگوں سے پیسے لیتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان کے لیے قیامت کے دن دردناک عذاب ہوگا۔

غزوہ تبوک:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ (۳۸)

یہاں سے لے کر تقریباً سورت کے آخر تک مختلف اعتبار سے غزوہ تبوک کا ذکر ہے۔ فتح مکہ اور حنین کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے تو اطلاع ملی کہ رومی سلطنت کا بادشاہ ہرقل؛ مدینہ منورہ پر ایک زبردست قسم کے حملے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مدینہ کے مسلمانوں کو تیاری کا حکم فرمایا اور تیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی کی۔

مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ سخت گرمی تھی، کھجوریں پک چکی تھیں اور یہی ان کے لیے سال بھر کا گزر بسر تھا۔ سفر بہت دور کا تھا جو کہ تقریباً آٹھ سو میل تھا، جنگ کے لیے ساز و سامان کم تھا، ادھر مقابلہ دنیا کی سپر پاور کے ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے پیش قدمی کرنے کی وجہ سے کفار پر رعب طاری ہو گیا۔ وہ واپس چلے گئے اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ منافقین قسمیں کھا کر حیلے بہانے کرنے لگے اور مدینہ میں رک گئے۔ چند ایک مسلمان بھی کسی وجہ سے نہ جاسکے بعد میں انہوں نے توبہ کی۔ ان کی توبہ قبول ہو گئی۔

آگے آنے والی آیات میں منافقین کے نفاق اور جھوٹ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔ نیز ان مؤمنین مخلصین کا ذکر بھی ہے جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت:

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا... (٤٠)﴾

یہ ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جب مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا۔ آپ غار ثور میں تین دن تک روپوش رہے۔ کھوجی جب غار کے منہ کے قریب پہنچے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی اس لیے ان پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غم نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جن کو ”صاحب“ کہہ کر ان کی صحابیت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی صحابیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص صحابیت صدیق کا انکار کرے گا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

مصارف صدقات کا بیان:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْعَبْدِينَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغُرَمِينَ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (٦٠)﴾

گزشتہ آیات میں منافقین کے اعتراضات کا ذکر تھا۔ وہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے، جس کو جتنا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ اب اس آیت میں مصارف کی تعیین اور ان کے الزام کو رد کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود تعیین فرمادی کہ صدقات کن لوگوں کو دیے جائیں اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ مصارفین زکوٰۃ و صدقات واجبہ کل آٹھ ہیں:

1، 2- فقراء و مساکین:

فقیر اور مسکین میں کچھ فرق ہے۔ فقیر اسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال تو ہو مگر اس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو۔

3- عاملین:

جن لوگوں کو حکومت نے زکوٰۃ کے اموال جمع کرنے کے لیے متعین کیا ہو تو ان کی تنخواہ اموال زکوٰۃ سے دی جائے گی۔

4- موقوفۃ القلوب:

ان سے مراد وہ نو مسلم ہیں جو ضرورت مند ہوں۔ ان کو اسلام پر برقرار رکھنے اور تالیفِ قلب کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

5- فی الرقاب:

غلام کو آزاد کرنے کے لیے۔ اگر غلام کو اس کا مالک کہہ دے کہ تو اتنے پیسے دے دے؛ میں تجھے آزاد کر دوں گا تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔

6- غارمین:

مقروض کو اس کی ضروریات پوری کرنے اور قرض سے نجات کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

7- فی سبیل اللہ:

مجاہد جو جہاد پر جانا چاہتا ہو لیکن اس کے پاس اسباب نہ ہوں تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو دینی کاموں؛ تعلیم و تعلم وغیرہ کی وجہ سے معاشی سرگرمیاں بجانہ لاسکتے ہوں، ان کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مثلاً مدارس کے طلبہ و اساتذہ وغیرہ۔

8- ابن السبیل:

مسافر یعنی ایسا شخص کہ جس کے پاس اپنے گھر میں تو رقم موجود ہو لیکن سفر میں اس کے پاس رقم نہ ہو اور اس کو ضرورت پڑ گئی ہو تو اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔
منافقین کی مغفرت نہیں ہو سکتی:

﴿إِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۖ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ...﴾ (۸۰)

گزشتہ کئی آیات میں منافقین کے نفاق، جھوٹ، جہاد میں نہ نکلنا، حیلے بہانے کرنا، ایک دوسرے کو برائی کا حکم دینا، نیکی سے منع کرنا، مسلمانوں سے بغض و حسد رکھنا جیسے قبیح افعال کی تفصیل بیان کی گئی۔ اب یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ منافقین کے لیے اگر آپ ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں تب بھی اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائیں گے۔

اور اگلی آیت ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيكَ بِهِ وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾ میں منافق کا جنازہ پڑھنے اور اس کی قبر پر کھڑے ہونے (یعنی دعائے مغفرت کرنے) سے بھی منع فرمادیا۔ یہ آیت عبد اللہ بن ابی ابن سلول منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

التَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الرَّاٰكِيَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، اَلْسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا
النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلْسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ

پارہ نمبر 11

منافقین کے لیے تین احکامات:

﴿يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا... (۹۴)﴾

دسویں پارے کے آخر میں ان منافقین کا ذکر تھا جو جہاد میں نہ جانے کے لیے حیلے بہانے بنا رہے تھے۔ اب ان آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو جہاد میں نہیں گئے اور وہ اس پر جھوٹے عذر پیش کر رہے ہیں۔

آیت نمبر 94 تا 96 میں منافقین کے بارے میں تین حکم دیے گئے ہیں:

(1) آپ ان سے کہہ دیجیے کہ بیکار اور جھوٹے عذر پیش نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے تمام حالات و واقعات سے آگاہ فرمادیا ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

(2) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ان سے اعراض کریں یعنی نہ ہی ان پر ملامت کریں اور نہ ہی ان سے تعلقات رکھیں۔

(3) منافقین قسمیں کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے راضی نہیں ہونا۔

سات مؤمنین مخلصین کی قبولِ توبہ:

﴿وَأَخْرَوْنَ اغْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ۚ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۰۲)﴾

گزشتہ آیات میں منافقین کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے ان کے مقابلے میں مؤمنین مخلصین کا ذکر ہے۔ جو مسلمان غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے وہ دس تھے۔ ان میں سے اس آیت میں سات حضرات کا ذکر ہے جنہیں اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ تبوک سے واپسی سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے یہ کہہ کر باندھ لیا تھا کہ جب تک خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے اس وقت تک ہم یہیں بندھے رہیں گے۔ پھر ان کی توبہ قبول ہوئی اور انہیں کھول دیا گیا۔ بقیہ تین کا

ذکر آگے آ رہا ہے۔

مسجدِ ضرار:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِزْوَادًا لِلْمَن حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ... (۱۰۷)﴾

یہاں منافقین کی ایک خطرناک سازش کا ذکر ہے۔ انہوں نے مسجد کے نام پر ایک عمارت تعمیر کی جس کا مقصد ایک ایسا محاذ بنانا تھا جس کے ذریعے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، مسلمانوں کی جمعیت کو توڑا جائے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو پناہ دی جائے وغیرہ۔ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ کسی وقت تشریف لا کر نماز پڑھیں تاکہ اسے برکت حاصل ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے چاہا تو میں غزوہ تبوک سے واپسی پر آؤں گا۔ غزوہ تبوک سے واپس پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت کھول دی اور نماز پڑھنے سے بھی منع فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابہ کو بھیج کر اس عمارت کو منہدم کروادیا۔

مسجدِ قباء و اہل قباء:

﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لِمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رَجَائُ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ (۱۰۸)﴾

اس کے مقابلے میں مسجدِ قباء کی فضیلت بیان فرمائی جس کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو اس وقت کچھ دن قباء میں قیام کے دوران اس مسجدِ قباء کی بنیاد رکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل قباء کی تعریف فرمائی کہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے والے ایسے لوگ ہیں جو ظاہری اور باطنی پاکیزگی و صفائی کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔

بیعتِ عقبہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ... (۱۱۱)﴾

پہلے بغیر عذر جہاد سے رکنے کی مذمت کا ذکر تھا، اب مجاہدین کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس آیت میں بیعت

عقبہ کا ذکر ہے۔ بعثت نبوی کے تیرھویں سال تیسری مرتبہ یہاں مدینہ منورہ سے آئے ہوئے ستر مرد و خواتین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور خصوصی طور پر جہاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت کرنے پر بیعت کی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کہ اگر ہم اس پر عمل کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ملے گی۔ انہوں نے کہا: ہم اس سودے پر راضی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے جنت کے بدلے میں ان کی جان و مال خرید لیے ہیں۔

بقیہ تین مؤمنین مخلصین کی قبولِ توبہ:

﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنَّهُ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ...﴾ (۱۱۸)

اس آیت میں مؤمنین مخلصین میں سے تین حضرات (حضرت مرارہ بن ربیع العمری، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم) کا ذکر ہے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ انہوں نے صاف صاف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی حکم نہیں آتا تب تک ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے یہاں تک کہ بیویوں سے بھی الگ رہنے کا حکم دیا گیا۔ بالآخر پچاس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی توبہ قبول ہونے کو بیان فرمایا۔

متقی بننے کا نسخہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (۱۱۹)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان والوں کو متقی بننے کا بہترین نسخہ دیا ہے۔ فرمایا: اگر تم متقی بننا چاہتے ہو تو متقین کے ساتھ رہو جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ یہاں متقین کے لیے لفظ ”صادقین“ فرمایا ہے یعنی وہ لوگ جن کی خلوت و جلوت ایک جیسی ہے۔ تو متقی بننے کا سب سے آسان اور بہترین نسخہ متقین کے ساتھ رہنا ہے جو تنہائی میں بھی پاک باز ہوتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بھی پرہیز گار ہوتے ہیں۔

شفیق و مہربان نبی:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (۱۲۸)

پھر اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ایسا پیغمبر ہم نے تمہیں دیا ہے جو تم میں سے ہے اور افضل ہے اور جس کو تمہاری تکلیف پر تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ تمہاری دنیا اور آخرت کے بارے میں بہت حریص اور بہت زیادہ فکر مند ہیں۔ تمہارے لیے مہربان ہیں۔
تسلی خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (۱۲۹)
سورت توبہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر کفار اعراض کریں اور دعوت کو قبول نہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔
غم دور کرنے کا عمل:

﴿حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾
صبح و شام سات مرتبہ یہ آیت پڑھ لی جائے تو اللہ تعالیٰ غموں کو ہلکا فرماتے ہیں۔

سورۃ یونس

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں بطور خاص حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ”سورۃ یونس“ ہے۔

سورۃ یونس مکی ہے اور مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مشرکین کے اعتراضات کے جوابات اور ان کی ہٹ دھرمی پر سابقہ قوموں کے حالات و واقعات کو بیان کر کے وعید ات سنائی گئی ہیں۔ عقائد اور ترغیب و ترہیب کا پہلو غالب ہے۔

مشرکین کے شبہ کا جواب:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اُنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنْ لَهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ طَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۲)﴾

اس آیت میں مشرکین کے ایک شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے۔ شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف انسان کو نبی بنا کر کیوں بھیجا ہے، کسی فرشتے کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ تو انہیں جواب دیا کہ اس پر شبہ اور تعجب نہ کریں اس لیے کہ اگر کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتے تو جو رسالت کا مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ انسان فرشتے کی بات کیسے سمجھتا؟ اس لیے زمین پر بسنے والے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

توحید و قدرتِ باری تعالیٰ پر دلائل:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ... (۳)﴾

یہاں ان موضوعات پر بات کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، آسمان و زمین کی تخلیق، سورج اور چاند کا اپنے محور اور مرکز میں مقرر وقت کے مطابق چلنا، دن اور رات کا آنا جانا۔ پوری کائنات کے نظام کا چلنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر، یکتا اور اکیلے ہیں، اللہ تعالیٰ کو کسی شریک کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے! پھر اہل ایمان اور اہل کفر کے ٹھکانوں کو بیان فرمایا۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایمان والوں کا ٹھکانہ جنت ہے۔

مشرکین کے مطالبے کا جواب:

﴿وَ اِذَا تَنٰثَلٰی عَلَیْهِمْ اَیَّٰتُنَا بَیِّنٰتٍ طَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَزُجُوْنَ لِقَآءِنَا اَنْتَ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ طَقُلْ مَا یَكُوْنُ لَیْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تَلْقَآئِیْ نَفْسِیْ (۱۵)﴾

جب مشرکین کو دعوت دینے کے لیے ان کے سامنے قرآن کریم کی واضح آیات تلاوت کی جاتیں تو بجائے ماننے کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے کہ اس قرآن کو واپس کر کے اس کے بدلے دوسرے آئیں یا اس میں ترمیم کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا کہ مجھے دونوں کاموں میں سے کسی کا اختیار نہیں، میں تو اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی گئی ہے۔

تغییر اور تبدیل میں فرق:

”تغیر“ کہتے ہیں کہ ایک چیز کو رکھ لینا اور دوسری بھی لے آنا۔

”تبدیل“ کہتے ہیں کہ ایک چیز کو واپس کر کے اس کے بدلہ میں دوسری لے آنا۔

جیسے ایک شخص اپنے والد کے لیے کپڑے لایا۔ والد صاحب کو پسند نہ ہوں اور یہ شخص وہ کپڑے خود رکھ لے اور والد صاحب کے لیے دوسرے لائے تو اسے ”تغیر ثوب“ کہیں گے، اور اگر یہ شخص وہ کپڑے دکان پر واپس کر کے دوسرے لے آئے تو اسے ”تبدیل ثوب“ کہیں گے۔

مشرکین سے سوالات:

﴿قُلْ مَنْ يَزُرُّكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ...﴾ (۳۱)

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ نے بہت سے اختیارات بتوں کو بھی دے رکھے ہیں جو اللہ کے شریک ہیں۔ لہذا ان کو راضی رکھنے کے لیے ان کی عبادت کرنی چاہیے۔ اس آیت میں ان سے پوچھا گیا ہے کہ کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے، کون تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے، کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے، کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟ تو یہ لوگ کہیں گے: اللہ، تو تم ان سے کہو کہ پھر بھی تم اللہ سے ڈرتے نہیں؟ جب ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عبادت کے لائق و مستحق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قرآن کی صداقت کے حوالے سے چیلنج:

﴿قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۳۸)

مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قرآن کو گھڑ لیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ انہیں چیلنج دیا کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ قرآن کریم ہمارے پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ کر لے آئے ہیں تو تم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو چاہو مدد کے لیے بلاؤ اور ایک سورت اس جیسی بنا کر لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو! جب ایک سورت تم سارے مل کر نہیں لاسکتے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہ قرآن کریم کسی انسان نے گھڑا ہوگا!

مشرکین کے مطالبے کا جواب:

﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (٤٨)

گزشتہ آیات میں مشرکین کو وعیدات سنائی گئی تھیں کہ ان کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اب یہاں ان کے مطالبے کا ذکر ہے کہ وہ عذاب کب ہو گا؟ ان کا مقصد تکذیب تھی۔ انہیں اگلی آیت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جواب دیا گیا کہ میں تو اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرنے کا اور کسی ضرر کو دفع کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا تو میں دوسروں کے نفع اور نقصان کا کیسے مالک ہو سکتا ہوں؟ لہذا عذاب واقع کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

وسعتِ علم باری تعالیٰ:

﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ

تُفِيضُونَ فِيهِ...﴾ (٦١)

مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اس وجہ سے ناممکن سمجھتے تھے کہ جب انسان مر کر مٹی میں مل جائے گا تو قیامت کے دن یہ کیسے پتا چلے گا کہ مٹی کا یہ ذرہ فلاں انسان ہے اور یہ ذرہ فلاں انسان ہے؟ تو انہیں جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کو اپنے علم پر قیاس نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ کائنات کی کوئی چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے ان ذرات کو اکٹھا کر کے انسان بنانا کیا مشکل ہے؟ قصہ نوح علیہ السلام:

﴿وَآتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ...﴾ (٧١)

جھٹلانے والوں کے انجام کو بیان کرنے کے لیے اُمم سابقہ کے حالات و واقعات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت طویل عرصے تک وعظ و نصیحت کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ سوائے چند ایک افراد کے قوم نے نہ مانا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو طوفان میں غرق کر دیا۔

داستان موسیٰ علیہ السلام و فرعون:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْهُمُ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا...﴾ (٧٥)

یہاں سے لے کر کئی آیات تک حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کی بعثت اور فرعون اور اس کی قوم کی بد بختی اور اس کے غرق ہونے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بدن کو محفوظ کروادیا جو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے عبرت ہے کہ یہ ہے وہ شخص جس نے بادشاہ بننے کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اس کا انجام دیکھو کیا ہوا ہے۔ فرعون اپنی آنکھوں سے عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لایا، اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایسی حالت کا ایمان قبول اور معتبر نہیں ہوتا۔

قصہ قوم یونس علیہ السلام:

﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمَنَّا بِهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ...﴾ (۹۸)

گزشتہ آیت میں تھا کہ انسان کا ایمان اسی وقت قبول ہوتا ہے جب وہ موت سے پہلے اور عذاب الہی کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لائے۔ سابقہ امتیں عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان نہیں لائیں اسی وجہ سے عذاب کا شکار ہوئیں۔ البتہ حضرت یونس علیہ السلام کی ایک ایسی قوم تھی کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے تھوڑا پہلے سچی توبہ کر کے ایمان لے آئی تھی اس لیے ان کا ایمان قبول ہوا اور ان سے عذاب کو ہٹا لیا گیا۔

نبی کا کام صرف تبلیغ ہے:

﴿قُلْ يَٰأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ...﴾ (۱۰۸)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بات سمجھا رہے ہیں کہ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ہے، اب جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا اس کی ہدایت کا فائدہ خود اسے پہنچے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، اس کی گمراہی کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ یعنی میرا کام دعوت و تبلیغ ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھ نہیں ہوگی۔

سورۃ ہود

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی آیت نمبر 50 میں حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت

کا نام ”سورۃ ہود“ ہے۔

سورت ہود کی سورت ہے۔ سورۃ یونس میں جن انبیاء علیہم السلام کے واقعات اجمالاً بیان ہوئے تھے اس سورت میں ان کی تفصیل ہے خصوصاً حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی بڑی بڑی طاقتور قوموں نے کی تو خدا تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس لیے اس امت کو بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے تو عذاب و قہر الہی کا مستحق بن جائے گا۔

ہر بات سے باخبر ذات:

﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَكْتُمُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ ۖ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۵)﴾

بہت سے مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ مقصد اُن کا یہ ہوتا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یا نصیحت ان کے کان میں نہ پڑے۔ اس لیے جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو اپنے سینے دھرے کر کے اپنے اوپر کپڑے ڈال کر دائیں بائیں ہو جاتے۔ اسی طرح بعض لوگ جب کوئی گناہ کا کام کرتے تو دھرے ہو جاتے اور اپنے اوپر کپڑے ڈال دیتے۔ ان کا مقصد بھی یہی ہوتا کہ خود کو اللہ تعالیٰ سے چھپائیں۔ اس آیت میں ان کو خبردار کیا گیا کہ تم اپنے سینے دھرے کر دیا اپنے اوپر کپڑے ڈال کر خود کو چھپانے کی کوشش کرو تم کسی حال میں خدا تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ پر سب کچھ عیاں ہے، وہ تو تمہارے سینوں کے رازوں سے بھی خوب واقف ہے۔

وَأَخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پارہ نمبر 12

رازق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿وَمَا مِنْ ذَاتَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا...﴾ (٦)

ہر جاندار انسان، جنات، چرند، پرند، جانور، بری، بحری وغیرہ کو روزی دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے بس میں نہیں۔

تخلیق کائنات، مقصود کائنات:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ

أَحْسَنُ عَمَلًا...﴾ (٧)

اس آیت میں بنیادی طور پر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں: کائنات کو مرحلہ وار کیوں تخلیق کیا گیا ہے اور کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

1: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق مرحلہ وار چھ دن میں فرمائی جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ایک لمحہ میں بھی پیدا فرما سکتے تھے۔ ایک تو یہ انسان کے مزاج کے مطابق ہے اور دوسرا اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ امور کی انجام دہی میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہیے۔

2: کائنات کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں غور و فکر کر کے کون سب سے زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔ سب سے زیادہ اچھے اعمال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کائنات کی تخلیق کا اصل مقصود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

تسلی خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَصَائِقُ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كُتُبٌ أَوْ

جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ...﴾ (١٢)

مشرکین: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائشی معجزات مانگتے تھے جس سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کا دل تنگ ہوتا تھا۔ تو آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو ان کے فرمائشی معجزوں کی وجہ سے دلی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔

قرآن کریم کا چیلنج:

﴿قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيْنَ وَادْعُوا مَنِ اسْتَعْظَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۳)﴾
گزشتہ آیات میں مشرکین کے فرمائشی معجزات کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں ایک ایسے معجزہ (قرآن کریم) کا ذکر ہے جس کا مشرکین بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اگر ان کے مطالبہ کا مقصد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو جاننا ہے تو وہ بذریعہ قرآن ثابت ہو چکی ہے۔ اگر مطالبہ کا مقصد محض ضد ہے تو اگر اللہ تعالیٰ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خزانہ اتار دیتے یا تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ نازل فرما دیتے تب بھی مشرکین نے نہیں ماننا تھا کیونکہ ان لوگوں کے مطالبہ کا مقصد ماننا نہیں بلکہ ضد تھی۔

اللہ تعالیٰ نے منکرین کو قرآن کریم کے بارے میں تین قسم کے چیلنج دیے ہیں:

1: اس جیسا قرآن لاؤ۔

2: اس جیسی دس سورتیں لاؤ۔

3: اس جیسی ایک سورت لاؤ۔

یہاں دس سورتوں کا چیلنج ہے۔ اگر تم باوجود فصاحت و بلاغت کے نہیں لاسکتے تو سمجھ لو کہ قرآن کریم برحق اور سچی کتاب ہے اور تمہارے الزامات، اعتراضات سب جھوٹ ہیں۔ پھر آیت نمبر 25 سے لے کر سورت ہود کے آخر تک اللہ تعالیٰ نے سات انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو بطور درس و عبرت کے ذکر فرمایا ہے:

1: داستان حضرت نوح علیہ السلام

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اِنِّیْ لَکُمْ نٰذِرٌ مُّبِيْنٌ (۲۵)﴾

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو شب و روز 950 سال وعظ و نصیحت اور اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کی طرف دعوت دیتے رہے۔ جب قوم شرک میں حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ کشتی تیار کرو۔ آپ نے کشتی تیار کر لی۔ پھر جو کلمہ گو تھے ان کو کشتی میں سوار فرمالیا اور تمام جانوروں میں سے نر اور مادہ کو اس میں بٹھالیا۔ پھر

عذاب کی شکل میں آسمان سے پانی برسا اور زمین سے بھی پانی نکلا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان سے فرمایا کہ تم بھی اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ بیٹے نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر بچ جاؤں گا۔ لیکن پانی پہاڑ سے بھی اونچا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ کے ساتھ ایمان والوں اور اہل وعیال کو بچالوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ بات فرمائی کہ اہل سے مراد وہ ہیں جو مسلمان ہیں اور یہ کافر ہے، اس کا کوئی عمل قابل قبول ہی نہیں ہے۔ لہذا بیٹا مشرک ہونے کی بنیاد پر اسی عذاب میں غرق ہو گیا۔

2: داستانِ حضرت ہود علیہ السلام

﴿وَالِیٰ عَادِ اٰخَاھُمْ هُوْدًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِہٗ... (۵۰)﴾

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم؛ قوم عاد جو بہت طاقت ور تھی؛ کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کے لائق سمجھنا کفر ہے۔ مزید فرمایا کہ سابقہ گناہوں کی معافی مانگو لیکن قوم نے نہ مانا اور اپنے بتوں کی پوجا پاٹ میں لگے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ باقی قوم پر ہوا کا طوفان بطور عذاب بھیجا جس سے گھروں کی چھتیں اور درخت اکھڑ گئے، جانور اور انسان فضا میں اڑتے اور اوندھے منہ نیچے گرتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی۔

3: داستانِ حضرت صالح علیہ السلام

﴿وَالِیٰ ثَمُوْدَ اٰخَاھُمْ صٰلِحًا... (۶۱)﴾

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم؛ قوم ثمود کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور فرمائشی معجزہ کا مطالبہ کیا کہ اگر اس پہاڑ کی چٹان سے حاملہ اونٹنی نکل آئے تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ ایسے ہی ہوا، اونٹنی آگئی؛ فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے، اسے چھوڑ دو لیکن وہ باز نہ آئے اور اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے علاوہ باقی قوم کو ایک سخت قسم کی چیخ کے ذریعہ نیست و نابود فرمادیا۔ وہ اپنے گھروں میں ایسے اوندھے منہ پڑے رہ گئے جیسے وہ کبھی وہاں بسے ہی نہیں

تھے۔

4: داستان حضرت ابراہیم علیہ السلام

﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ

حَنِيزٍ﴾ (۶۹)

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے دو واقعات بیان فرمائے ہیں:

1: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

2: حضرت لوط علیہ السلام کا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف انسانی شکل میں فرشتے آئے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں مہمان سمجھ کر بھنا ہوا کچھڑا پیش کیا۔ انہوں نے نہ کھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں فساد کی نیت سے نہ آئے ہوں۔ فرشتوں نے تسلی دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرشتوں کے آنے کے دو مقاصد تھے:

پہلا مقصد.... حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے کی حالت میں بیٹے کی خوشخبری دینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ بیٹے کا نام اسحاق (علیہ السلام) ہوگا، صاحب اولاد ہوں گے اور ان کے بیٹے کا نام یعقوب (علیہ السلام) ہوگا۔ دوسرا مقصد.... یہ تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سرکشی میں حد سے تجاوز کر گئی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے امر سے انہیں تباہ و برباد کرنا ہے۔

5: داستان حضرت لوط علیہ السلام

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سَيِّئًا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ﴾ (۷۷)

حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اس کا نام ”قوم سدوم“ تھا۔ قوم سدوم میں جو برائیاں تھیں ان میں سے ایک ہم جنس پرستی جیسی فتنہ برائی تھی۔ جب فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تو حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے کرتوتوں کی وجہ سے غمزدہ ہوئے کہ کہیں قوم ان مہمانوں کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ نہ بنالے۔ فرشتوں نے تسلی دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں، آپ اپنی بیوی کے علاوہ باقی اہل

ایمان کو لے کر رات کو ہی بستی سے نکل جائیں۔ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھنا۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پوری بستی کو اوپر لے جا کر الٹا پٹخ دیا اور اوپر سے ان پر پکی مٹی کے تہہ بہ تہہ پتھر برسائے۔

6: داستانِ حضرت شعیب علیہ السلام

﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْوِزْنَ إِنِّيَ أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝۸۴﴾

یہاں سے لے کر رکوع کے آخر تک قوم شعیب علیہ السلام کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ قوم مدین میں آباد تھی اور بہت خوشحال تھی۔ ان میں ایک برائی ناپ تول میں کمی کرنا تھی۔ جب دیتے تو کم دیتے، لیتے تو زیادہ لیتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں سمجھانے اور اصلاح کرنے کی بہت کوشش کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ بالآخر حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ باقی قوم کو ایک سخت قسم کی چیخ کے ذریعہ نیست و نابود فرما دیا۔ وہ اپنے گھروں میں ایسے اوندھے منہ پڑے رہ گئے جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔

7: داستانِ حضرت موسیٰ علیہ السلام

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۚ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ ... (۱۱۰)﴾

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی لیکن وہ نہ مانا۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا۔ قوم سمیت جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

استقامت کا حکم:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱۲﴾

گزشتہ آیات میں سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے سات انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کے حالات و واقعات بیان کیے گئے۔ اب یہاں سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو استقامت علی الدین کا حکم دیا جا رہا ہے۔ استقامت کا تعلق اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت وغیرہ سب کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو حدود اور اصول مقرر کیے گئے ہیں ان کی مکمل پابندی کر کے چلنا ”استقامت“ ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں کچھ سفید بال دیکھ کر کہا اے اللہ کے رسول! آپ پر بڑھاپا تیزی کے ساتھ آرہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سورۃ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

اقامتِ صلوٰۃ کا حکم:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ... (۱۱۴)﴾

اس آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں:

- ◆ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم: یعنی نماز پوری پابندی، دوام اور اس کے تمام آداب کا خیال رکھتے ہوئے ادا کرنا۔
- ◆ اوقاتِ صلوٰۃ یعنی اس مقام پر چار نمازوں (فجر، عصر، مغرب اور عشاء) کے اوقات کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ نماز ظہر کا ذکر سورۃ الاسراء کی آیت ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ﴾ [سورۃ الاسراء: ۷۸] میں موجود ہے۔
- ◆ نماز ادا کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت:

﴿وَكَلَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ ۚ وَمَوْعِظَةٌ ۚ وَذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۲۰)﴾

سورت ہود میں مختلف مقامات پر سات انبیاء علیہم السلام کے قصص اور ان کی اقوام کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اب یہاں سورت کے آخر میں ان قصص کی حکمتوں کو بیان کیا جا رہا ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے سے مقصود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا اور آپ کے دل کو مضبوط کرنا ہے۔ نیز ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بھی نصیحت و موعظت اور عبرت ہے۔

سورۃ یوسف

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ کے نام پر اس

سورت کا نام ”سورۃ یوسف“ رکھا گیا ہے۔

یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بنو اسرائیل فلسطین سے مصر جا کر کیسے آباد ہوئے؟ یہودیوں کا مقصد سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا جواب نہیں ہوگا تو ان کی تکذیب کرنا ہمارے لیے آسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ پوری سورت نازل فرمادی۔

چند ایک مشترکات:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور یوسف علیہ السلام کے درمیان بہت سی چیزوں میں مشابہت ہے:

◆ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ سے حسد کر کے تکلیفیں پہنچائیں بالآخر غلبہ یوسف علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ اسی طرح قریش مکہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں بالآخر فتح مکہ کی صورت میں غلبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہوا۔

◆ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کرتے ہوئے انتقام نہیں لیا۔ اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے موقع پر قریش کو معاف فرمادیا۔ وغیرہ

بہترین قصہ یعنی احسن القصص:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ ۚ... (۳)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بہت اچھے انداز میں بیان ہوا ہے۔ کیوں کہ باقی انبیاء علیہم السلام کا قصہ پورے قرآن میں یکجا بیان نہیں ہوا، کہیں تھوڑا سا کہیں پھر تھوڑا سا، تو جتنی ضرورت ہوئی اتنا بیان کر دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ اللہ تعالیٰ نے بالترتیب ایک جگہ بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے اسے ”احسن القصص“ سے تعبیر فرمایا ہے، اور دوسری وجہ اس کے احسن القصص ہونے کی یہ ہے کہ اس میں عبرتیں، نصیحتیں، سیرت و سوانح، انسانی نفسیات، زہد و تقویٰ، حکومت کے رموز، دین اور معاشی خوش حالی کی تدبیریں وغیرہ؛ سب کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا خواب:

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كُوكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي

سَاجِدِينَ (۴)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اباجی! میں نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، ایک سورج اور ایک چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہونے کی وجہ سے خواب کی تعبیر سمجھ گئے کہ اس کے گیارہ بھائی، والد اور والدہ کسی وقت ان کے مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی سے دس بیٹے تھے جبکہ دوسری بیوی سے دو (یوسف علیہ السلام اور بنیامین) تھے۔

یعقوب علیہ السلام کی تدبیر:

﴿قَالَ يُبْنَىٰ لَا تَقْصُصْ رُءُيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا... (۵)﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ سوتیلے بھائی ہونے کی وجہ سے حسد کرنے لگیں۔

برادرانِ یوسف کا حسد:

﴿إِذْ قَالُوا الْيَوْسُفُ وَآخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ آبَائِنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ آبَاءَنَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۸)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد گرامی ان سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔ یا تو اسی وجہ سے انہوں نے حسد کیا یا پھر انہیں کسی طریقے سے خواب معلوم ہو گیا تو حسد کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ عمر، طاقت اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں، والد گرامی کی مدد تو ہم کر سکتے ہیں اس لیے ہم سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔

یوسف علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ:

﴿اِفْتَلُوا يُوْسُفَ وَ اِظْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُلْكُمْ وَجْهَ اَبِيْكُمْ... (۹)﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 21 تک کا خلاصہ:

برادران نے مشورہ کیا کہ اسے قتل کر دیں یا پھر کسی کنویں میں ڈال دیں۔ یہود، جو ان کا بڑا بھائی تھا، اس

نے کہا قتل نہ کریں بلکہ کسی کنویں میں ڈال دیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے والد سے کہا: ہم سیر و تفریح کے لیے جانا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ لے جا کر کسی کنویں میں ڈال دیا۔ عشاء کے وقت والد کے پاس روتے ہوئے آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے گرتے کو خون لگا دیا کہ ہمارے بھائی کو بھیڑیے نے کھا لیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اصل حقیقت سمجھ گئے۔

اب وہاں سے قافلہ گزرا۔ انہوں نے پانی نکالنے کے لیے ڈول ڈالا تو ڈول میں سے یوسف علیہ السلام نکل آئے۔ بھائی قریب تھے، آگئے اور کہنے لگے کہ یہ ہمارا بھگوڑا غلام ہے، ہم اسے بیچنا چاہتے ہیں۔ چالیس یا بیس درہم میں فروخت کر دیا۔ قافلے والے لے کر مصر آگئے، وہاں عزیز مصر نے خرید لیا۔ عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا بہت خیال کرنا، یہ بڑی صفات والا ہے۔

آزمائش میں کامیابی:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۲۲)﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 29 تک کا خلاصہ:

عزیز مصر کے گھر میں پلے، بڑھے اور جوان ہوئے تو عزیز مصر کی بیوی زلیخا آپ پر فریفتہ ہو گئی۔ جب جذبات پر قابو نہ رہا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قربت حاصل کرنے کے لیے اندر سے دروازے بند کر کے تالے لگا دیے۔ گناہ کے تمام اسباب موجود تھے مثلاً خود عورت کی طرف سے خواہش کرنا، کسی غیر کے آنے جانے کے سبب راستے بند، جوانی و قوت کا زمانہ وغیرہ مگر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس سے مکمل طور پر محفوظ رکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام بچنے کے لیے وہاں سے بھاگے، زلیخا پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی، کرتہ پکڑ کر ان کو باہر جانے سے روکنا چاہا جس سے کرتہ پھٹ گیا۔ باہر عزیز مصر موجود تھے۔ زلیخا نے فوراً الزام لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ظاہر کرنے کے لیے ایک شیر خوار بچے کو شہادت دینے کے لیے قوت گویائی عطا فرمائی۔ گواہی سے ثابت ہوا کہ زلیخا قصور وار ہے۔ عزیز مصر کو یقین ہو گیا کہ زلیخا قصور وار ہے اور اس سے کہا کہ اس گناہ کی معافی مانگو۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اے یوسف! درگزر کرو۔

زنانِ مصر کا طعنہ اور زلیخا کی تدبیر:

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا... (۳۰)﴾

شہر کی عورتیں باتیں کرنے لگیں کہ زلیخا اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے۔ زلیخا نے ان عورتوں کی دعوت کی، دسترخوان پر تیز چھیریاں اور پھل رکھ دیے۔ یوسف علیہ السلام کو باہر آنے کے لیے کہا۔ جب عورتوں نے دیکھا تو ان کے حسن و جمال میں ایسی محو ہوئیں کہ بے خیالی میں پھل کاٹنے کے بجائے اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں اور کہنے لگیں کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔ زلیخا نے ان عورتوں سے کہا: اس محبت پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں، اب پتہ چلا؟ یوسف علیہ السلام کی دعا:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ... (۳۳)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی کہ یارب! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں اس کے مقابلے میں جیل مجھے زیادہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی، ان کی چالوں سے حفاظت فرمائی اور آپ علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا گیا۔

دو قیدیوں کا خواب:

﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنُ فُتَيْنِ... (۳۶)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کے زمانے میں دو مزید قیدی بادشاہ کو کھانے میں زہر دینے کے الزام میں جیل میں آگئے۔ انہوں نے خواب دیکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں انگور نچوڑ کر بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے، پرندے نوح نوح کر کھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ دیر میں بتاتا ہوں۔ پہلے انہیں توحید کی دعوت دی، پھر پیغمبرانہ شفقت کی وجہ سے بغیر تعین کے تعبیر بتائی کہ تم میں سے ایک نجات پائے گا اور بادشاہ کو شراب پلائے گا دوسرے کو پھانسی ہوگی۔ کچھ دن بعد تحقیقات مکمل ہونے پر فیصلہ ہو گیا کہ ساقی بے گناہ ہے اور باورچی قصور وار ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا کہ بادشاہ سے کہہ دینا کہ ایک بے قصور قیدی جیل میں ہے۔ ساقی کو شیطان نے بھلا دیا۔ یوسف علیہ

السلام کئی سال تک جیل میں رہے۔

بادشاہ کا خواب:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُذُبَاتٍ حُضِرٍ وَأُخْرَى لَيْسَتْ^١ يَأْكُلُهُنَّ الْمَلَأُ أَفْتُونٍ فِي رُءُوسِهَا إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءُوسِ يَافِعُونَ (٤٣)﴾

بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی تازی گائے ہیں جنہیں سات دہلی پتلی گائے کھا رہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں اور سات مزید خوشے ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ ارکانِ سلطنت سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ یہ الجھے ہوئے اور پریشان خیالات ہیں اور ہم خوابوں کی تعبیر سے واقف بھی نہیں۔ اس ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آگئے، اس نے کہا: بادشاہ سلامت! جیل میں ایک آدمی ہے جو سچا ہے اور تعبیر بھی درست بتاتا ہے۔ چنانچہ ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا۔ یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتادی کہ آپ لوگ سات سال خوب کھیتی باڑی کریں گے، ان سات سالوں کے بعد سات سال سخت قحط سالی کے آئیں گے۔ قحط سالی کے ان سات سالوں کے بعد پھر بارشیں ہوں گی اور دوبارہ ہریالی اور فصلیں ہوں گی۔ نیز اس قحط سالی سے مقابلہ کا حل بھی بتایا کہ جو غلہ کاٹیں اسے خوشوں میں محفوظ رکھیں۔ بادشاہ بہت خوش ہوا کہ یہ میرے خواب کی صحیح تعبیر ہے۔

یوسف علیہ السلام کی رہائی:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ اَرْجِعْ اِلَى رَبِّكَ فَسَأَلَهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّي يَبْعِدُ عَنْ عَلِيْمٍ (٥٠)﴾

بادشاہ نے کہا: انہیں بلاؤ، یہ عام آدمی نہیں بلکہ بہت ہی عظیم شخص ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ بادشاہ سے کہیں کہ پہلے ان عورتوں کے معاملات کی تحقیق کریں جنہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالی تھیں۔ بادشاہ نے ان سب عورتوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کی واضح الفاظ میں گواہی دی اور زلیخانے بھی اقرار کیا کہ اصل غلطی میری تھی، یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس رہنے لگے۔

پارہ نمبر 13

حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع:

﴿وَمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (۵۳)﴾

بارہویں پارے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ چلتا آ رہا ہے۔ یہاں بھی انہی کا ذکر ہے۔ جب عورتوں کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی اور پاکدامنی ثابت ہو گئی تو اس موقع پر بھی انتہائی تواضع اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتاتا کیونکہ نفس ہر انسان کو گناہ کا حکم دیتا ہے، یہ صرف میرے رب کی رحمت ہے جس کی وجہ سے میں برائی سے محفوظ رہا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت:

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا (۵۵)﴾

جب شاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کا پورا خواب اور اس کی تعبیر دوبارہ بتائی تو بادشاہ نے کہا کہ اس کا انتظام کون کرے گا؟ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ آپ مجھے وزیر خزانہ بنادیں، میں نگرانی کر سکتا ہوں، اللہ نے مجھے اس کا بھی علم عطا فرمایا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے حکومت کے تمام اختیارات یوسف علیہ السلام کو سونپ دیے اور ان کے ہاتھ پر اسلام بھی قبول کر لیا۔ آپ نے بہت عمدہ طریقے سے انتظامات فرمائے۔

یہ بات یاد رہے آپ کا عہدہ مانگنا اس وجہ سے تھا کہ اگر کسی نااہل کو عہدہ مل گیا تو کہیں وہ اس کو ضائع نہ کر دے۔ نبوت کا عہدہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے ملنے کے بعد کسی عہدے کی خواہش و ضرورت باقی نہیں رہتی اور ایک نبی کو کسی عہدے سے کیا غرض!

برادران کا مصر میں پہلی مرتبہ داخلہ:

﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ (۵۸)﴾

جب حضرت یوسف علیہ السلام خزانے پر متعین ہو گئے تو اس وقت یہ طے کیا گیا کہ قحط کی وجہ سے ہر آدمی

کو ایک خاص مقدار میں غلہ دیا جائے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی آئے لیکن انہوں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ آپ کا سب سے چھوٹا بھائی بنیامین ساتھ نہیں تھا۔ جب واپس جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے پوچھا: تم کتنے بھائی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ایک بھائی اور ہے، وہ والد کے پاس ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: آئندہ اس کو بھی لانا، اگر نہ لائے تو تمہیں غلہ نہیں دوں گا۔ ان کی واپسی کے وقت یوسف علیہ السلام نے ان کے پیسوں کو انہی کے سامان میں رکھو دیا اور ان کو پتہ بھی نہ چلا۔ جب واپس جا کر سامان کھولا تو اس میں رقم موجود تھی۔ انہوں نے کہا: پیسے بھی واپس آگئے، بہت نیک بادشاہ ہے۔

بنیامین کو مصر لے جانے کی درخواست:

﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ... (۶۳)﴾

پھر اپنے والد سے کہا کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ تم اپنے باپ شریک بھائی کو بھی ساتھ لے کر آنا۔ اس لیے آپ ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھ سے پختہ عہد کرو کہ تم اس کو واپس لاؤ گے۔

یعقوب علیہ السلام کی تدبیر:

﴿وَقَالَ يُبْنٰی لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ... (۶۷)﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی کہ میرے بیٹو! جب تم مصر میں داخل ہو تو الگ الگ دروازے سے داخل ہونا۔ وہ خوبصورت اور قد آور تھے اس لیے یعقوب علیہ السلام کو خدشہ ہوا کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ ساتھ ہی آپ علیہ السلام نے انہیں یہ بھی فرمایا دیا کہ یہ محض ایک تدبیر ہے باقی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بیٹے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مختلف دروازوں سے داخل ہو گئے۔

برادران کا مصر میں دوسری مرتبہ داخلہ:

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۶۹)﴾

بنیامین جب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس خاص جگہ دی اور فرمایا: میں تمہارا بھائی یوسف ہوں، لہذا تم ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہونا جو یہ کرتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک تدبیر اختیار

کی جس سے بنیامین ان کے پاس رہ جائے۔ چنانچہ جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو غلہ ناپنے کا پیمانہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کہنے پر چھوٹے بھائی کے غلہ کے اندر رکھ دیا گیا۔ جب یہ چلے تو حکومت کی طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا کہ ہمارا غلہ ناپنے کا برتن چوری ہو گیا ہے، اس لیے تم سب تلاشی دو۔ انہوں نے کہا: ہم تو چور نہیں۔ اعلان کرنے والوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی؟ خود انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے پاس وہ برتن ملے اسے روک لیا جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا۔ پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی گئی، پھر بنیامین کی۔ بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد ہو گیا تو بھائی کہنے لگے: یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف علیہ السلام) بھی چوری کر چکے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کی نسبت کا واقعہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام بچپن میں پرورش کے لیے اپنی پھوپھی کے پاس تھے۔ جب یعقوب علیہ السلام انہیں واپس لینے گئے تو پھوپھی کو یوسف سے محبت ہو چکی تھی، وہ چاہتی تھیں کہ یوسف کسی بھی طریقے سے میرے پاس رہ جائے۔ انہوں نے اس کے لیے تدبیر یہ اختیار کی کہ یوسف علیہ السلام کی کمر کے ساتھ پٹکا باندھ کر یہ مشہور کر دیا کہ پٹکا چوری ہو گیا ہے۔ جب پٹکا یوسف علیہ السلام سے برآمد ہوا تو یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق پھوپھی نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیا۔ برادران کو اس معاملے کی حقیقت حال کا علم تھا، اس کے باوجود انہوں نے چوری کا الزام لگا دیا۔

برادران کی یوسف علیہ السلام سے درد مندانہ التجا:

﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (۷۸)﴾

جب بنیامین کو روکا جانے لگا تو بھائیوں کو پریشانی لاحق ہوئی۔ اب منت سماجت شروع کی کہ ہمارے ابا بوڑھے اور ضعیف ہیں۔ لہذا آپ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ رکھ لیں، بنیامین کو واپس جانے دیں، ہم تو آپ کو بہت احسان کرنے والا سمجھتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: میں اس نا انصافی سے پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے اس کو چھوڑ کر کسی اور کو رکھ لیں۔

برادران کی مایوسی اور مشورہ:

﴿فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا... (۸۰)﴾

جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ بڑے بھائی یہودانے کہا کہ تمہارے والد نے بنیامین کے متعلق ہم سے پختہ عہد لیا تھا۔ اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں جو تم کو تاہی کر چکے وہ بھی معلوم ہے۔ لہذا میں تو واپس نہیں جاؤں گا۔ تم جاؤ اور جا کر اپنے والد سے کہو کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے جس کی وجہ سے بادشاہ نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ تصدیق کے لیے قافلے والوں سے پوچھ لیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا جواب:

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَبِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَبِيلًا... (۸۳)﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات سن کر وہی جواب دیا جو یوسف علیہ السلام کے متعلق دیا تھا اور فرمایا کہ میں صبر کروں گا، کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ مزید فرمایا کہ میں اپنے رنج و غم کی فریاد اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔

برادران کا مصر میں تیسری مرتبہ داخلہ:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَكْنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا

الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ (۸۸)﴾

جب بھائی واپس حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہا: ہمارے گھر والوں پر سخت مصیبت آپڑی ہے اور ہم معمولی سی رقم لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں غلہ پورا پورا دے دیں اور مہربانی کا معاملہ فرمائیں۔ اب یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟ یوسف علیہ السلام کے واقعے کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ بھائیوں نے سوچا کہ بادشاہ کو یوسف کے بارے میں کیسے علم ہو گیا ہے! تو بھائی کہنے لگے: کیا آپ یوسف ہیں؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اب کی بار حضرت یوسف علیہ السلام نے ساری حقیقت حال بیان فرمادی۔ بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ﴾

آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

خاندان کو مصر لانے کا حکم:

﴿اِذْهَبُوا بِقَبِيصِي هَذَا فَالْقُوْهُ عَلَىٰ وَجْهِ اَبِي يَٰتِ بِصِيْرًا وَّاْتُوْنِي بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۹۳)﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی کہ اسے والد محترم کے چہرے پر ڈال دینا۔ اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ پھر والدین سمیت پورے خاندان کو مصر لے آنا۔ قافلہ ابھی شہر سے نکلا ہی تھا کہ ادھر یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ جب برادران پہنچے اور قمیص چہرے پر ڈالی تو بینائی واپس آگئی۔ پھر برادران نے سارا قصہ سنایا کہ یوسف علیہ السلام ملک مصر کی بادشاہت کے عہدے پر فائز ہو چکے ہیں۔

برادران کا خاندان سمیت مصر میں چوتھی مرتبہ داخلہ:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ اَوْىٰ اِلَيْهِ اَبُوْیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنَّ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (۹۴)﴾

حضرت یعقوب علیہ السلام کی قیادت میں پورا خاندان؛ کنعان سے مصر کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچے تو یوسف علیہ السلام ان کے استقبال کے لیے شہر مصر سے باہر تشریف لائے۔ والدین سے ملاقات ہوئی تو ان کا خاص اکرام کیا اور انہیں تخت پر بٹھایا۔ وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اباجان! یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جسے رب تعالیٰ نے سچ کر دکھایا۔ یہ سجدہ یا تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مل گئے ہیں یا سجدہ تعظیمی تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت پر دلیل:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِآءِ الْغٰیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَّمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَنْكُرُوْنَ (۱۰۲)﴾

شروع سورت میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ یہود نے آزمائش کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں بتائیں کہ آل یعقوب کنعان سے مصر کیسے منتقل ہوئے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب کے لیے پوری سورت نازل فرمادی جس میں آل یعقوب کا تفصیل سے پورا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا۔ یہ آپ کا معجزہ اور آپ کی نبوت پر دلیل ہے کہ آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں پھر بھی وہ واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان فرمادیا۔

قرآن کریم مصدق ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (۱۱۱)

سورت یوسف کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یوسف علیہ السلام اور ان جیسے دیگر واقعات و قصص میں عقل مندوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہے۔ یوسف علیہ السلام کا قصہ کوئی افسانہ یا گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ تصدیق ہے سابقہ کتابوں یعنی تورات و انجیل کی جن میں یوسف علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔

سورة الرعد

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں کائنات کی بہت ساری نشانیاں ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نشانی ”الرعد“ یعنی بادلوں کی گرج چمک بھی ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام ”سورة الرعد“ رکھا گیا ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور قیامت کو بیان کیا ہے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں۔

حجیت حدیث:

﴿الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ...﴾ (۱)

اس آیت میں قرآن کریم کے کلام حق ہونے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ ”الْحَقُّ“ سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور ”وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ“ سے قرآن کریم بھی مراد ہو سکتا ہے، اسی طرح اس سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد ہو سکتی ہے جو کہ وحی غیر متلو ہے۔ جس طرح قرآن کریم وحی الہی اور برحق ہے اسی طرح حدیث بھی وحی الہی اور برحق ہے۔ جیسے قرآن کریم حجت ہے اسی طرح حدیث بھی حجت ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جبکہ حدیث کے معانی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں۔

قدرتِ باری تعالیٰ کی نشانیاں:

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمُوتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ ... (۲)﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں (آسمان، سورج اور چاند) بیان کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا ہوا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے۔ سورج اور چاند اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں ان میں سے ہر ایک مقرر کردہ رفتار سے چل رہا ہے نہ اس میں کمی کرتا ہے نہ بیشی۔ ان ساری چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت پر لگا رکھا ہے۔

فرشتوں کی ذمہ داری:

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَكَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ ... (۱۱)﴾

اس آیت میں فرشتوں کی ذمہ داری کو بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ انسانوں کی بحکم الہی حادثات سے حفاظت کرتے ہیں۔ فرشتوں کی ذمہ داری کا یہ مطلب نہیں کہ انسان جو چاہے کرتا پھرے اور یہ فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔ ہر گز نہیں بلکہ اگر انسان نافرمانی کرے تو پھر فرشتے اس کی حفاظت نہیں کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود کسی بھی قوم کی اچھی حالت کو بری حالت سے تبدیل نہیں کرتے۔ ہاں جب وہ قوم خود نافرمانی پر اترتی آتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ محافظ فرشتے بھی اس وقت ہٹ جاتے ہیں۔

حق اور باطل کی مثال:

﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۖ ... (۱۷)﴾

اللہ تعالیٰ نے یہاں حق و باطل کی مثال دی ہے کہ باطل ایک مرتبہ ایسا ہوتا ہے جیسے سیلاب آتا ہے۔ پانی چڑھ جاتا ہے اور اس کے اندر میل کچیل اور جھاگ بھی ہوتی ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ نہ جانے کیا ہو گا۔ پھر جب جھاگ ختم ہو جاتی ہے تو خالص چیزیں جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہیں نیچے رہ جاتی ہیں۔ ایسے ہی جب باطل کا ریلا آتا ہے تو بسا اوقات حق بظاہر دب جاتا ہے۔ جب باطل ختم ہوتا ہے تو حق پھر ابھر کر اوپر آ جاتا ہے۔ اسی طرح سونا چاندی پگھلاتے ہیں۔ تو اس میں اصلی چیز نیچے رہتی ہے اور میل کچیل اوپر آ جاتا ہے، اس کو پھینک دیتے ہیں۔ اسی

طرح باطل آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے لیکن حق باقی رہتا ہے۔ وقتی مشکلات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ حق؛ حق ہے اور وہ اپنی طاقت دکھاتا ہے اور اپنا راستہ بھی خود بناتا ہے۔

متقین کے اوصاف:

﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ﴾ (۲۰)

یہاں اللہ تعالیٰ نے متقین کے آٹھ اوصاف بیان فرمائے ہیں:

(1) اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

(2) جن رشتوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑے رکھتے ہیں۔

(3) اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔

(4) حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔

(5) اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر سے کام لیتے ہیں۔

(6) نماز قائم کرتے ہیں۔

(7) جو ہم نے انہیں رزق عطا کیا ہے اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔

(8) بدسلوکی کا دفاع حسن سلوک سے کرتے ہیں۔

کفار کے مطالبات:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي

إِلَيْهِ مَن أَرَادَ﴾ (۲۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سارے معجزات دیے گئے تھے لیکن کفار فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ جب ان کا مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ کہتے کہ ان (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے مطالبات ان کی گمراہی کی دلیل ہیں۔ فرمایا کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات پورے ہو جاتے تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔

تسلی خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَمَنْ عِنْدَ اللَّهِ عِلْمٌ

الْكِتَابِ (٤٣)﴾

سورت کے آخر میں ہے کفار اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ رسول نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ تسلی دے رہے ہیں کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ بذات خود آپ کی رسالت کے گواہ ہیں اور اہل علم بھی گواہ ہیں۔

سورة ابراهيم

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ”سورة ابراهيم“ رکھا گیا ہے۔

نزولِ قرآن کریم کی حکمت:

﴿الرَّحْمٰنُ كَتَبَ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّورِ ۚ يٰٓاٰدَمُ اَنْصِرْ رِبِّهٖمُ اِلَى صِرَاطٍ

الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (١)﴾

سورت کی ابتداء میں قرآن کریم کو نازل کرنے کی حکمت کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں یعنی اس ذات کے راستے کی طرف جس کا اقتدار سب پر غالب ہے۔

قرآن کریم کے عربی میں نازل ہونے کی وجہ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۚ... (٤)﴾

کفار مکہ کو اعتراض تھا کہ قرآن کریم عربی زبان میں کیوں نازل کیا گیا ہے، کسی اور زبان میں ہوتا تو اس کا معجزہ ہونا بھی ظاہر ہو جاتا۔ اللہ رب العزت نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے جب بھی کسی قوم میں نبی بھیجا تو

اس قوم کی زبان دے کر بھیجاتا کہ وہ انہیں ان کی زبان میں بات سمجھا سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم قریش کی زبان عربی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ ان کے لیے سمجھنا آسان ہو جائے۔

شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (۷)﴾

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اضافہ یا تو مقدار میں ہوتا ہے یا نعمتوں کے باقی رہنے میں ہوتا ہے۔ شکر کرنے کے بجائے ناشکری کی جائے تو یہ نعمتیں دنیا میں چھین لی جائیں گی یا آخرت میں عذاب ہوگا۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال:

﴿الَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۲۴)﴾

کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ ایمان اور توحید ہے۔ کلمہ خبیثہ سے مراد کفر اور شرک کا کلمہ ہے۔ فرمایا: کلمہ طیبہ اس پاک درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوں اور وہ پھل بھی خوب لاتا ہو۔ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ کلمہ خبیثہ اس پودے کی طرح ہے جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا جاتا ہے، اس کو زمین میں کوئی استحکام اور جماؤ نہیں ہوتا یعنی اسے اکھاڑیں تو فوراً اکھڑ آتا ہے۔ اس سے مراد حنظل یعنی اندرائن کی نیل ہے جس کا پھل سخت کڑوا ہوتا ہے۔

اس کی مزید تفصیل میری کتاب "دروس القرآن" میں اسی آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّا صَنَامَ (۳۵)﴾

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر کیا۔ جب آپ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو کعبہ میں چھوڑ کر گئے تو یوں دعا فرمائی:

اے پروردگار! اس شہر مکہ کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دے، مجھے اور میری نسل کو ہمیشہ شرک و بت پرستی

سے محفوظ رکھ، اور ان کے رزق میں پھلوں کی فراوانی عطا فرما۔

اللہ نے دعا قبول فرمائی اور آج کعبہ پوری دنیا میں امن کی جگہ ہے۔ جب موسم نہیں ہوتا پھر بھی سارے پھل وہاں پر میسر ہوتے ہیں۔ الحمد للہ

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لیے رزق، امن اور برکت کی دعا مانگنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے۔ ہمیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ اپنی اولاد اور تعلق والوں کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں۔

سورة الحجر

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں قوم ثمود کی بستیوں کا تذکرہ ہے جنہیں ”حِجْر“ کہا جاتا تھا، اسی مناسب سے اس سورت کا نام ”سورة الحجر“ رکھا گیا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّكَ حَبِيْدٌ مَّجِيْدٌ

پارہ نمبر 14

کفار کی تمنا:

﴿رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾ (۲)

موت اور حشر کے بعد جب مسلمان کو جنت میں مقامات ملیں گے اور کافر کو جہنم میں عذاب ملے گا اور ہر آئے دن اس کے کسی خاص کفر کی وجہ سے عذاب میں ترقی ہوگی تو پھر ہر موقع پر کافر یہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے۔

حفاظتِ قرآن:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (۹)

اللہ رب العزت نے فرمایا کہ قرآن مجید ہم نے ہی نازل کیا ہے اور اس قرآن کریم کی حفاظت بھی ہم ہی کریں گے۔ قرآن کریم کے علاوہ دیگر کتب کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہیں لی بلکہ علمائے تورات و انجیل کو دی تو وہ کتب محفوظ نہ رہ سکیں۔ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں کے اللہ تعالیٰ خود محافظ ہیں۔ اس لیے قرآن کے الفاظ و معانی قیامت تک محفوظ رہیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾ (۲۶)

یہاں تخلیقِ آدم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ پھر ان میں روح کو ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کے غرور اور گمراہی کو بیان فرمانے کے بعد شیطان اور ان کے پیروکاروں کے انجامِ بد کو بیان فرمایا۔

اہل جنت کا ذکر:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ (۴۵)

گذشتہ آیات میں اہل جہنم کا ذکر تھا، اب یہاں سے اہل جنت اور ان کے لیے انعامات کا ذکر فرمایا کہ وہ

جنت میں باغات اور چشموں میں رہیں گے۔ اہل جنت کے سینوں میں باہم جو کچھ رنجش ہوگی وہ نکال دی جائے گی اور وہ بھائی بھائی بن کر رہیں گے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مہمان فرشتوں کا ذکر فرمایا جو انہیں بیٹے کی خوشخبری دینے اور قوم لوط علیہ السلام کو برباد کرنے کے لیے انسانی شکل میں تشریف لائے تھے۔

اصحابِ حجر:

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ﴾ (۸۰)

وادی حجر میں قوم ثمود آباد تھی۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم کو دعوت دی لیکن قوم نے آپ کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ایک ہیبت ناک آواز کے ذریعے ہلاک کر دیا۔

فاتحہ کو ”قرآن عظیم“ کہنے کی وجہ:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ (۸۷)

اے پیغمبر! ہم نے آپ کو ایسی سورت عطا کی ہے جو بار بار پڑھی جاتی ہے۔ ”قرآن عظیم“ سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ گویا ایک طرح سے فاتحہ بھی پورا قرآن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اہم اور بنیادی مضامین پورے قرآن میں بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ اور نچوڑ سورۃ الفاتحہ میں ذکر کر دیا ہے۔ وہ مضامین یہ ہیں: توحید، رسالت، قیامت، احکامات، ماننے والے اور نہ ماننے والے۔

علانیہ تبلیغ کا حکم:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاعْرِضْ عَنِ الْبُشْرِ كَيْنَ﴾ (۹۴)

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوشیدہ طور پر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح تبلیغ کا سلسلہ بھی پوشیدہ ہوا کرتا تھا۔ اس آیت میں علانیہ طور پر عبادت اور تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پوری زندگی عبادت کرنے کا حکم:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (۹۹)

یہاں "الْيَقِينُ" سے مراد موت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر! آپ پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں یہاں تک اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پاس بلا لیں۔ اس عبادت سے مراد تکلیفی عبادت ہے جس کے کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ ایک عبادت قبر والی ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے۔ قبر والی عبادت تلذذی عبادت ہے اس پر اجر و ثواب نہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت؛ حدیث اور قبر والی عبادت کے خلاف نہیں ہے۔

سورة النحل

وجہ تسمیہ:

"نحل" شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں شہد کی مکھی کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام ہی "سورة النحل" رکھ دیا گیا ہے۔ اس سورت میں بنیادی طور پر دو چیزیں بیان کی گئی ہیں:

1: انسان کے فائدے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کر کے مشرکین کو توحید کی دعوت دی گئی ہے۔

2: شریعت اسلامیہ کے چند احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

انسان کی تخلیق اور ناشکری:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ (۴)

انسان کی اصل کو بیان کیا کہ انسان کو ایک حقیر قطرے یعنی نطفے سے پیدا کیا گیا لیکن جب اسے قوت گویائی اور دیگر صلاحیتیں دے دی گئیں تو جس ذات نے اسے ایک ناپاک اور بے وقعت قطرے سے پیدا کیا؛ اسی کی ذات اور مخصوص صفات میں شریک ٹھہرا کر جھگڑا کرنے لگا۔

انعامات خداوندی:

﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ (۵)

یہاں سے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو بیان فرما رہے ہیں جو انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ جیسے

جانور؛ ان کی اون سے کپڑے بنائے جاتے ہیں، کھال سے پوستیں وغیرہ بنائے جاتے ہیں جو انسان کو سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ جانور انسان کے لیے بطور غذا بھی کام آتے ہیں، ذبح کر کے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان کا دودھ پیا جاتا ہے۔ ان پر بوجھ لاداجاتا ہے جسے وہ ایسے مقام تک لے جاتے ہیں جہاں تک انسان بغیر سخت مشقت کے نہیں لے جاسکتا۔

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۸)

اسی طرح انسان ہی کے فائدے کے لیے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ یہ انسان کی سواری کے کام آئیں اور انسان کے لیے زینت کا سامان بھی بن جائیں۔ ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ یعنی نزول قرآن کے بعد بھی اللہ تعالیٰ مزید ایسی چیزیں پیدا فرمائیں گے جن کا انسان کو علم بھی نہیں۔ موجودہ دور کی نو ایجاد گاڑیاں جیسے بسیں، ریل، اور جہاز وغیرہ، ترقی کے ساتھ ساتھ جتنی بھی جدید اور نئی گاڑیاں قیامت تک ایجاد ہوتی جائیں گی وہ سب اس آیت کے مفہوم میں داخل رہیں گی۔

ان انعامات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں سے فائدہ حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

سمندر کے فوائد:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا...﴾ (۱۴)

وہی ذات ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیے ہیں یعنی تمہارے کام پر لگا دیے ہیں تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔ اس سے مراد ”مچھلی“ ہے۔ اور اس میں سے زیورات نکالو جنہیں تم پہنتے ہو۔ پھر کشتیوں اور بحری جہازوں کا ذکر کیا جن سے تجارت ہوتی ہے اور دیگر فوائد ملتے ہیں۔ اسی طرح زمین، اس میں راستے، دریا، آسمان کے ستارے اور دیگر نعمتوں کا ذکر فرما کر ان نعمتوں پر شکر کی ترغیب دی۔

متکبرین سے سوال:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَّاذَا أُنْزِلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (۲۴)

متکبرین سے جب سوال کیا جائے کہ تمہارے پروردگار نے کیا بات نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلے

لوگوں کی من گھڑت کہانیاں اور افسانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ لوگ خود اپنے گناہوں کے پورے پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کر رہے ہیں، اور یہ بوجھ بہت ہی برا ہے جس کو یہ اٹھا رہے ہیں۔

متقین سے سوال:

﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا خَيْرًا ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ﴾ (۳۰)

گزشتہ آیات میں یہی سوال متکبرین سے کیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں متقین سے پوچھا جا رہا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا بات نازل فرمائی ہے؟ تو وہ اپنے تقویٰ کی روشنی میں یوں جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کی بات اتاری ہے۔ آگے ان کے نتیجے کو بیان کیا کہ ان کے لیے دنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت کا گھر تو ہے ہی سراپا بہتری جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

منکرین رسالت کے شبہ کا جواب:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَمَسَّلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۴۳)

منکرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار اس وجہ سے کر رہے تھے کہ آپ بشر اور انسان ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق کسی انسان و بشر کو رسول نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں بات سمجھائی کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں وہ سب بشر اور انسان ہی تھے۔ اے منکر و! اگر تمہارے پاس علم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس دلیل نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لے۔ اسی کا نام ”تقلید“ ہے۔

بچی کی پیدائش پر مشرکین مکہ کی حالت:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (۵۸)

یہاں سے مشرکین کی بری عادت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو خوش ہوتے اور جب ان میں سے کسی کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوتی تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور اسے اتنا برا سمجھتے کہ لوگوں سے منہ

چھپاتے پھرتے اور سوچتے رہتے کہ ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رکھ لیں یا پھر زمین میں دبا دیں۔ اس پر مزید جہالت یہ کہ جس اولاد کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف اسی کو منسوب کر کے کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ نعوذ باللہ۔ ﴿الَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ یہ کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

انعاماتِ خداوندی:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ (۶۶)

یہاں سے کچھ آیات تک اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو بیان کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے دودھ جو گوبر اور خون کے درمیان سے آتا ہے اور بالکل صاف شفاف ہوتا ہے نہ تو اس کے رنگ میں فرق آتا ہے اور نہ ہی اس کے ذائقہ میں، پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔ پھلوں میں سے بہترین پھل کھجور اور انگور کا ذکر کیا جن کو کھایا بھی جاتا ہے اور ان سے مشروب بھی بنایا جاتا ہے، اور یہ پاکیزہ رزق ہے۔

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾ (۶۸)

تیسری نعمت شہد کا ذکر کیا جس میں بہت زیادہ فائدے ہیں۔ ان میں سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں لوگوں کے لیے شفا رکھی ہے لیکن اس کے استعمال سے پہلے کسی ماہر سے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ اس کو کب استعمال کرنا ہے اور کس چیز کے ساتھ استعمال کرنا ہے؛ پھر اس کا پورا فائدہ ہوتا ہے۔

پھر خاص طور پر شہد کی مکھی کے چھتے بنانے کی ترتیب کو بیان کیا جس میں وہ عجیب و غریب طریقے سے صنعت کاری کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ اپنے چھتے کو زمین کی گندگی سے بچا کر پاک صاف اور بلند جگہ یعنی پہاڑوں یا درختوں پر بنائے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔

علمِ غیبِ خاصہ خداوندی:

﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۷۷)

آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ باتیں صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے علم میں نہیں ہیں۔ ان غیوبات میں سے ایک بڑی چیز قیامت کا معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے یا اس سے بھی پہلے پہلے ظاہر فرمادیں گے۔ اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

عرضِ اعمال:

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ... (۸۹)﴾

قیامت کے دن ہر امت میں ایک گواہ خود انہی میں سے کھڑا کریں گے۔ مراد اس سے ہر امت کے نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ نافرمان امتوں کے خلاف اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دیں گے۔ ایک قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے اہل ایمان کے ایمان کی اور اہل کفر کے کفر کی گواہی دیں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اعمال پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور برے اعمال پر اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

جامع ترین آیت:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۹۰)﴾

یہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے، بھلائی کرنے اور قریبی رشتے داروں کو ان کے حقوق دینے کا حکم دے رہے ہیں، اور بے حیائی، بدی اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مختصر آپورے دین اسلام کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مذکورہ تینوں اوامر پر عمل کرنے اور تینوں منہیات سے مکمل طور پر بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

نسخ پر شبہ اور جوابِ شبہ:

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَنْتَ أَعْيُنُهُمْ لَا

يَعْلَمُونَ (۱۰۱)﴾

اللہ تعالیٰ حکیم ذات ہیں اور کبھی کبھی اپنے احکامات میں تبدیلی فرماتے ہیں یعنی ایک حکم تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرمادیتے ہیں۔ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے کہ احکامات کو تبدیل کیوں کیا جا رہا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ آپ اپنی طرف سے گھڑ کر لاتے ہیں۔ انہیں جواب دیا کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف حق اور سچ ہے جسے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے نازل کیا گیا ہے۔

اسلام کے سب سے پہلے شہداء:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ... (۱۰۶)﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور ان پر آزمائشیں بھی بہت آئی ہیں۔ یہ آیت حضرت عمار، حضرت یاسر اور حضرت سمیہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ہے۔ کفار نے انہیں گرفتار کر کے کہا: یا تو کفر اختیار کر و یا پھر قتل کر دیے جاؤ گے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے کلمہ کفر نہ کہا یعنی رخصت چھوڑ کر عزیمت پر عمل کر کے جامِ شہادت نوش فرمالیا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے بھی عزیمت پر عمل کیا تو دو اونٹوں کے ذریعہ ان کے جسم کے دو حصے کر دیے گئے۔ یہ دونوں بزرگ اسلام کے سب سے پہلے شہید ہیں جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کیا۔ دل ایمان پر مطمئن تھا صرف زبان سے کلمہ کفر کہہ دیا تھا اور خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر اپنا واقعہ سنایا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ دل ایمان پر مطمئن ہو تو زبان سے مجبوراً کلمہ کفر کہہ لینا کفر نہیں۔

امام الموحدين پر دنیا و آخرت کی نعمتیں:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۱۲۰)﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے۔ آپ علیہ السلام نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور

فرمانبرداری اختیار کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نعمتیں دے رکھی تھیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔ دنیا میں نعمتیں یہ تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقتداء اور پیشوا بنادیا اور دیگر دنیاوی نعمتیں بھی عطا فرمائیں۔

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ﴾... امت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا ایک فرد تھے لیکن پوری امت اور قوم کے کمالات و فضائل کے جامع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی نسل سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تقریباً چار ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ دوسرے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے آپ علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ امام الانبیاء، خاتم الانبیاء، سید الاولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ آخرت کی نعمت یہ ہوگی کہ آپ علیہ السلام صالحین میں سے ہوں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا۔

دعوتِ دین کے طریقے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ...﴾ (۱۲۵)

اس آیت میں اللہ پاک نے دعوت کی ترتیب بتائی ہے کہ جب دعوت دینی ہو تو تین طریقے استعمال کریں:

- 1- دلیل سے بات کریں۔
- 2- فضائل اور ترغیب سے بات کریں۔
- 3- اگر شبہات پیش کیے جائیں تو ان کو اچھے انداز سے رد بھی کریں۔

ان تین طریقوں کو میں اپنی زبان میں سمجھانے کے لیے دو جملے کہتا ہوں کہ ہمارے ذمہ دو کام ہیں:

♦ امت کو ایمان و اعمال پر لانا ♦ امت کے ایمان و اعمال کو بچانا۔

امت ایمان و اعمال پر آتی ہے فضائل سے اور امت کا ایمان و اعمال بچتا ہے دلائل سے اور شبہات کا رد

کرنے سے؛ تبلیغ والوں کے ذمے لانا ہے اور ہمارے ذمے بچانا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پارہ نمبر 15

سورة الاسراء

وجہ تسمیہ:

"اسراء" کا معنی رات کو لے جانا ہے۔ چونکہ اس سورت کے شروع میں اسراء کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر رات کے وقت ہوا تھا؛ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة الاسراء" رکھا گیا ہے۔

واقعہ معراج کا ذکر:

﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْأَيْتَانِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۱)

یہاں واقعہ معراج کو بیان کیا ہے جو نبوت کے گیارہویں سال پیش آیا۔ معراج کا سفر دو حصوں پر مشتمل ہے؛ ایک مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کا ہے، دوسرا بیت المقدس سے عرش معلیٰ تک کا ہے۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کے اس سفر کو "اسراء" کہتے ہیں جس کا ذکر یہاں پر ہے، اور بیت المقدس سے عرش معلیٰ تک کے سفر کو "معراج" کہتے ہیں جس کا ذکر سورة النجم کی آیات اور احادیث متواترہ میں ہے۔ عموماً پورے واقعہ کو لفظ "معراج" سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اور امتیازی معجزہ ہے جو روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھا۔ حالت نوم میں نہیں بلکہ حالت بیداری میں تھا۔ اسی سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت بھی ہوئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اسی سفر میں آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے معراج سے واپسی پر تین چیزیں بطور خاص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں عطا فرمائیں:

◆ سورة البقرة کی آخری آیتیں۔

◆ جو شخص شرک نہ کرے اگرچہ کبیرہ گناہ بھی کرے تو ایک وقت آئے گا کہ اللہ اس کو معاف فرمادیں گے۔

◆ پچاس نمازیں جو کہ پانچ رہ گئیں تھیں۔

بنی اسرائیل کا ذکر:

﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءَ آيَاتٍ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ (٤)

یہاں کچھ آیات میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہو رہا ہے جنہیں آگاہ کر دیا گیا تھا کہ تم بڑی سرکشی کرتے ہوئے دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ گے تو دونوں مرتبہ تمہاری بھی تباہی ہوگی۔ پہلی مرتبہ جب انہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت کی، انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا، تورات میں تحریف کی، شرک کیا وغیرہ۔
بُخْتِ نصر کا حملہ:

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا﴾ (٥)

اللہ رب العزت نے ان پر بخت نصر کو مسلط کیا۔ اس نے فلسطین میں بنی اسرائیل پر حملہ کیا، بیت المقدس کو تباہ کیا اور یہودیوں کا قتل عام کیا۔ زندہ بچ جانے والوں کی تعداد بھی ہزاروں تھی جن کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا جہاں انہوں نے تقریباً ستر سال تک ذلت اور غلامی کی زندگی گزاری۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ خوشحالی کا موقع دیا۔ کثیر تعداد میں مال و اولاد سے نوازا تو ایک عرصہ تک فلسطین میں آباد رہے۔ پھر وہی کر توت کرنے شروع کر دیے، نافرمانیاں شروع ہو گئیں۔

طیطوس رومی کا حملہ:

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ أَوْ يُجْهَكَ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا﴾ (٧)

پھر دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں کی سرکشی اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر طیطوس رومی کو مسلط کیا۔ اس نے بھی بخت نصر کی طرح انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا اور بیت المقدس کو ویران کر دیا۔

﴿وَإِنْ عُدْتُمْ عَدُنَا ۖ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا﴾ (٨)

یہاں بھی یہودیوں کو خطاب کیا کہ اگر تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو تمہارے ساتھ وہی

سلوک کیا جائے گا جس طرح پہلے ہو چکا ہے لیکن پھر بھی یہود اپنے کروت اور سرکشی سے باز نہ آئے تو پہلے مدینہ سے خیبر نکالا گیا۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خیبر سے بھی انہیں نکال دیا گیا۔

قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ... (۹)﴾

قرآن کریم ایک جامع کتاب ہے جو ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اس راستے کو "اقوم" کہا گیا ہے۔ اقوم؛ ایسے راستے کو کہتے ہیں جو آسان اور محفوظ بھی ہو اور منزل مقصود تک پہنچا دینے والا بھی ہو۔ قرآن کریم کی صفات بھی ایسی ہی ہیں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاَهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا... (۲۳)﴾

یہاں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں:

- [1]: حقوق اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی خالص اور ریاسے پاک عبادت کرے۔
- [2]: حقوق والدین۔ والدین کا حق یہ ہے کہ بندہ اپنے والدین کو "اف" تک نہ کہے۔ ماں باپ سے بڑے سے بڑا نقصان ہو جائے تو آپ نے یہ نہیں کہنا: اباجی! یہ کیا کیا ہے! ماں باپ کو ڈانٹنا بھی نہیں ہے، ان کے ساتھ نرمی سے بات کرنی ہے، والدین کے لیے ہمیشہ اپنے بازوؤں کو بچھا کر رکھنا ہے، جی جی کرتے رہنا ہے۔ اور اللہ سے دعائیں بھی مانگنی ہیں کہ اے اللہ! میرے اباجی اور امی جی پر رحم فرما! میں تو خدمت کرتا ہوں، آپ بھی رحم فرمادیں۔

اوامر اور نواہی کا بیان:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حَشِيَّةً اِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا (۳۱)﴾

دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں:

- ایک.... اوامر یعنی جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
- دوسرے... نواہی یعنی جن کاموں کے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
- اوامر پر عمل کرنا ہے اور نواہی سے اجتناب کرنا ہے۔

اس رکوع میں آٹھ نواہی اور تین اوامر بیان کیے گئے ہیں۔ نواہی درج ذیل ہیں:

- 1: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً أَمْلَاقٍ﴾ اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو۔
- 2: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ﴾ زنا کے قریب نہ جاؤ۔
- 3: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا
إلا یہ کہ تمہیں اس کا حق پہنچتا ہو۔

4: ﴿فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ﴾ قصاصاً قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرو۔

5: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ﴾ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔

تین اوامریہ ہیں:

- (1) ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ﴾ عہد کو پورا کرو۔
- (2) ﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ﴾ جب کوئی چیز پیمانے سے ماپ کر دو تو پورا ماپو۔
- (3) ﴿وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾ تولنے کے لیے درست ترازو استعمال کرو۔

آگے بقیہ نواہی کا ذکر ہو رہا ہے:

6: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ جس چیز کا تمہیں یقین نہ ہو (اسے سچ سمجھ کر) اس کے پیچھے مت
پڑو۔

7: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ زمین میں اڑ کر مت چلو۔

8: ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔

بعث بعد الموت:

﴿وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا ؕ إِنَّا لَنَبْعُثُوكُمْ خَلْقًا جَدِيدًا﴾ (۴۹)

منکرین کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا اس وقت ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائے گا؟ تو یہاں انہیں جواب دیا گیا کہ تم پتھر، لوہا یا اس سے بھی کوئی بڑی مخلوق بن جاؤ جو تمہارے ذہن میں ہو کہ اس کا زندہ ہونا اور بھی مشکل ہے، تب بھی اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اٹھائیں گے جس طرح پہلی

بار اللہ تعالیٰ تمہیں عدم سے وجود میں لائے تھے۔

مشرک کی حالت:

﴿وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ صَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَٰهَهُ فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا (٦٧)﴾

مشرک جب سمندر میں بغرض تجارت سفر کرتا ہے تو بسا اوقات طوفان یا ہوا میں اس کی کشتی پھنس جاتی ہے وہ اس وقت صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا تھا اس وقت انہیں بھی بھول جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نجات دیتے ہیں تو ناشکری کرتے ہوئے پھر وہی کرتوت کرتا ہے۔ تو جس خدا نے سمندر سے نجات دی ہے وہی خدا خشکی پر بھی زمین میں دھنسا سکتا ہے۔

نماز پنچگانہ:

﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنِ الْفَجْرِ... (٧٨)﴾

سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے چھا جانے تک نمازیں ادا کیجیے اور صبح کی نماز بھی پڑھا کیجیے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سورج کے ڈھلنے کے بعد ہے ”ظہر“، اس کے بعد ہے ”عصر“، اس کے بعد ہے ”مغرب“ اور اس کے بعد ہے ”عشاء“۔ تو سورج کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے چھا جانے تک چار نمازوں کا بیان ہے۔ ﴿قُرْآنِ الْفَجْرِ﴾ سے مراد ہے نماز فجر۔ اللہ نے یہاں صلوٰۃ الفجر (یعنی فجر کی نماز) کے بجائے ”قرآن الفجر“ فرمایا ہے۔ چونکہ فجر کی نمازوں میں عام نمازوں کی بہ نسبت قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے، اس لیے اس نماز کا نام ہی ”قرآن الفجر“ رکھ دیا گیا ہے۔

نماز تہجد کا اہتمام:

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (٧٩)﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے پیغمبر! آپ تہجد کی نماز پڑھیں۔ تہجد کے نوافل کا افضل وقت یہ ہے کہ آدمی سو جائے اور پھر رات کو اٹھ کر آٹھ رکعات پڑھے اور اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ سو کر پھر نہیں اٹھ سکے گا تو وہ عشاء کی نماز کے بعد تہجد کی نیت سے آٹھ رکعات پڑھ کر سو جائے۔

روح کے متعلق سوال:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۸۵)

مشرکین نے یہود کے بتائے ہوئے سوالات میں سے ایک سوال روح کے متعلق کیا کہ روح کیا ہے؟ روح کی تفصیل بتانے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! ان کو یہ نہیں بتانا کہ روح کیا چیز ہے، انہیں یہ بتانا کہ روح امر ربی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا دماغ اتنا نہیں کہ یہ روح کو سمجھ سکیں۔

خاتم الانبیاء ﷺ سے مختارِ کل ہونے کی نفی:

﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا﴾ (۹۰)

مشرکین مکہ کہتے کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے مطالبات پورے نہ کر دیں۔ انہوں نے سات مطالبے کیے:

1: ﴿تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا﴾ آپ زمین سے پانی کے چشمے نکالیں۔

2: ﴿أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَعِنَبٍ﴾ یا پھر آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ پیدا ہو جائے اور آپ اس میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دیں۔

3: ﴿أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا﴾ یا جیسے آپ دعویٰ کرتے ہیں، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ہمارے اوپر گرا دیں۔

4: ﴿أَوْ تَأْتِي بَالَهُ الْفَلَاحُ وَالْجَنَّةُ قَبِيلًا﴾ یا اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔

5: ﴿أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ﴾ یا پھر آپ کے لیے ایک سونے کا گھر وجود میں آجائے۔

6: ﴿أَوْ تَرُقَىٰ فِي السَّمَاءِ﴾ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔

7: ﴿وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرُفْقِكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ﴾ آپ آسمان سے کتاب لے کر آئیں اور بتائیں

کہ یہ کتاب لایا ہوں تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ (۹۳)

اے پیغمبر! آپ ان کو بتائیں کہ میرا اللہ پاک ہے، یہ کام میرے بس میں نہیں، میں انسان بھی ہوں اور رسول بھی ہوں، مجھ سے مطالبہ وہ کرو جو انسان کے بس میں ہو، وہ مطالبات مجھ سے نہ کرو جو انسان کے بس میں نہیں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نو واضح نشانیاں:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَمَسَّ لَهُ الْبُيُوتُ إِسْرَآءٌ يَلِإِ إِذْ جَاءَهُمْ... (۱۰۱)﴾

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے نو واضح نشانیاں عطا فرمائی تھیں ان کا ذکر ہے۔ ان نشانیوں سے مراد یا تو معجزات ہیں یا احکام خداوندی۔

معجزات یہ ہیں: عصا، ید بیضاء، زبان میں لکنت تھی جو دور کر دی گئی، سمندر کے دو حصے کر دیے گئے، فرعونوں پر ٹڈی دل کا عذاب، طوفان کا عذاب، کپڑوں میں جو نیں پڑنا، مینڈکوں کا عذاب اور خون کا عذاب۔ اگر اس سے مراد احکام خداوندی ہوں تو وہ یہ ہیں: شرک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، ناحق قتل نہ کریں، کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگا کر اسے قتل یا سزا کے لیے پیش نہ کریں، جادو نہ کریں، سود نہ کھائیں، پاکدامن عورت پر بدکاری کا بہتان نہ لگائیں اور میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں۔

اللہ تعالیٰ کے سارے نام اچھے ہیں:

﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ وَادْعُوا الرِّحْمٰنَ ۚ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى... (۱۱۰)﴾

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگ رہے تھے اور دعا میں یوں فرما رہے تھے: یا اللہ! یا رحمن! تو مشرکین کہنے لگے کہ ہمیں کہتے ہیں کہ ایک خدا کو پکارو اور خود دو کو پکار رہے ہیں۔ انہیں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تو ایک اور یتا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا نام ایک نہیں بلکہ کئی ہیں جس نام سے بھی پکارو سب اچھے ہیں۔ اس طرح مشرکین کی کم عقلی اور کم علمی کی تردید کی گئی۔

قرأت میں اعتدال:

﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا (۱۱۰)﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں باواز بلند قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو مشرکین مکہ قرآن کریم سن

کر مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ نہ تو بہت زیادہ زور سے پڑھیں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیں بلکہ درمیانی آواز میں پڑھیں۔ اسلام اعتدال کا دین ہے، اس میں ہر ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کا خیال رکھا گیا ہے۔

توحید باری تعالیٰ:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِّ وَكِبْرُهُ تَكْبِيرًا﴾ (۱۱۱)

سورۃ الاسراء کے آخر میں یہود و نصاریٰ، مشرکین وغیرہ کی تردید کی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا اور شریک ثابت کرتے تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی کوئی شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ شریکوں سے پاک اور بلند و بالا ہیں، اور اللہ تعالیٰ کمزور بھی نہیں کہ انہیں کسی مددگار کی ضرورت ہو۔ جو ذات ان صفات والی ہو، اس کی بڑائی بیان کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۃ الکہف

وجہ تسمیہ:

”کہف“ غار کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں اصحابِ کہف یعنی غار والوں کا ذکر ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام بھی ”سورۃ الکہف“ رکھ دیا گیا ہے۔

یہودِ مدینہ نے یا مشرکین مکہ نے یہودِ مدینہ سے پوچھ کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے

تھے:

- ◆ روح کیا ہے؟
- ◆ اصحابِ کہف کون تھے؟
- ◆ ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل بتاؤں گا اور ان شاء اللہ فرمانا بھول گئے۔ وہ لوگ واپس لوٹ

گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انتظار میں رہے لیکن اگلے دن وحی نہ آئی بلکہ پندرہ دن اسی حال میں گزر گئے۔ پندرہ دن کے بعد وحی آئی اور یہ سورت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۚ (۲۳) إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ... (۲۴)﴾

کہ میرے پیغمبر! آپ ”ان شاء اللہ“ فرمایا کریں۔

اس سورت میں ان کے آخری دو سوالوں کا تفصیل سے جواب دیا گیا ہے اور روح کے بارے سورت بنی اسرائیل میں بات ہو چکی ہے۔

اصحابِ کہف کا قصہ:

ایک ظالم اور مشرک بادشاہ دقیانوس کے زمانے میں چند نوجوان توحید کے قائل تھے اور یہ بادشاہ انہیں پریشان کرتا تھا۔ اس نے ان کو طلب کیا تو یہ نوجوان اپنا ایمان بچانے کے لیے ایک غار میں چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں انہیں گہری نیند سُلا دیا۔ یہ اس غار میں تین سو نو سال تک سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدن کو اپنی قدرت سے صحیح سالم اور محفوظ رکھا۔ تین سو نو سال کے بعد جب بیدار ہوئے تو بھوک محسوس ہوئی، اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجا کہ جاؤ کھانا لے کر آؤ مگر احتیاط سے جاننا کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ اس شخص نے روٹی خریدی اور جب دکاندار کو سکھ دیا تو وہ تین سو سال پرانا نکلا۔ پھر آہستہ آہستہ سب کو پتہ چل گیا۔ دقیانوس جو مشرک تھا وہ تو مر گیا تھا لیکن موجودہ بادشاہ توحید پرست تھا۔ اس نے اصحابِ کہف کا اعزاز و اکرام کیا۔ جب ان نوجوانوں کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے ان کی یادگار کے طور پر ایک مسجد تعمیر کرائی۔

اصحابِ کہف اور اصحابِ رقیم:

﴿أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا (۹)﴾

اصحابِ کہف کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ مگر قرآن کریم میں اس کے علاوہ بھی عجیب تر واقعات موجود ہیں۔ ان کو اصحابِ کہف بھی کہا اور اصحابِ رقیم بھی کہا۔ ”کہف“ تو غار کو کہتے ہیں اور ”رقیم“ تختی کو کہتے ہیں۔ یہ جس غار میں بعد میں وفات پا گئے تھے؛ مسلمان بادشاہ نے باہر تختی لکھ کر لگا دی تھی کہ فلاں فلاں ولی وفات پا گئے تھے جو اس غار میں موجود ہیں۔ اس لیے ان کو ”اصحابِ رقیم“ بھی کہتے ہیں۔

اجسام کی حفاظت کا انتظام:

﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ...﴾ (۱۷)

وہ غار ایسی ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو دھوپ دائیں جانب ہوتی ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو بائیں جانب ہوتی ہے یعنی غار کا نقشہ اس طرح ہے کہ براہ راست دھوپ ان پر نہیں پڑتی۔ غار کھلی ہے، ہوا آتی جاتی ہے لیکن براہ راست ان کے جسم پر دھوپ نہیں پڑتی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کو دھوپ سے بچا لیتے ہیں اور ہوا کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے تاکہ سانس نہ گھٹے۔

بیداری کے بعد باہمی گفتگو:

﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۖ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ ۖ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ...﴾ (۱۹)

اصحابِ کہف جب بیدار ہوئے تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ غار میں کتنا عرصہ ٹھہرے؟ کچھ نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، اور کچھ نے کہا: اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ پھر کہنے لگے کہ کھانے کا انتظام کرنا چاہیے تو اپنے میں سے ایک کو سکے دے کر بھیجا کہ کھانے کا انتظام کرو لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا: ایک... تو یہ کہ کھانا پاکیزہ یعنی حلال لانا۔ ان کا خیال تھا کہ بت پرستوں کے شہر میں حلال کھانا ملنا مشکل ہے۔

دوسرا... ہوشیاری سے جانا اور دکاندار سے نرمی سے بات کرنا کہ کہیں کسی کو ہمارے بارے پتہ نہ چل جائے۔

آگے ان کی وفات کا ذکر ہے۔ جب اصحابِ کہف وفات پا گئے تو اب مشورہ ہوا کہ ان کی یادگار کے طور پر کوئی عمارت بنائیں۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ یہاں بطور یادگار کے مسجد بنالیں۔

اصحابِ کہف کی تعداد:

﴿قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُنَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءَ ظَاهِرِهِمْ ۚ وَلَا تَسْتَفْتِ

فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا (۲۲) ﴿

اصحاب کہف کی صحیح تعداد تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ البتہ چند ایک حضرات کو بھی معلوم ہے ان میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق اصحاب کہف سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

دو آدمیوں کا قصہ:

﴿وَأَضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا (۳۲)﴾

یہاں ان دو آدمیوں کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے جن میں سے ایک نے مال و دولت سے دل لگا کر کفر اختیار کر لیا تھا اور دوسرے نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا تھا۔ تو اس مؤمن نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اللہ نے تجھے ایک نطفے سے پیدا فرمایا، اللہ نے تجھے دولت عطا فرمائی، اس پر تجھے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس پر ”مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کہنا چاہیے لیکن دوسرے کے دماغ میں یہ تھا کہ میرے پاس دولت موجود ہے اور یہ ہمیشہ رہے گی۔ اس کو احساس اس وقت ہوا جب اللہ رب العزت نے ان نعمتوں کو چھین لیا اور وہ خالی ہاتھ رہ گیا۔

مال و اولاد دنیا کی زینت ہیں:

﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا (۴۶)﴾

گزشتہ آیات میں دو شخصوں کا قصہ بیان کیا گیا تھا جن میں سے ایک نے دنیا کے مال و اسباب سے دل لگایا تھا اور اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تھا۔ اب یہاں سے مال و اسباب اور اولاد کی بے ثباتی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ چیزیں صرف دنیا کی زیب و زینت ہیں۔ ان سے محبت اور دل لگی کے بجائے ان نیک اعمال کو اختیار کرنا چاہیے جنہیں بقا حاصل ہے۔

﴿وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ﴾ ... باقی رہنے والے کلمات سے اعمال صالحہ مراد ہیں جیسے پنج وقتہ نمازیں اور

اس کے علاوہ بھی نیک اعمال اور ذکر اذکار مثلاً ”سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتْنِهِ لَا آتِبُحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا﴾ (٦٠)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ روئے زمین پر اس وقت سب بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہوں۔ آپ کا یہ جواب واقع کے مطابق بھی تھا کیونکہ نبی کے پاس سب سے زیادہ علم ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے کے لیے جائیں، جہاں دو دریا ملتے ہیں اس جگہ ان سے ملاقات ہوگی۔

یہ قصہ آیت نمبر 60 سے لے کر سولہویں پارہ میں آیت نمبر 82 تک بیان کیا گیا۔ ملاقات کا جو مقام بتایا گیا تھا وہاں پر حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملاقات کی غرض بیان فرمائی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جو بھی کام کروں مجھ سے اس کے متعلق نہ پوچھنا جب تک میں از خود نہ بتاؤں۔ سفر شروع ہوا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے تین کام کیے۔ دو کاموں کا ذکر پارہ نمبر 15 میں ہے۔ کشتی کا تختہ اکھاڑا، بچے کو قتل کیا۔ بقیہ تفصیل اگلے پارے میں آرہی ہے، ان شاء اللہ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلٰی
اَلْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْمُؤْمِنَاتِ وَاَلْمُسْلِمِيْنَ وَاَلْمُسْلِمَاتِ

پارہ نمبر 16

حضرت خضر علیہ السلام نے تیسرا کام یہ کیا کہ بغیر اجرت دیوار ٹھیک کی۔ چونکہ پہلے دونوں کام بظاہر شریعت کے خلاف تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خاموش نہ رہا گیا اور تیسری بار جان بوجھ کر پوچھا۔ جدائی ہوئی تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کو ان واقعات کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

1: کشتی والے غریب لوگ تھے، آگے ظالم بادشاہ تھا۔ وہ ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اس میں کوئی عیب پیدا کر دوں، تاکہ وہ عیب کی وجہ سے نہ لے سکے۔

2: بچے کے والدین مؤمن تھے اگر یہ زندہ رہتا تو ممکن تھا کہ اپنی سرکشی اور کفر کی وجہ سے انہیں مشکل میں مبتلا کر دیتا۔ ہم نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی اور حسن سلوک میں اس سے بہتر ہو۔

3: دیوار دو یتیم بچوں کی تھی۔ اس کے نیچے ان کے والد نے خزانہ دفن کیا ہوا تھا۔ ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ کر اپنا خزانہ نکال لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریعی علم تھا جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تکوینی علم تھا۔ ہم شریعت کے پابند ہیں۔

حضرت ذوالقرنین کا قصہ:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا﴾ (٨٣)

یہاں سے لے کر آیت نمبر 98 تک حضرت ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ مشرکین مکہ نے جو تین سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے ان میں ایک سوال یہ تھا کہ اس شخص کے متعلق بتائیں جس نے مغرب سے مشرق تک کا سفر کیا۔

ذوالقرنین کے بارے میں یہ بات یقینی نہیں کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کو اقتدار اور وسائل عطا کر رکھے تھے۔ انہوں نے تین سفر کیے۔ پہلا سفر مغرب تک کیا جہاں سورج ایک

دلدار نما سیاہ چشمے میں ڈوبتا ہوا محسوس رہا تھا۔ یہ دنیا کا آخری کنارہ تھا، اس کے بعد سمندر ہی سمندر تھا۔ دوسرا سفر مشرق تک کیا جہاں سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ تیسرا سفر غالباً شمال کا تھا۔ وہاں کے لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یاجوج ماجوج کی قتل و غارت گری اور خون خرابے کی شکایت کی اور درخواست کی کہ ان پہاڑوں کے درمیان دیوار بنادیں اور مال کی پیش کش کی۔ حضرت ذوالقرنین نے فرمایا: تمہارے مال کی ضرورت نہیں، البتہ افرادی اور جسمانی طور پر میری مدد کرو۔ آپ نے لوہے کے تختوں اور پچھلے ہوئے سیسے سے مضبوط دیوار بنادی جس سے وہ لوگ یاجوج ماجوج کے فساد سے محفوظ ہو گئے۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ (۹۹)

یاجوج ماجوج کا جب خروج ہو گا تو اس وقت ان کی یہ حالت ہوگی کہ وہ بدحواسی کے عالم میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس وقت سب لوگ جمع کر لیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ

مَدَدًا﴾ (۱۰۹)

اللہ تعالیٰ کی قدرت، صفات اور کمالات غیر متناہی ہیں۔ اگر انہیں لکھا اور شمار کیا جائے تو سمندر خشک ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے کمالات و صفات ختم نہیں ہو سکیں گے۔

بشریت خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ...﴾ (۱۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ یہ بات لوگوں کو بتادیں کہ میں بھی بشر ہوں یعنی تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور تم بھی بشر ہو۔ بس فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور تم پر وحی نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (۱۱۰)

اور خدا کی طرف سے وحی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے پر یقین رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔

اعمال کے قبول ہونے کی شرائط:

قبولیتِ اعمال کی بنیادی طور پر تین شرطیں ہیں:

1- عقیدہ ٹھیک ہو

اگر عقیدہ ٹھیک نہیں ہے تو بندہ کتنا بھی اچھا کام کرے وہ کام خدا کے یہاں فائدہ مند نہیں۔

2- نیت ٹھیک ہو

اگر نیت ہی درست نہیں ہے تو بندہ چاہے کتنا بھی اچھا کام کرے وہ قبول نہیں ہوگا۔

3- عمل سنت کے مطابق ہو

اگر عمل سنت کے مطابق نہیں ہے تو پھر نیک کام بھی بیکار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمام کام صحیح عقائد، درست نیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں

کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

سورۃ مریم

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام بھی

”سورۃ مریم“ رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورت کا مرکزی مضمون حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقائد کا

بیان ہے۔ عیسائیوں کی تردید کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام؛ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے

ہیں، نہ تو وہ تین میں سے تیسرے ہیں اور نہ ہی خدا کے بیٹے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهُۥ نِدَاً خَفِيًّا (۳)﴾

حضرت زکریا علیہ السلام نے بالکل بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ سے آہستہ آہستہ دعا مانگی ﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾ مجھے بیٹا دے جو میرا اور آل یعقوب علیہ السلام کا وارث بنے۔ یہاں وراثت سے مراد دنیا کی وراثت نہیں بلکہ علوم نبوت کی وراثت ہے جو کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ہوا کرتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جو بھی تھوڑا بہت دنیوی مال و اسباب چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے، وراثت نہیں۔

قبولیت دعا:

﴿يٰۤاٰزْكُرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ اِسْمُهُۥ يُحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (۷)﴾

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ایسے بیٹے کی خوشخبری دی جس کا نام یحییٰ ہو گا۔ اس سے پہلے یہ نام کسی کا بھی تجویز نہیں ہوا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اسباب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سوال کیا کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہو گا کیونکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے سوکھ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھائی کہ ہم بغیر اسباب کے بیٹا عطا فرمادیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی درخواست پر نشانی بتائی کہ تم ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود تین رات تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔ پھر آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ دانا، پاکیزہ، نرم دل، متقی اور والدین کے خدمت گزار ہوں گے۔

حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ:

﴿وَ اٰذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۙ اِذْ اُتْبِتَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا (۱۶)﴾

یہاں سے حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی تفصیل بیان کر کے عیسائیوں کی تردید کی جا رہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام؛ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی عمر تیرہ سال یا پندرہ سال تھی، دونوں قول ملتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام خوبصورت مرد کی شکل میں آئے۔ فرشتہ جب بھی انسان کی شکل میں آتا ہے تو ہمیشہ خوبصورت مرد کی شکل میں آتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے ان کو دیکھا تو پردے کا اہتمام کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں جبرائیل امین ہوں، اللہ کی طرف سے بچے کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری۔ اس سے ان کو حمل ٹھہر گیا۔

ولادت کے دن جب قریب آئے تو ان کو بتایا گیا کہ فلاں جگہ پر تشریف لے جائیں، وہ ٹیلے کی طرف گئیں تو وہاں پر بغیر موسم کے اللہ نے کھجور پر پھل لگا دیا اور پانی کا چشمہ بھی جاری فرما دیا۔ بچہ کی ولادت کے بعد آپ وہیں پر کھجور کھاتیں اور چشمہ کا پانی پیتیں۔ چالیس دن تک یا جتنے دن نفاس کے تھے وہیں ٹھہری رہیں۔

اس کے بعد واپس اپنے خاندان میں آئیں تو خاندان والوں نے کہا: یہ بچہ کہاں سے آگیا ہے؟ تمہارا تو نکاح ہی نہیں ہوا۔ حضرت مریم علیہا السلام کو حکم تھا کہ آپ اس بچے کی طرف اشارہ کریں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گواہی دی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ رب العزت نبی بنائیں گے، مجھے کتاب دیں گے۔ اس طرح ان لوگوں کا سارا بہتان ختم ہو گیا۔ اس کی مکمل تفسیر کے لیے میری کتاب "دروس القرآن" دیکھیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گود میں گفتگو کرنا:

﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ﴾ (۳۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کتاب عطا فرمائیں گے، مجھے نبی بنائیں گے اور میں جہاں بھی ہوں گا اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے نماز کا، حکم دیا ہے زکوٰۃ کا، میں جب تک زندہ رہوں مجھے اپنی ماں کا فرمانبردار بنایا ہے اور مجھے سختی والا نہیں بنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ:

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ ابْرَاهِيمَ ۖ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۖ﴾ (۴۱)

یہاں سے لے کر آگے کئی آیات تک مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے فضائل و کمالات اور صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ جن میں سرفہرست امام الموحدين حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت ہی

عمدہ اور ہمدردانہ انداز میں دلائل کے ساتھ اپنے والد کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی۔ والد نے بجائے دعوت کو قبول کرنے کے الٹا دھمکی دی کہ اگر تم اپنی دعوت سے باز نہ آئے تو میں تم پر پتھر برسائوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والد سے کہا: میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دعا کروں گا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا۔ جب معلوم ہو گیا کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہونا تو آپ نے دعا کرنا چھوڑ دی۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا (۵۶)﴾

حضرت ادریس علیہ السلام کی بعض خصوصیات ہیں جو مفسرین حضرات نے ذکر کی ہیں۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا شروع کیا۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کپڑا اسی کرلباس پہنا۔ آپ سے پہلے لوگ جانوروں کے چمڑے کا لباس پہنتے تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلحہ بنایا اور کفار سے جہاد کیا۔ آپ پہلے شخص ہیں جو حساب کتاب میں ماہر تھے۔

نالائق جانشین کی بیماریاں:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا (۵۹)﴾

انبیاء کرام علیہم السلام تو بڑے تھے ان کی اولاد بھی نیک تھی لیکن ایک وقت آیا کہ ان کے بعد نالائق قسم کے جانشین پیدا ہوئے، انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نمازیں برباد کیں اور دوسرا کام؛ شہوات اور خواہشات میں مبتلا ہو گئے۔

معلوم ہوا کہ جو نالائق قسم کے جانشین ہوتے ہیں ان میں دو بیماریاں ہوتی ہیں: نماز میں کوتاہی کرتے ہیں اور ناجائز خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔

پل صراط سے گزرنا:

﴿وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَاِرْدُهَآ كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (۷۱)﴾

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہر بندے نے جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے، میدان محشر اور جنت کے درمیان جہنم

ہے، ہاں فرق اتنا ہو گا کہ صلحاء اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے جہنم کے اوپر سے ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے گزریں گے اور جہنم کی گرمی انہیں محسوس تک نہیں ہوگی، اور جن گناہگاروں کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے جہنم میں گریں گے پھر سزا کے بعد جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔ جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہو گا وہ دوزخ میں گرنے کے بعد وہیں پڑے رہیں گے۔ شاید نیک لوگوں کو جہنم کے اوپر سے گزارنے میں یہ حکمت ہو کہ دوزخ کی ہولناکی دیکھنے کے بعد جنت کی قدر و قیمت بڑھ جائے۔

اہل ایمان کے لیے محبوبیت عامہ:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (۹۶)﴾

جو آدمی ایمان لائے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہو، اعمال سنت کے مطابق ہوں تو اللہ اس کے لیے محبت کی ہوائیں چلا دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب اللہ کسی سے پیار کرتے ہیں تو جبرائیل امین علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے سے مجھے بہت پیار ہے۔ جبرائیل فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اللہ کو اس بندے سے بہت پیار ہے۔ فرشتے آگے اعلان کرتے ہیں۔ وہ اعلان چلتے چلتے زمین والوں تک آتا ہے۔ پھر اس نیک بندے سے زمین والے نیک لوگ بھی پیار کرتے ہیں۔

سورۃ طہ

وجہ تسمیہ:

اس سورت کے آغاز میں حروف مقطعات کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ”سورۃ طہ“ رکھا گیا ہے۔

﴿طهٓ (۱)﴾

یہ حروف مقطعات ہیں، ان کے معانی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مشقت کے بعد آسانی:

﴿مَاۤ اَنْزَلْنٰۤا عَلَیْكَ الْقُرْۤاٰنَ لِتَشْقٰی (۲)﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ مکرمہ میں جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پوری پوری رات تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت اتنی فرماتے کہ بسا اوقات مسلسل قیام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر درم آجاتا۔ اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ اتنی زیادہ مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا معمول تبدیل فرمالیا۔ رات کے کچھ حصے میں آرام فرماتے۔ پھر بیدار ہو کر تہجد کی نماز پڑھتے۔

استواء علی العرش:

﴿الَّرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (۵)﴾

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ یعنی اس کا معنی تو معلوم ہے لیکن مطلب اور مراد معلوم نہیں۔ استوی علی العرش کی مکمل اور مدلل بحث میری کتاب ”دروس القرآن“ میں اسی مقام پر اور میری مرتب کردہ فائل ”توحید باری تعالیٰ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کا ملنا:

﴿وَهَلْ اَتٰنَكَ حَدِیْثٌ مُّوسٰی (۹)﴾

یہاں سے لے کر آیت نمبر 98 تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس تشریف لارہے تھے تو راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے ایک درخت کو جلتا ہوا دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ یہاں ٹھہرو، میں وہاں سے آگ لے کر آتا ہوں۔ آپ جب اس درخت کے قریب پہنچے تو عجیب منظر دیکھا کہ اس درخت کی کوئی شاخ یا پتا جلتا نہیں ہے بلکہ آگ نے درخت کے حسن اور خوبصورتی کو مزید بڑھا دیا ہے۔

اسی دوران اس درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آئی: اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، اپنے جوتے اتار دو کیونکہ تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ میں نے تمہیں نبوت دینے کے لیے منتخب کر لیا ہے اس لیے جو وحی تم پر بھیجی جا رہی ہے اسے غور سے سنو۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لیے میری عبادت کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔ آگے اللہ تعالیٰ نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ فرمایا اور معجزہ عطا کیا اس کا ذکر ہے۔ آپ کی دعاؤں اور ان کی قبولیت کا بھی

تذکرہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي﴾ (۲۵)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بغرض دعوت جانے کا حکم فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزیں مانگیں:

◆ اے اللہ! جو بات میں سمجھانا چاہتا ہوں میرے اوپر کھول دے تاکہ مجھے سمجھانے میں دقت نہ ہو۔

◆ اے اللہ! مجھے اسباب عطا فرمادے۔

◆ اے اللہ! مجھے فصیح زبان عطا فرمادے، زبان کی لکنت ختم ہو جائے تاکہ میں بات کھل کر بتا سکوں۔

◆ اے اللہ! میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا معاون بنادے۔ اس کے ذریعے میری کمر مضبوط فرمادے، اس کو میرے کام میں شامل فرمادے۔

یہ ساری دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بطور احسان اور تسلی؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ذکر فرمایا کہ ہم نے ام موسیٰ کو حکم دیا کہ اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ صندوق فرعون کے محل کے پاس پہنچا۔ پھر دودھ پلانے والے معاملے کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کے پاس پہنچا دیا۔ اگلی آیات میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے فرعون کے پاس جانے کا ذکر ہے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا:

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اٰخَرٰی﴾ (۵۵)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بیان فرمایا کہ مٹی سے تم کو پیدا کیا، مٹی میں لوٹائیں گے اور اسی مٹی سے اٹھائیں گے۔ بعض روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے تو رحم مادر میں باپ کا نطفہ بھی ہوتا ہے اور جس مٹی میں اس انسان نے دفن ہونا ہوتا ہے اس مٹی کا کچھ حصہ بھی اللہ تعالیٰ فرشتے کے ذریعے رحم مادر میں ڈال دیتے ہیں۔ تو جس مٹی میں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے وہ مٹی اس میں شامل ہوتی ہے۔ اب اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے

وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خُلِقْتُ أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ مِنْ طِينَةٍ وَاحِدَةٍ۔"

(تاریخ ابن عساکر: ج 44 ص 121، رقم الحدیث 46604)

کہ میں، ابو بکر اور عمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

اس لیے دفن بھی ایک جگہ ہوئے اور قیامت کے دن اٹھیں گے بھی اسی جگہ سے۔

﴿وَلَقَدْ آرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ (۵۶)﴾... یہاں سے لے کر آیت 98 تک حضرت موسیٰ

وہارون علیہما السلام، فرعون اور بنی اسرائیل کا تفصیلی قصہ بیان کیا گیا ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی رسالت:

﴿كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا (۹۹)﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ماضی میں جو حالات

گزرے ہیں ان میں سے کچھ واقعات ہم تمہیں سناتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اُمی ہونے کے بذریعہ وحی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتنا تفصیلی قصہ بیان فرمانا دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اور نبی ہیں۔ صلی

اللہ علیہ وسلم

عصمتِ آدم ﷺ:

﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرِّ الْجَنَّةِ ۖ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ

فَغَوَىٰ (۱۲۱)﴾

گزشتہ آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے بھول کر اس درخت سے

کھا لیا تھا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ "عَصَىٰ" اور "غَوَىٰ" ذکر فرمائے ہیں جن سے بعض

لوگوں کو غلطی لگی اور انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کے خلاف بات کہہ دی۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ

کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام چھوٹے اور بڑے گناہوں سے معصوم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

اب مذکورہ دونوں لفظوں کا معنی سمجھیں:

عَصٰی... کا ایک معنی ہے وہ کام کرنا جس کا ارادہ نہ ہو۔ آدمی بعض کام بلا ارادہ کر لیتا ہے، کرنا کچھ چاہتا ہے اور ہو کچھ جاتا ہے، اس کو بھی معصیت کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام نے قصدِ اُدرخت سے نہیں کھایا تھا بلکہ بھول گئے تھے۔

غَوٰی... کا ایک معنی ہے کہ دنیاوی معاملات میں انسان کا مشقت میں پڑ جانا، راحت کا ختم ہو جانا، تکلیف میں آ جانا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت میں جو عیش تھی وہ ختم ہو گئی، اب مشقت پیدا ہو گئی۔

پانچوں نمازوں کے اوقات کا ثبوت:

﴿فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ﴾ (۱۳۰)

اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ﴿قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ﴾ سے مراد نمازِ فجر ہے۔ ﴿وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾ سے مراد نمازِ ظہر اور عصر ہے۔ ﴿وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ﴾ اس سے مراد نمازِ مغرب اور عشاء ہیں۔ ﴿وَأَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ سے مراد نمازِ فجر اور مغرب کی تاکید ہے۔

دنیا سے بے رغبتی اختیار کریں:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا...﴾ (۱۳۱)

یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ بات ہمیں سمجھائی ہے کہ جو مال ہم نے ان کفار کو دیا ہے آپ کی نگاہ اس پر نہ اٹھے۔ یہ سب دنیا کا مال ہے، آزمائش کے لیے ہے، اللہ کا دیا ہوا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے، بس آپ خود بھی نماز پڑھیں اور گھر والوں کو بھی نماز کی ترغیب دیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پارہ نمبر 17

سورة الانبياء

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سترہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اس لیے اس سورت کا نام ”سورة الانبياء“ رکھ دیا گیا۔

سورة الانبياء مکی سورت ہے۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر ہوتا ہے۔ اس سورت میں بھی ان مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ سترہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کر کے منکرین رسالت کو سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام انسان اور بشر تھے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر یعنی انسان ہی ہیں۔

تنبیہ غافلین:

﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾ (۱)

اس آیت میں ان لوگوں (خواہ مؤمن ہوں یا کافر) کو تنبیہ کی جارہی ہے جو خواب غفلت میں سو رہے ہیں کہ قیامت بالکل قریب ہے، حساب کتاب کا معاملہ آنے والا ہے۔ ”حِسَابُهُمْ“ سے یا تو قبر میں ہونے والا حساب مراد ہے یا آخرت کا حساب و کتاب مراد ہے۔

نبی بشر ہی ہوتا ہے:

﴿لَا هَيْئَةً قُلُوبُهُمْ ۚ وَاسْرَوْا النَّجْوَى ۚ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ ...﴾ (۳)

مشرک لوگ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو رد کرتے اور بنیاد یہ بناتے کہ تم بشر ہو اور ہم بھی بشر ہیں، بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ بشر کی تعریف یہ ہے کہ ذو عقل ہو اور محسوس ہو۔ محسوس ہونے کا معنی کہ آپ اس کو ہاتھ لگانا چاہیں تو لگا سکیں، پکڑنا چاہیں تو پکڑ سکیں، دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بشر ہی کو نبی منتخب کرتے تھے۔ جیسے

آیت نمبر 7 میں ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رَجُلًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ... (۷)﴾

ہم نے جب بھی کسی کو نبی بنایا تو مرد (یعنی بشر) ہی کو بنایا۔

تقلید کا ثبوت:

﴿فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۷)﴾

اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔

اس سے پتا چلا کہ آدمی دو قسم کے ہیں؛ بعض وہ ہیں جن کے پاس علم ہے اور بعض وہ ہیں جن کے پاس علم نہیں ہے۔ جن کے پاس علم نہیں ہے وہ ان سے پوچھیں جن کے پاس علم ہے اور پوچھنا تبھی ہوتا ہے جب عمل کرنا ہو وگرنہ پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے تقلید ثابت ہوتی ہے کہ غیر اہل علم؛ اہل علم سے پوچھیں۔

توحید خداوندی پر نقلی دلیل:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۖ فَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ (۲۲)﴾

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان میں ایک خدا ہے، کئی خدا نہیں ہیں۔

تو یہاں تعددِ الہ کی نفی کی ہے کہ اگر آسمان و زمین میں ایک سے زائد خدا ہوں تو آسمان و زمین میں فساد ہو جائے یعنی یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں۔ چونکہ آسمان و زمین میں فساد نہیں ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سے زائد خدا بھی نہیں ہیں۔

وعدہ موت:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَالْإِنْسَانُ لَجَعُونَ (۳۵)﴾

اس آیت میں بالعموم ہر انسان کو موت سے ڈرایا گیا ہے کہ کسی بھی جاندار نے اس فانی دنیا میں باقی نہیں رہنا۔ بالخصوص مشرکین مکہ کو ڈرایا گیا ہے۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موت کے منتظر ہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ جب ان پر موت آئے گی تو ہم خوشیاں منائیں گے۔ اس آیت میں انہیں ڈرایا گیا ہے کہ موت تو سب پر آتی ہے۔ ان مشرکین پر بھی آتی ہے تو پھر خوشی کس بات کی منانا چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہم تمہیں اچھی اور بری حالتوں میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

فائدہ:

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وقوع موت کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، بلکہ خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ لہذا اس آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس آیت میں وقوع موت کی خبر دی گئی ہے، وقوع موت کا ذکر نہیں ہے۔ حیات فی القبر؛ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ حیات فی القبر کی نفی میں اس آیت کو پیش کرنا جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائیں۔

وزن اعمال:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا... (٤٧)﴾

قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کیا جائے گا جس کے ذریعے لوگوں کے تمام چھوٹے، بڑے، اچھے اور برے اعمال تولے جائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کوئی ایسی صورت بنادیں گے جس سے اعمال کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ہم ان باتوں پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ (٥١)﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی اعلیٰ قابلیت کی بنیاد پر رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اور آپ کے والد خود بت بنا کر فروخت کرتے تھے۔ قوم اپنا جشن منانے کے لیے میلے میں چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام موقع پا کر بت خانہ میں گئے اور کلہاڑے سے سارے بتوں کو توڑ کر ختم کر دیا۔ جو بڑا تھا اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھ کر واپس تشریف لے آئے۔ جب قوم میلے سے واپس آئی تو دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ انہوں نے کہا: ایک نوجوان سے سنا تھا کہ وہ ہمارے بتوں کا تذکرہ خیر نہیں کرتے تھے، ان کا نام ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوال:

﴿قَالُوا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْئَةِ الَّتِي بَرَّهْنُوكَ هَذَا فَسَأَلُوهُمْ
اِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾ (۶۳)

انہوں نے پوچھا کہ اے ابراہیم! ہمارے بتوں کے ساتھ یہ معاملہ آپ نے کیا؟ فرمایا: نہیں، یہ حرکت ان کے اس بڑے سردار نے کی ہے، انہی بتوں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں! تو انہوں نے کہا: اے ابراہیم! آپ جانتے ہیں کہ یہ تو بات بھی نہیں کر سکتے، ان سے کیا پوچھیں؟

﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان کہ ”یہ حرکت تو ان کے اس بڑے سردار نے کی ہے“ پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ بات بظاہر درست نہیں کیونکہ بڑے بت نے تو یہ کام نہیں کیا تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود انہیں توڑا تھا۔ اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد ان کے عقیدے پر طنز کرنا تھا کہ تم لوگ دن رات یہی رٹ لگاتے ہو کہ سب کچھ یہی بت کرتے ہیں، یہی خدا ہیں، بگڑی بناتے ہیں، جس کو چاہیں تباہ کر دیتے ہیں تو اسی نے مارا ہے؛ پوچھ لو اسی بڑے سے۔ اب وہ لاجواب ہو گئے اور بتوں کا عجز ان پر ظاہر ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد بھی یہی تھی۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا اختلاف رائے:

﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ اِذْ يَحْكُمْنَ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَسَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ﴾ (۷۸)

حضرت داؤد علیہ السلام والد ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹے ہیں، اور دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ایک آدمی کی بکریاں دوسرے کے کھیت کو کھا گئیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: کھیت کی قیمت کا اندازہ لگاؤ کہ کتنی قیمت بنتی ہے؟ معلوم ہوا کہ بکریوں کے برابر قیمت بنتی ہے، آپ نے فرمایا: اس کی بکریاں کھیت والے کو دے دو۔ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: جس کی بکریاں ہیں وہ اس کے کھیت میں کام کرے اور کھیت والا بکریاں لے کر چرائے اور بکریوں کا دودھ پیے۔ جس وقت بکریوں نے کھیت کھایا تھا جب دوبارہ اتنا ہو جائے تو بکریاں؛ بکریوں والے کو دے دو اور کھیت والا اپنا کھیت سنبھال لے۔

یہاں نص موجود نہیں تھی اس لیے اجتہادی مسئلہ میں اختلاف رائے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کی بھی تردید

نہیں فرمائی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس مسئلہ میں بہ نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کے سمجھ زیادہ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر منصوص مسائل میں دو انبیاء علیہم السلام کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے تو جہاں نص نہ ہو وہاں امتیوں کے اجتہاد میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ جس طرح اجتہادی مسئلہ میں دو انبیاء ماجور ہیں اسی طرح ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین بھی ماجور ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَاَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ (۸۳)﴾

حضرت ایوب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آئی۔ ساز و سامان، گھر بار، آل و اولاد سب ختم ہو گئے، خود بیماری میں مبتلا ہوئے۔ آپ علیہ السلام کی اہلیہ نیک خاتون تھیں، آپ کی خدمت کرتی رہیں۔ پھر ایک وقت آیا کہ آزمائش ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ دوبارہ عطا فرمادیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَاِذَا النُّونُ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نُّعْذِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

سُبْحٰنَكَ ؕ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ (۸۷)﴾

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم شرک کیا کرتی تھی، آپ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم باز نہیں آؤ گے تو تین دن بعد تم پر عذاب آئے گا۔ جب تین دن گزرے، آخری رات آئی تو حضرت یونس علیہ السلام بستی سے باہر چلے گئے کہ قوم پر عذاب آرہا ہے۔ قوم پیچھے گڑ گڑائی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگیں... بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کیا اور عذاب کو ختم فرمادیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا بغیر حکم الہی اپنے اجتہاد کی بنا پر بستی سے چلے جانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تو آپ پر عتاب ہوا۔ آپ کشتی میں سوار ہوئے، پھر مچھلی نے نگل لیا، چند دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور یہ دعا مانگتے رہے: ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ؕ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ - دعا قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو باہر کنارے پر رکھ دیا۔ اس طرح کے واقعات انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے بالکل خلاف نہیں ہوتے کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام من جانب اللہ معصوم ہوتے ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ:

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبٌ جَهَنَّمَ ۚ اَنْتُمْ لَهَا وَرِدُوْنَ (۹۸)﴾

اس آیت میں ہے کہ خود مشرکین اور جن کی وہ عبادت کرتے ہیں یعنی تمام معبودان باطلہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی تھی کہ پھر حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی بھی لوگوں نے عبادت کی تھی تو کیا وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ اگلی آیت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ میں اس کا جواب موجود ہے کہ جن کے بارے میں اچھا انجام مقرر ہو چکا ہے وہ (حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ علیہما السلام) اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (۱۰۷)﴾

اس آیت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالمین کے لیے رحمت ہونا بتایا گیا ہے۔ عالم انسان، عالم جن، عالم جمادات؛ الغرض تمام عالم اس میں داخل ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سورة الحج

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں حج کے بنیادی ارکان و اعمال بیان کیے گئے ہیں اس لیے اس کا نام ”سورة الحج“ رکھا گیا ہے۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمۡ ۚ إِنَّ زَلٰلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ (۱)﴾

قیامت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا کہ وہ ایسا خوفناک منظر ہو گا کہ اس دن دودھ پلانے والی عورت اپنے بچے کو بھول بیٹھے گی اور حمل والی عورت اپنا حمل گر ادے گی۔ لوگوں کی حالت ایسی ہو گی کہ گویا وہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہو گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

بحث بعد الموت:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تَرَابٍ... (۵)﴾

گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا۔ اب بحث بعد الموت کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے قیامت کا ذکر فرمایا اور دوبارہ اٹھائے جانے پر بطور دلیل انسان کی تخلیق کو بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسے بنایا ہے کہ تمہاری غذا کا بنیادی عنصر مٹی ہے، مٹی سے پھر غذائیں نکلتی ہیں، انسان وہ غذائیں کھاتا ہے تو ان غذاؤں سے پھر نطفہ بنتا ہے، وہ باپ کی پیٹھ سے ہو کر ماں کے رحم میں جاتا ہے، اس کے بعد پھر خون بنتا ہے اور جم کر ایک لو تھڑے کی شکل اختیار کر جاتا ہے، پھر بوٹی بنتی ہے، پھر ان میں ہڈی آتی ہے۔ تو ان مراحل سے گزر کر بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائی تخلیق کی تو دوبارہ اسے بنانا کیا مشکل ہے؟

دنوی فائدے کے لیے ایمان قبول کرنا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ

إِنْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ... (۱۱)﴾

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے تو بعض لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تاکہ دنیاوی فوائد مل سکیں مگر جب ان کی مراد پوری نہ ہوئی تو انہوں نے دین اسلام سے پیٹھ پھیر کر کفر اختیار کر لیا۔ تو اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی کھوئی اور یہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔

حاسدین کا غیظ و غضب میں جلنا:

﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ... (۱۵)﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا تو اسے چاہیے کہ وہ ایک رسی لے کر آسمان پر چڑھ جائے اور وہاں جا کر آنے والی وحی اور رابطے کو کاٹ ڈالے تاکہ نبوت کو ملنے والی اللہ کی مدد آنا ختم ہو جائے اور اگر یہ شخص ایسا نہیں کر سکتا تو پھر اپنے گلے میں رسی ڈال لے اور خود کشی کر کے مر جائے لیکن خدا کی مدد ختم نہیں ہوگی۔

کعبۃ اللہ کی تعمیر:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (۲۶)﴾

بیت اللہ کی پہلی تعمیر جو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمائی تھی وہ منہدم ہو گئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ جگہ بتادی جہاں احاطہ کعبہ تھا کہ اس کو دوبارہ تعمیر فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ پھر حکم ہوا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں اور دور کے راستوں سے ان سوار یوں پر سوار ہو کر آئیں جو لمبے سفر کی وجہ سے دہلی پتلی ہو گئی ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر پتھر پر کھڑے ہو کر آواز لگائی کہ خانہ کعبہ بن گیا ہے، حج کرنے کے لیے آؤ۔ حج کے طریقہ کار اور احکامات کی تفصیلات کے لیے میری کتاب "حج و عمرہ" ملاحظہ کیجئے!

ایام قربانی:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَةٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۚ... (۲۸)﴾

قربانی یعنی جانور ذبح کرنے کے دن مخصوص و متعین ہیں اور وہ 10، 11 اور 12 ذوالحجہ ہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"أَيَّامٍ مَّعْلُومَةٍ" یعنی معلوم دنوں سے مراد یوم نحر یعنی دس ذوالحجہ اور اس کے بعد دو دن ہیں یعنی گیارہ اور بارہ ذوالحجہ۔ یوں قربانی کے کل دن تین بنتے ہیں۔

قربانی کا مقصد:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۚ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ (۳۷)﴾

اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اللہ کے ہاں تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔ ہم جو قربانی کرتے ہیں اس سے مقصود جانور کو ذبح کرنا ہے۔ جانور کا گوشت مقصود نہیں ہے۔ قربانی کرنے والا سارا گوشت خود کھا لے یا سارا تقسیم کر دے اس سے قربانی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں البتہ خود کھانے کی صورت میں

تقسیم کرنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

قربانی کا مقصد اور منشائے خداوندی خون بہانا ہے۔ اس لیے قربانی کے جانور کے پیسے غرباء میں تقسیم کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جانور ذبح کرنے کے بجائے جانور کے پیسے غریبوں میں تقسیم کر دیے جائیں تاکہ ان کو زیادہ فائدہ ہو اور ان کی ضرورت بھی پوری ہو۔ یہ خدائی نظام اور احکام شریعت میں سیدھی سیدھی مداخلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی ایسی گمراہیوں سے حفاظت فرمائیں۔

پہلی مرتبہ جہاد کی اجازت:

﴿اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِاَنَّهُمْ ظَلُمُوا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ (۳۹)

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آنے کے بعد یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد اور قتال کرنے کی اجازت دی گئی۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین مکہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حد سے زیادہ ظلم کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلی با ضابطہ جنگ جو کفر اور اسلام کے درمیان ہوئی وہ جنگ بدر ہے۔ مسلمانوں کی تعداد 313 تھی اور کفار کی تعداد ایک ہزار تھی لیکن فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

اسلامی ریاست کے اغراض و مقاصد:

﴿الَّذِينَ اِنْ مَكَنْتُهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَامَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللّٰهُ عَاقِبَةُ الْاُمُوْر﴾ (۴۱)

گزشتہ آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی تھی جس کے نتیجہ میں فتح ہو گئی اور اللہ تعالیٰ انہیں اقتدار بخشیں گے۔ اب یہاں سے نظام حکومت میں کرنے کے بنیادی کام بتائے جا رہے ہیں، اور وہ چار ہیں:

✽ نماز کی پابندی کرنا۔

✽ نظام زکوٰۃ قائم کرنا۔

☼ نیکی کے کاموں کا حکم دینا۔

☼ گناہوں سے روکنا۔

تسلی خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَتَهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٥٢﴾

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ منکرین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو شکوک و شبہات پیش کیے جاتے ہیں یہ صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایسے ہی ہوتا رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب کسی نبی یا کسی رسول پر وحی آتی اور وہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تو دوسری طرف شیطان کفار کے دل میں اس وحی کے بارے میں شبہات پیدا کر دیتا جس کی وجہ سے وہ ایمان نہ لاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان شکوک و شبہات کو ختم فرما دیتے ہیں تو جو لوگ ضد پر نہیں ہوتے وہ ایمان لے آتے ہیں۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی کی مثال:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاذْكُرُوا لَهُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا يُجْتَمِعُوا لَهُ ۖ ... (٧٣)﴾

یہاں معبودانِ باطلہ کی بے بسی اور ان کے باطل ہونے کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا جا رہا ہے کہ مشرکین جن جھوٹے اور پتھر کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اگر یہ سارے معبود مل کر بھی ایک مکھی کو پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ مکھی کو پیدا کرنا تو دور کی بات ہے اگر مکھی ان سے کوئی چیز اچک کر لے جائے تو سارے مل کر وہ چیز واپس بھی نہیں لے سکتے۔

دین میں حرج نہیں:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ ... (٧٨)﴾

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں حرج نہیں رکھا، دین میں بہت آسانی ہے۔ لیکن آسانی کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ جہاں تھوڑی سی سختی آئے وہاں شریعت کا حکم ہی بدل دیا جائے۔ دین میں حرج نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ بندے کو ایسا حکم نہیں دیتے جس پر عمل کرنا بندے کے بس میں نہ ہو۔ مشقت پر ہی تو اجر ملتا ہے۔

امتِ محمدیہ (عَلٰی صَاحِبِهَا السَّلَامُ) کی فضیلت:

﴿لَيَكُونَنَّ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۖ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ وَ اعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۖ...﴾ (۷۸)

جب قیامت کے دن سابقہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں پر گواہی دیں گے کہ ہم نے انہیں احکامات پہنچا دیے تھے تو وہ امتیں انکار کر دیں گی۔ اس وقت امتِ محمدیہ گواہی دے گی کہ ان انبیاء علیہم السلام نے احکام پہنچا دیے تھے۔ اس طرح امتِ محمدیہ کی فضیلت ظاہر ہوگی۔ اب اس فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ:

- ◆ ہم نماز قائم کریں۔
 - ◆ زکوٰۃ ادا کریں۔
 - ◆ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑیں اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھیں۔
- وَ أَخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اَللّٰهُمَّ تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّصْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ
مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

پارہ نمبر 18

سورة المؤمنون

وجہ تسمیہ:

اس سورت کے شروع میں مؤمنین کی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام ”سورة المؤمنون“ رکھ دیا گیا ہے۔

مؤمنین کی خاص صفات:

﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشْعُونَ﴾ (۲)

پہلی دس آیات میں اہل ایمان کی سات صفات بیان کی گئی ہیں کہ اگر کوئی ان اوصاف کو مکمل طور پر اپناتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں مؤمن ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ أَفْلَحَ﴾ کی بات ہے کہ ایسے لوگ کامیاب ہیں۔ وہ صفات یہ ہیں:

[1]: ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشْعُونَ﴾ (۲)

کہ نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں یعنی نماز عاجزی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

خشوع کی ایک تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خشوع والے وہ لوگ ہیں جو نماز میں عاجزی اور انکساری کرتے ہیں، دائیں بائیں دیکھتے اور نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے۔ لہذا نماز میں رفع الیدین کرنا خشوع کے خلاف ہے۔

[2]: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (۳)

کہ فضول کاموں اور فضول باتوں سے بچتے ہیں۔

[3]: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ (۴)

کہ وہ لوگ زکوٰۃ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

[4]: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ يُعْذَرُونَ﴾ (٥)

کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

[6:5]: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لَا مُنْتَهَى لَهُمْ وَعَهْدُهُمْ رُغْوَنَ﴾ (٨)

ایمان والے امانتوں کا خیال کرتے ہیں اور معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔

[7]: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ (٩)

اور نماز کی پابندی کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِن إِلَهِ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (٢٣)

یہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ لیکن قوم نے بجائے ماننے کے انکار اور استہزاء کیا۔ بحکم خداوندی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی، ماننے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیا، باقی طوفان میں غرق ہو گئے۔
"ربوہ" کا ذکر اور معنی:

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾ (٥٠)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے۔ ایک بادشاہ تھا جو ان کا دشمن تھا، وہ انہیں قتل کرنا چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ایسی بلند جگہ پر پناہ دی جو پر سکون، صاف ستھرے بہتے ہوئے پانی والی اور سرسبز و شاداب تھی اور یہ جگہ بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔

عربی زبان میں "ربوہ" ٹیلے کو کہتے ہیں۔ اس سے قادیانیوں والا خود ساختہ "ربوہ" جو پاکستان میں ہے مراد نہیں۔ اب ہمارے اکابر خصوصاً مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کی تیس سالہ جدوجہد سے ربوہ کا نام بدل کر "چناب نگر" رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا اصل نام "چک ڈھلیاں والا" تھا۔ پنجابی زبان میں "ڈھکا" بیل کو کہتے ہیں۔

مشرکین کی محرومی کی وجہ:

﴿قَدْ كَانَتْ آيَتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰٰ آعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ﴾ (٦٦)

مشرکین کی عادت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے نہیں تھے بلکہ دوڑ جاتے تھے، آیات کا انکار کرتے تھے اور یہ کام غرور اور تکبر کی وجہ سے کرتے تھے۔ یہ لوگ رات کو محفلیں سجا سجا کر قرآن کریم کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرتے تھے۔ ان مشرکین کی یہ گندی عادت تھی کہ رات کو بیٹھ کر قصے کہانیاں سناتے، اللہ کی آیات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہی بے ہودہ حرکات کی وجہ سے ایمان جیسی عظیم نعمت سے بھی محروم رہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے باوجود بھی ایمان نہ لائے۔

انعاماتِ خداوندی:

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ (٧٨)

اللہ تعالیٰ مُنْعِم ذات ہیں۔ اس نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے تین (کان، آنکھیں اور دل) اہم نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ جب اللہ نے بغیر مانگے آنکھ دی ہے تو اس سے وہ کچھ دیکھتے جو اللہ چاہتے ہیں، کان دیے ہیں تو ان سے وہ سنتے جو اللہ چاہتے ہیں، اللہ نے دل دیا تو اس سے وہ سوچتے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ یہ انعامات تو اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں اور استعمال تم اپنی مرضی کے مطابق کرتے ہو اور شکر بھی کم ادا کرتے ہو، یہ بات مناسب نہیں ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

کفار کے لیے عذاب کی وعید:

﴿قُلْ رَبِّ إِمَّا تُرِيْنِي مَا يُوعَدُونَ﴾ (٩٣)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دلائل توحید و رسالت بیان فرمائے ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ کفار و مشرکین حق کو ماننے اور قبول کرتے لیکن انہوں نے نہ مانا۔ تو یہاں ان کے لیے وعید سنائی جا رہی ہے کہ کفار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس سے مراد یا تو اخروی عذاب ہے یا دنیوی عذاب ہے۔ ان پر دنیوی عذاب ممکن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آجائے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی جا رہی ہے کہ آپ دعا مانگیں کہ اے اللہ! اگر آپ نے ان لوگوں کو میرے سامنے ہی عذاب دینا ہے تو مجھے اس سے محفوظ رکھنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے بالکل محفوظ ہیں لیکن پھر بھی آپ کو یہ دعا سکھائی گئی تاکہ آپ ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھیں اور امت کو تلقین بھی ہو جائے کہ وہ یہ دعا مانگا کریں۔

کافر کی تمنا:

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ (۹۹)﴾

کافر کو جب موت کے آثار اور آخرت کی منزلیں نظر آنے لگیں گی تو اس وقت کہے گا: اے رب! مجھے واپس لوٹا دیں تاکہ میں ایمان لے آؤں اور وہ نیک اعمال کر سکوں جنہیں میں دنیا میں نہ کر سکا! جواب ملے گا: ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ محض اس کی ایک بات ہے جس کو وہ اپنے منہ سے کہہ رہا ہے۔ یہ واپس جا کر بھی اچھے کام نہیں کرے گا۔

اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے جو قیامت تک کے لیے ہے۔ مرنے کے بعد سے لے کر اٹھنے تک کے زمانے کو ”برزخ“ یعنی پردہ کہتے ہیں۔ اگر ہم میت کی قبر پر جائیں اور میت کو دیکھ لیں تو یہ پردے کے خلاف ہے اور اگر میت ہم کو دیکھ لے تو یہ پردے کے خلاف نہیں ہے۔

برزخ کا معنی اور تفصیلی بحث میری کتاب ”دروس القرآن“ میں اسی مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

جہنمیوں کی آہ و پکار:

﴿تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ (۱۰۴)﴾

قیامت کا دن ہوگا، کافر جہنم میں ہوں گے، ان کے چہرے جھلس رہے ہوں گے اور وہاں وہ اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہوں گے کہ اے اللہ! ہمیں یہاں سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں اور تمہیں ڈرایا جاتا تھا لیکن تم ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ یا اللہ! ہماری بد بختی ہم پر غالب آگئی، ہم گمراہ ہو گئے، اللہ! ہمیں یہاں سے نکال دیں، اب ہم نافرمانی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ذلیل ہو کر یہیں جہنم میں پڑے رہو، اب تم نے ہم سے بات نہیں کرنی۔ پھر یہ اہل جہنم کسی سے بات نہ کر سکیں گے۔

انسان کی پیدائش بے مقصد نہیں:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (۱۱۵)﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا تمہارا خیال یہ تھا کہ ہم نے تمہیں یونہی فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ اللہ رب العزت اونچی شان کا مالک ہے، حقیقی بادشاہ ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اللہ عزت والے عرش کے مالک ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ان کا حساب تو اللہ کے ذمہ ہے، قیامت میں کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔ آخر میں فرمایا کہ اے میرے پیغمبر! آپ یہ دعا مانگا کریں:

﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾

اے میرے رب! میری کوتاہیوں کو معاف کر اور میرے حال پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ایک شخص پر ہوا جو کئی امراض میں مبتلا تھا۔ آپ نے سورۃ المؤمنون کی آخری آیات ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنْمَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا﴾ سے آخر تک اس کے کان میں پڑھ دیں تو وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبد اللہ! آپ نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے سورۃ المؤمنون کی آخری آیتیں پڑھی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مؤمن مکمل یقین کے ساتھ یہ آیتیں پڑھے تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔

اس لیے سورۃ المؤمنون کی آخری چار آیات ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنْمَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا﴾ سے لے کر ﴿وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ تک یاد کر لیں، زبانی یاد نہیں ہوتیں تو قرآن کھول کر پڑھ لیا کریں۔ اگر گھر میں کوئی بیمار ہے تو یہ چار آیتیں اس کے کان میں دم کر دیا کریں، سر درد ہے یا کوئی اور تکلیف ہے تو بھی ان کو پڑھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل یقین نصیب فرمائیں۔

سورۃ النور

﴿سُورَةُ النُّورِ وَأَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۱)﴾

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی آیت نمبر 35 میں موجود ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورۃ النور“ رکھا گیا ہے۔

اس سورت میں مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ معاشرے میں بے حیائی، فحاشی اور برائی کو روکنے اور عفت و عصمت کو عام کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت، گھروں میں جانے کے آداب اور پردہ کے متعلق احکامات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

حدِ زنا:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً... (۲)﴾

اگر غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت نے زنا کیا ہو تو انہیں بطور حد سو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ جبکہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی سزا حدیث پاک میں سنگساری بیان کی گئی ہے۔ فعل زنا ثابت ہونے کے تین طریقے ہیں:

1: چار مرد گواہ ہوں۔

2: زانی یا زانیہ خود اعتراف کرے کہ مجھ سے فعل زنا سرزد ہو گیا ہے۔

3: کنواری عورت کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ یہ حمل کس کا ہے؟ وہ جس کا نام لے تو اس سے تحقیق کی جائے گی اگر وہ بھی اس فعل بد کا اقرار کر لے تو مرد و عورت دونوں شرعی سزا کے مستحق ہوں گے ورنہ صرف عورت کو سزا ملے گی۔

مزید تفصیلات کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدِ قذف:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَلَاثِينَ جَلْدَةً وَلَا

تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۴)﴾

کسی پر زنا کا الزام لگانے والے کے ذمہ ہے کہ وہ چار گواہ پیش کرے۔ اگر چار گواہ پیش نہیں کر سکتا تو اس

تہمت لگانے والے پر حدِ قذف (80 کوڑے) لگائی جائے گی اور وہ مردودِ الشہادۃ ہو جائے گا، آئندہ کسی معاملے میں اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔ اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کو آخرت میں سزا نہیں ملے گی لیکن دنیا کی سزا باقی رہے گی یعنی اس کو کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ گواہی بھی قبول نہیں ہوگی۔

لعان کا مسئلہ:

﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَاَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۶)﴾

اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ بھی پیش کرے تو اس کی بیوی پر حدِ زنا لگ جائے گی۔ اگر گواہ نہ ہوں تو لعان ہو گا۔ میاں بیوی دونوں قاضی کے سامنے پانچ پانچ قسمیں کھائیں:

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ یہ مرد چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میں اس بات میں سچا ہوں کہ میں نے اسی طرح اس کو دیکھا ہے۔ پانچویں مرتبہ قسم یوں اٹھائے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اب بیوی سے کہا جائے گا کہ وہ بھی چار مرتبہ قسمیں کھائے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے اور پانچویں مرتبہ یوں قسم کھائے کہ اگر یہ سچا ہے تو پھر مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔ لعان کے بعد یہ دونوں ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے لیکن طلاق تب ہوگی جب شوہر اس کو طلاق دے گا۔ اگر شوہر طلاق نہیں دیتا تو پھر قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کر دے۔

واقعہ افک: ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی براءت:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۗ... (۱۱)﴾

یہاں واقعہ افک کا ذکر ہے۔ سن 6 ہجری میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اس سفر میں صدیقہ کائنات، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جب قافلہ کی روانگی ہونے لگی تو آپ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ قافلہ روانہ ہو گیا، آپ وہیں رہ گئیں۔ بعد میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر سوار کر قافلہ کے ساتھ مل گئیں۔ لیکن عبد اللہ بن ابی - جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازلی دشمن تھا - نے افتراء باندھا، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی کی لاڈلی بیوی کی براءت کا اعلان

فرما کر آپ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکدامنی کی گواہی دی اور اسے ﴿هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ کہا۔
اہل علم و فضل کو خدائی پیغام:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ... (۲۲)﴾

واقعہ افک میں منافقین کے پروپیگنڈے میں کچھ سادہ لوح مسلمان بھی شریک ہو گئے۔ ان میں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے بعد میں سچی توبہ کر لی تھی۔ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ جب واقعہ افک پیش آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے صدے کی وجہ سے قسم کھائی کہ میں ان کی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مدد جاری رکھنے کا کہا اور فرمایا کہ جو لوگ اہل علم و فضل اور اہل خیر ہیں وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں کو کچھ نہیں دیں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور سابقہ معمول کے مطابق ان کی مدد جاری فرمادی۔

مکانات کی اقسام اور ان میں داخلے کا حکم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۲۷)﴾

مکانات چار قسم کے ہیں:

[1]: وہ مکان جس میں آدمی خود اکیلا رہتا ہے۔

[2]: وہ مکان جس میں اور لوگ بھی رہتے ہوں، رشتہ دار ہوں یا اجنبی ہوں۔

[3]: وہ مکان جس میں کسی کارہائش پذیر ہونا معلوم نہ ہو کہ کوئی اس میں رہتا بھی ہے یا نہیں!

[4]: وہ مکانات جو رہائش کے لیے نہیں ہیں جیسے مسجد، خانقاہ اور مدرسہ وغیرہ۔

پہلی قسم کے مکان میں اجازت کی ضرورت نہیں۔ دوسری قسم کے مکان میں اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے۔

تیسری قسم کے مکان میں بھی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے اور چوتھی قسم کے مکان میں اجازت کی ضرورت نہیں۔

آنکھ اور عصمت کی حفاظت کا حکم:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۖ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ... (۳۰)﴾

یہاں آنکھوں کو جھکانے اور شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت میں جس طرح مردوں کو نگاہ نیچی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنی نگاہ نیچی رکھیں۔ اس لیے عورت کے لیے حصول لذت یا شہوت کی بنیاد پر کسی نامحرم مرد کو دیکھنا حرام ہے۔ البتہ اگر کسی ضرورت کی بنا پر دیکھے اور اس دیکھنے میں شہوت اور تلبذ بھی نہ ہو تو عورت کے لیے نامحرم مرد کو دیکھنے کی گنجائش ہے لیکن غیر مردوں کو دیکھنے سے احتراز کرنا بہتر ضرور ہے۔ جہاں تک مردوں کا تعلق ہے تو ان کے لیے عورتوں دیکھنا جائز نہیں۔

پھر پردے کا حکم دیا کہ خاتون کا پورا جسم حتیٰ کہ اس کا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی پردہ میں شامل ہیں۔ البتہ ضرورت شدیدہ اور مجبوری کے وقت ہتھیلیاں یا چہرہ کھلا رکھنے کی گنجائش ہے، اس حالت میں مردوں کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا نور ہے:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ... (۳۵)﴾

اس آیت میں اللہ نے اپنے نور؛ نور ہدایت کی مثال دی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں: اللہ نور ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے ”مَنْوَر“ یعنی روشن کرنے والا۔ ”نور“ کا حقیقی معنی ہے: ”الظَّاهِرُ بِنَفْسِهِ وَالْمُظْهِرُ لْغَيْرِهِ“ خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ نور کا یہ حقیقی معنی اللہ پر صادق نہیں آتا کیونکہ اللہ ظاہر نہیں ہیں تو یہاں نور کا مجازی معنی مراد ہے کہ اللہ رب العزت آسمان وزمین کو روشن کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت کیسے روشن کرتے ہیں؟ تو اس کی مثال دی ہے کہ جیسے ایک طاقچہ ہو، اس طاقچے میں چراغ ہو اور چراغ ایک قندیل میں ہو اور چراغ کو جس تیل سے جلایا جا رہا ہو وہ زیتون کا تیل ہو۔ زیتون بھی ایسا کہ جس پر پورا دن سورج کی روشنی پڑتی رہتی ہے خواہ سورج مشرق میں ہو یا مغرب میں، اسی وجہ سے اس کا تیل نہایت صاف اور عمدہ ہوتا ہے۔ مراد اس سے مؤمن کا دل ہے کہ مؤمن کے دل میں طبعی طور پر ایمان کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، پھر جب اس کے سامنے آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو اسے بہت جلد عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔

کافروں کے اعمال کی مثال:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّنُّ مَاءً... (۳۹)﴾

اس آیت میں ان کفار کے اعمال کی مثال دی گئی ہے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں لیکن توحید و رسالت کو نہیں مانتے۔ ان کفار کے اعمال کی مثال ایسے ہے جیسے آدمی ریگستان میں سفر کر رہا ہو تو اسے دور سے ریت کی چمک ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے پانی؛ لیکن حقیقت میں وہ پانی نہیں ہوتا۔ تو "سراب" سے اس نے دھوکہ کھایا۔ اسی طرح کفار کے وہ نیک اعمال جن کے بارے میں وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں آخرت میں فائدہ دیں گے، ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ نیک اعمال سراب کی طرح دھوکہ ہیں۔

دوسری قسم کے کفار کے اعمال کی مثال:

﴿أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ... (۴۰)﴾

یہاں ان کفار کی مثال ہے جو آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ ان کفار کی مثال ایسے ہے جیسے بہت گہرا سمندر ہو اور اس میں اندھیرے ہوں، اس کے اوپر پھر ایک موج ہے پانی کی، پھر اس کے اوپر ایک اور موج ہے، پھر اس کے اوپر بادل ہیں۔ اب اتنا اندھیرا ہو تو آدمی کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔

کامیابی کی بنیاد چار باتوں پر ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (۵۲)﴾

اگر کوئی شخص چار باتوں کا اہتمام کرے تو کامیاب ہو جائے گا۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ﴾ اللہ رب العزت کی اطاعت کرے۔

﴿وَرَسُولَهُ﴾ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے۔

﴿وَيَخْشَ اللَّهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

﴿وَيَتَّقْهُ﴾ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے۔

خلافتِ راشدہ موعودہ:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ... (۵۵)﴾

اس آیت کو ”آیتِ استخلاف“ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خلافت کا وعدہ کیا ہے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے مطابق حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ ان چاروں کو ”خلفائے راشدین“ اور ان کی خلافت کو ”خلافتِ راشدہ“ کہتے ہیں۔ تو اس آیت میں انہی چار حضرات کی خلافت کا ثبوت ہے۔

تین اوقات میں اجازت لیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ تُدْزِنُكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ... (۵۸)﴾

گزشتہ آیات میں بڑوں کے متعلق حکم تھا کہ کسی کے گھر بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اب یہاں غلام، لونڈی اور چھوٹے بچوں کے متعلق حکم ہے کہ تین اوقات میں ان کو بھی گھروں اور کمروں میں بغیر اجازت کے داخل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان اوقات میں انسان بے تکلفی میں صرف ضروری کپڑوں میں ہوتا ہے اور تنہائی چاہتا ہے تو ان کے داخل ہونے سے بے پردگی بھی ہوتی ہے اور ناپسندیدگی بھی۔ اس لیے انہیں حکم دیا کہ تین اوقات نماز فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت اور نماز عشاء کے بعد بغیر اجازت گھروں یا کمروں میں داخل نہ ہوں۔

معذورین کو کھانے میں شریک کرنا:

﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ... (۶۱)﴾

معذور حضرات یعنی نابینا، پاؤں سے معذور وغیرہ تندرستوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے سے شرماتے تھے کہ کہیں ہمیں کھانے کی تہذیب نہ ہو یا معذور سوچتا کہ جگہ زیادہ نہ گھیر لوں۔ اسی طرح تندرست حضرات کو بھی الجھن ہوتی تھی کہ کہیں یہ معذوری کی وجہ سے مشترک کھانے میں ہم سے کم کھائیں اور اپنا پورا حصہ نہ لے سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو ساتھ بٹھا کر کھلانے میں کوئی حرج نہیں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں باریک بینی کی ضرورت نہیں۔

مخلص مسلمانوں کی مدح اور منافقین کی مذمت:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ...﴾ (۶۲)

یہ آیت غزوہ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس میں مخلص مسلمانوں کی مدح اور منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ جب کفار کے تمام قبائل مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے متحد ہو کر آنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کے لیے خندق کھودنے کا حکم دیا تو مخلص مسلمان صدق دل سے کام میں لگے رہتے۔ جب جانا ہوتا تو اجازت لے کر جاتے جبکہ منافقین اول تو سستی کرتے، جب آجاتے تو بہانے بنا کر یا مخفی طور پر نکل جاتے۔

عام مجالس میں بھی اسی طرح ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ مخلصین مسلمان جب آپ سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دیا کریں اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کیا کریں۔ آج بھی یہی حکم ہے کہ کسی اجتماعی مشورے کے لیے جب سب جمع ہوں تو بلا اجازت چلے جانا درست نہیں۔ اجازت لے کر جانا چاہیے۔

سورة الفرقان

وجہ تسمیہ:

”فرقان“ کے معنی ہیں: ”حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا“۔ اس سورت میں قرآن کریم کو ”فرقان“ فرمایا گیا ہے اسی وجہ سے اس سورت کا نام بھی ”سورة الفرقان“ رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں بنیادی عقائد کے علاوہ مشرکین کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں، مومنین کے لیے انعامات کا ذکر ہے۔ سورت کے آخر میں عباد الرحمن کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلا اعتراض اور جواب:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا افْكٌ لِّفِتْرَتِهِ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ... (۴)﴾

مشرکین کہتے تھے کہ قرآن کریم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گھڑا ہے۔ ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ نظریہ تھا کہ دیگر کچھ لوگ بھی آپ کی مدد کرتے ہیں۔ یعنی یہودیوں سے کچھ باتیں سیکھ لی ہیں وہی ہمیں بتا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وحی الہی یعنی قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ظلم اور کھلے جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ اگلی آیت میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر! آپ فرما دیجیے کہ قرآن میری طرف سے (افتراء) نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

دوسرا اعتراض اور جواب:

﴿وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَنْشَوِي الْأَسْوَاقَ لَوْلَا نُزِّلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ

مَعَهُ نَذِيرًا (۷)﴾

ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کیسا نبی ہے جو کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، فرشتہ بھی نہیں اور اس کے پاس خزانہ بھی نہیں۔ اگر نبی ہوتا تو اس کے ساتھ ملائکہ ہوتے، پیغمبر ہوتا تو نہ کھاتا نہ پیتا۔ انہیں جواب دیا گیا کہ مشرکین کیسی نکلی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ نبی ہوتا تو اس کے ساتھ فرشتہ ہوتا۔ لیکن اگر پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ فرشتہ ہوتا تو پھر یہی لوگ کہتے کہ اس کے فرشتہ ہونے پر کیا دلیل ہے؟ اگر نبی ہوتا اور نہ کھاتا تو یہ کہتے کہ ہم کھاتے ہیں تو ہمارا نبی تو وہ ہونا چاہیے جو کھانے والا ہو!

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَنْشَوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ... (۲۰)﴾

گزشتہ آیات میں مشرکین کا اعتراض تھا کہ یہ کیسا نبی ہے جو کھاتا بھی ہے، پیتا بھی ہے، بازاروں میں چلتا بھی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہیے بلکہ فرشتے کو نبی ہونا چاہیے۔ یہاں جواب دیا کہ جن انبیاء علیہم السلام کو تم بھی نبی و رسول مانتے ہو وہ بھی تو انسان ہی تھے، انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے، بازاروں میں چلتے تھے۔ لہذا اس سے تم سمجھ لیتے کہ کھانا پینا، بازار میں پھرنا وغیرہ منصب نبوت و رسالت کے منافی نہیں ہے۔

وَإِخْرُجُوا نَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پارہ نمبر 19

متکبرین کی تمنا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا﴾ (۲۱)

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ اپنے تکبر کی وجہ سے اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یا تو فرشتہ آسمان سے نازل ہو کر ہمیں سمجھائے یا اللہ تعالیٰ بذات خود ہماری رہنمائی فرمائے۔ ابھی تو انہیں فرشتے دیکھنے کی چاہت ہے لیکن جس دن ان کو فرشتے نظر آگئے اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا۔ یعنی فرشتے انہیں اس وقت دکھائے جائیں گے جب وہ انہیں جہنم میں ڈالنے کے لیے آئیں گے۔ اس وقت یہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں گے۔

مشرک کی حسرت و ندامت:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ لِيَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ (۲۷) لِيُولَيْتَنِي لِمَ اتَّخَذْتُ فَلَانَا خَلِيلًا﴾ (۲۸)

کل قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر کافر اپنی انگلیوں کو کاٹتے ہوئے انتہائی حسرت اور ندامت سے کہے گا: اے کاش! میں فلاں (ابی بن خلف) کو اپنا دوست نہ بناتا بلکہ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ اپنالیتا۔ واقعہ یہ ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت دینے پر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے دوست ابی بن خلف کو پتہ چلا تو اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو چھوڑ دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر یہ دونوں غزوہ بدر میں مارے گئے۔ عقبہ جب آخرت کا عذاب دیکھے گا تو اس وقت اسے یہ حسرت ہوگی کہ کاش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے راستے کو اپنالیتا۔ اپنے دوست کی بات ماننے پر ندامت ہوگی۔

شکوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ (۳۰)

قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی شکایت کریں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تھا۔ یہاں ”قوم“ سے مراد تو کافر قوم ہے لیکن مسلمانوں کو بھی یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم کو پڑھیں، سمجھیں، عمل کریں اور آگے پہنچائیں۔ ہماری کوتاہی کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت دن اللہ تعالیٰ کے سامنے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بھی شکایت کریں۔

قدرتِ باری تعالیٰ:

﴿الْمُتَوَكِّلِ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا... (۴۵)﴾

اللہ رب العزت نے اپنی قدرت بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سائے کو کیسے پھیلا دیتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سائے کو ایک ہی جگہ ٹھہرا کر رکھتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس پر دلیل بنا دیا ہے۔ جب سورج نکلتا ہے تو سایہ مغرب کی طرف ہوتا ہے۔ جب سورج زوال کے وقت اوپر آتا ہے تو سایہ سمٹ جاتا ہے۔ جب سورج مغرب کی طرف جاتا ہے تو سایہ مشرق کی طرف جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر ہم آہستہ آہستہ اس سائے کو اپنی طرف سمیٹتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو سایہ ختم ہو جاتا ہے۔

دینی امور پر اجرت لینا:

﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (۵۷)﴾

اے پیغمبر! آپ فرمادیجیے کہ میں تمہیں دین کی بات بتاتا ہوں لیکن اس پر میں تم سے اجرت نہیں مانگتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اجرت علی تعلیم الدین جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین کا کام ہی اجرت لینے کے لیے کرتا ہے تو یہ جائز نہیں، اور اگر اجرت لینے کے لیے دین کا کام نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اور ضرورت کے تحت اجرت بھی ملتی ہے تو یہ جائز ہے۔

باقی اس آیت میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں تم سے اجرت نہیں مانگتا تو اس سے دینی امور پر اجرت کا منع ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیلی بحث اور اجرت کے جواز کے دلائل ہماری فائل ”دینی امور پر اجرت لینا“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عباد الرحمن کی صفات:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا... (۶۳)﴾

یہاں سے کچھ آیات تک عباد الرحمن کے بارہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ امت مسلمہ کو اس سے سبق ملتا ہے کہ عباد الرحمن بنیں اور ان کے اوصاف اپنانے کی کوشش کریں۔ عباد الرحمن کے اوصاف یہ ہیں:

- 1: زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔
- 2: جب جاہل ان سے بات کریں تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔
- 3: رات سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتے ہیں یعنی تہجد کا اہتمام کرتے ہیں۔
- 4: جہنم کے عذاب سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں۔
- 5: میانہ روی اختیار کرتے ہیں؛ نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں۔
- 6: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔
- 7: ناحق کسی کو قتل نہیں کرتے۔
- 8: زنا نہیں کرتے۔
- 9: جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔
- 10: گناہ کی جگہ سے گزر جاتے ہیں، وہاں کھڑے نہیں ہوتے۔
- 11: قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔
- 12: دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! ہمارے اہل و عیال کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنا اور ہمیں متقین کا امام بنا۔

ان اوصاف کی مزید تفصیل میری کتاب ”اللہ کے بندے“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عباد الرحمن کے اوصاف اپنانے کا نتیجہ:

﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا (۷۵)﴾

اللہ تعالیٰ عباد الرحمن کو جنت کے بالا خانے دیں گے، وہاں ان کا استقبال دعاؤں اور سلام کے ساتھ کیا

جائے گا۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ رہنے کی بہترین جگہ ہے۔

سورة الشعراء

وجہ تسمیہ:

اس سورت کے آخر میں شعراء کا ذکر ہے، اس لیے سورت کا نام بھی ”سورة الشعراء“ رکھ دیا گیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی کڑھن:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی بے حد فکر تھی کہ لوگ کلمہ پڑھیں، دین پر آئیں اور جنت میں جائیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کڑھتے بھی بہت تھے، محنت بھی فرماتے تھے، لوگوں کی باتیں برداشت بھی فرماتے تھے تو اللہ رب العزت نے یہ بات سمجھائی کہ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہ مانیں تو کیا آپ کڑھ کڑھ کر اپنے آپ کو ختم کر لیں گے؟

فائدہ:

سابقہ امتوں نے اپنے نبی سے فرمائشی معجزات طلب کیے تھے۔ ان کی فرمائش پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ معجزات انہیں دکھائے گئے لیکن انہوں نے پھر بھی نہ مانا۔ اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ جب کوئی قوم منہ مانگی فرمائش پوری ہونے کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اسے نشان عبرت بنادیتے ہیں۔

یہاں تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں سابقہ امتوں؛ قوم موسیٰ، قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط اور قوم شعیب [علیہم السلام] کے واقعات بیان کر کے مشرکین مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہارے پاس جو دلائل آچکے ہیں ان میں غور و فکر کر کے ایمان لے آؤ۔ مزید فرمائشی معجزات کا مطالبہ نہ کرو تا کہ تم سابقہ امتوں والی ہلاکت سے بچ جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کا حکم:

﴿وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (۱۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کی قوم کے پاس جا کر انہیں دعوت دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ! میں ڈر محسوس کرتا ہوں کہ وہ کہیں مجھے جھٹلا نہ دیں، اور مجھ سے ایک ایسا کام (قطبی کا قتل) ہوا تھا کہ جس کو یہ لوگ گناہ سمجھتے ہیں۔ لہذا آپ میرے ساتھ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت دے دیں تاکہ کوئی میری تائید کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیا۔ آگے کئی آیات تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ (۶۹) إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ (۷۰)﴾

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی اور یہ کہا کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ بت تمہاری باتیں سن سکتے ہیں؟ کیا یہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

جب ان سے کوئی اور جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے تو ہم بھی یہی کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے اللہ کی ذات کے۔ دشمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔

قلبِ اطہر پر وحی کا نزول:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۹۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (۱۹۳)﴾

نزولِ وحی کے مقام کو بیان کیا جا رہا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر وحی لاتے تھے۔ نبی اور امتی میں فرق ہے؛ جب امتی سو جائے تو اس کا دل اور آنکھ دونوں سو جاتے ہیں اور جب پیغمبر سو جائے تو نبی کی آنکھ سوتی ہے لیکن دل جاگتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

وحی دل مبارک پر آتی ہے اس لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام آئیں تب بھی وحی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سو جائیں اور خواب دیکھیں تب بھی وحی ہے۔

مشرکین مکہ کی تردید:

﴿وَالشُّعْرَاءُ يُتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (۲۲۴) أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ (۲۲۵)﴾

مشرکین کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر ہیں اور قرآن کریم شاعری کی کتاب ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شعراء کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں اور اکثر شاعر ہر قسم کی خیالی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں اور ایسی بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔ یعنی شاعری ایک تخیلاتی چیز ہے جس کا بسا اوقات حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ البتہ اہل ایمان اور عمل صالح والے وہ شعراء جو اشعار میں خلاف شرع بات نہ کریں بلکہ دین و مذہب کی بات کریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

سورة النمل

وجہ تسمیہ:

سورة النمل کی آیت نمبر 18 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں چیونٹی کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة النمل“ رکھا گیا ہے۔

اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد، توحید و رسالت اور قیامت کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت اور دولت کا ذکر ہے۔ ملکہ بلقیس کا قصہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں مختصر اسباقہ امتوں کے واقعات کو بھی بیان کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

﴿إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لَأَهْلِيهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۚ سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشَهَابٍ ۚ قَبَسَ لَعَلَّكُمْ

تَصْطَلُّونَ (۷)﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس تشریف لارہے تھے آپ کے گھر والے بھی ساتھ تھے۔ سردی تھی اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ قریب میں آگ نہیں تھی۔ دور کوہ طور پر

انہیں آگ جلتی ہوئی محسوس ہوئی جو حقیقت میں نور تھا۔ وہاں گئے تاکہ آگ لے آئیں یا راستہ معلوم کریں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے یہ آواز سنی کہ اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، غالب ہوں اور حکمت والا ہوں۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت بھی عطا فرمائی۔ معجزات اور نشانیاں بھی عطا فرمائیں اور فرعون اور اس کی قوم کی طرف جانے کا حکم بھی دیا۔

نبی کی وراثت:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ... (۱۶)﴾

یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو والد محترم حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے وراثت ملنے کا بیان ہے۔ اس وراثت سے مراد وراثت مالی نہیں بلکہ وراثت علمی ہے۔ یعنی نبوت اور سلطنت میں وہ اپنے والد محترم کے وارث اور جانشین بنے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک بیٹا تو نہیں تھا بلکہ انیس بیٹے تھے لیکن وارث صرف ایک بیٹا حضرت سلیمان علیہ السلام بنا۔ تو اگر یہ وراثت مالی ہوتی تو ایک بیٹے کو نہیں بلکہ تمام بیٹوں کو مساوات کے ساتھ ملتی کیونکہ مساوات کے بغیر تقسیم پیغمبر کی شان کے لائق نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ "ہم نبیوں کا گروہ ہیں، ہمارے مال میں کوئی وارث نہیں ہوتا، جو مال نبی چھوڑ کر جائے وہ امت کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔"

پرندوں کی بولیوں کا علم:

﴿وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۚ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْفَضْلِ الْمُبِيْنُ (۱۶)﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت میں جہاں دیگر کئی چیزیں عطا فرمائی تھیں وہاں پرندوں اور جانوروں کی بولیوں کا علم بھی دیا تھا۔ پرندوں کا یہاں ذکر ہے۔

سلطنتِ سلیمانی:

﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُودٌ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ (۱۷)﴾

یہاں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بادشاہت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی وہ صرف انسانوں پر نہیں تھی بلکہ جنات، جانوروں اور پرندوں پر بھی تھی۔ اسی وجہ سے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر

جاتا تو اس میں تعداد کثیر ہو جاتی۔ نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے کافی انتظام و اہتمام کرنا پڑتا تھا۔

چیونٹی کا واقعہ:

﴿حَتَّىٰ إِذَا آتَوَا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمُنُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (۱۸)﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر کا چیونٹیوں کی وادی سے گزرنے کا واقعہ ہے جس میں ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو بلوں میں جانے کا حکم دیا کہ کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالیں۔

پرندوں کی حاضری:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهَدْيَ ۚ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ (۲۰)﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ پرندوں کی حاضری لی تو ہد ہد پرندہ غائب تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہد ہد نے میرے سامنے کوئی واضح عذر پیش نہ کیا تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا۔

﴿فَبَكَتْ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ نَحْطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنْتًا يَاقِينِ (۲۲)﴾

کچھ دیر بعد ہد ہد حاضر ہو گیا اور اس نے ملک سباء کے متعلق بتایا کہ وہاں ایک عورت ہے جو لوگوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا کر رہے ہیں اور اس عورت کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط:

﴿إِذْ هَبْ بَكَّتُوبَىٰ هَذَا فَاَلْقَاهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّىٰ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ (۲۸)﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے کہا: ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ تم سچ کہہ رہے یا جھوٹ۔ سلیمان علیہ السلام نے اسے خط لکھ دیا کہ یہ خط پہنچا کر دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ خط کا مضمون یہ تھا:

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور میرے پاس تابع دار بن کر چلے آؤ۔

ملکہ بلقیس کا واقعہ:

﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ (۲۹)﴾

ملکہ بلقیس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میرے سامنے ایک باوقار خط ڈالا گیا ہے۔ یہ خط سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کیا گیا ہے، مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ انہوں نے کہا کہ ہم طاقت ور ہیں اور ڈٹ کر لڑنے والے لوگ ہیں باقی آپ دیکھ لیں، آپ کیا حکم دیتی ہیں۔

پھر آگے ذکر ہے کہ ملکہ بلقیس نے تحائف اور ہدایا بھیج کر جانچنا چاہا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم میری مدد مال کے ذریعہ کرنا چاہتے ہو؟ واپس چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں دیا ہے اس سے کہیں زیادہ بہتر مجھے دیا ہے۔ ہم ایسا لشکر لے کر آئیں گے جس کے مقابلے کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے آنے سے پہلے اپنے وزیر آصف بن برخیا سے یا بذات خود اس کا تخت منگوا لیا اور اس میں کچھ تبدیلی بھی کروادی۔ ملکہ بلقیس مطیع و فرمانبردار ہو کر آگئیں اور کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار حقیقت یہ ہے کہ میں نے اب تک اپنی جان پر ظلم کیا تھا اور اب میں نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ رب تعالیٰ کی فرمانبرداری قبول کر لی ہے۔

توحید پر انتہائی بلیغ خطبہ:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۚ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا يَشْرُونَ (۵۹)﴾

گزشتہ آیات میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص کو بیان کیا گیا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ اور متفقہ موقف اور مشن اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرنا تھا۔ اب پارے کے آخر میں خطبہ کے آداب (اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور منتخب بندوں پر سلام) بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی گئی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہیں یا وہ جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں نے شریک بنا رکھا ہے؟

وَاخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پارہ نمبر 20

قدرتِ باری تعالیٰ کے دلائل سے مشرکین کی تردید:

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَآءًۢ فَاُنبِتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَۢ بَهْجَةٍ... (۶۰)﴾

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے دلائل بیان کر کے مشرکین کی تردید فرما رہے ہیں کیونکہ مشرکین کہتے اور مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مگر انتظام کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ دوسرے معبودوں کو سونپا ہوا ہے۔ لہذا ان معبودوں کی بھی عبادت کرنی چاہیے۔

آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے بنایا، کائنات میں مختلف قسم کی رنگ رنگیلیاں یعنی سرسبز باغات، متحرک زمین پر مضبوط پہاڑوں کو گاڑنا، خوشخبری لانے والی ہواؤں کو بھیجنا، دو سمندروں کے درمیان پردہ حائل کرنا، بے قرار آدمی کی پکار پر اس کی تکلیف کو دور کرنا، ابتداء پیدا کر کے موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا، آسمان وزمین سے روزی دینا، یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کرتے ہیں تو عبادت کے لائق اور مستحق بھی وہی ہیں۔

تسلی خاتم الانبیاء ﷺ:

﴿اِنَّكَ لَا تُسَبِّحُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسَبِّحُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ (۸۰)﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل دعوت سے کفار نہ مانتے تو آپ غمزدہ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے کہ اے پیغمبر! ان کو سنانا آپ کے ذمہ ہے، آپ سنا سکتے ہیں لیکن منوانا آپ کے بس میں نہیں ہے، اس لیے ان کے نہ ماننے پر آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں۔ جس طرح قبر میں آپ کسی مردے کو سنا دیں تو اس کے سننے کا اس کو کچھ فائدہ نہیں، اسی طرح اگر زندہ کفار بات سنیں اور قبول نہ کریں تو یہ بھی فائدہ نہ اٹھانے میں مردوں کی طرح ہیں۔

اس آیت میں زندہ کفار کو مردوں اور بہروں کے ساتھ عدم انتفاع میں تشبیہ دی ہے۔ لہذا اس آیت

سے یہ ثابت کرنا کہ مردے نہیں سنتے، درست نہیں۔

علامتِ قیامت؛ دابة الارض کا نکلنا:

﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (۸۲)﴾

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں کے پاس آ پہنچے گا یعنی قیامت قریب ہوگی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا۔ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عجیب الخلق جانور کو زمین سے نکالیں گے جو لوگوں سے بات کرے گا۔

سورة القصص

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام ”سورة القصص“ رکھا گیا ہے۔

اس سورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے اور آپ کی رسالت پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ سورت کے آغاز سے لے کر آیت نمبر 43 تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

﴿تَتْلُوَ عَلَيْهِمْ نَبَأَ مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۳)﴾

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالکل ابتدائی حالات و واقعات بیان ہو رہے ہیں۔ فرعون کو کسی نجومی نے کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری سلطنت کے لیے خطرہ ہوگا۔ اسی لیے فرعون نے بچوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔

ام موسیٰ کی طرف پیغام خداوندی:

﴿وَ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفَتْ عَلَيْهِ فَالْقَيْنِي فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا

تَحْزَنِي... (۷) ﴿﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ جب تمہارا بچہ پیدا ہو جائے تو اسے دودھ پلاتی رہنا، جب کوئی خطرہ محسوس ہو تو اس بچے کو دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا مت، نہ ہی غمگین ہونا۔ ہم اس بچے کو تمہارے پاس ضرور بالضرور پہنچائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تسلی دی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہ آپ کا بچہ آپ کی گود میں پلے گا، اس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ قتل نہیں ہوگا۔ چنانچہ والدہ نے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا۔ فرعون کے لوگوں نے اسے اٹھا کر فرعون کے پاس پہنچا دیا۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے اسے آمادہ کر لیا کہ اسے ہم اپنا بیٹا بنا کر پالتے ہیں۔

پھر آگے پورا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کا مسئلہ پیش آیا تو آپ نے کسی بھی عورت کا دودھ نہ پیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تجویز کے مطابق ام موسیٰ کو دودھ پلانے کے لیے لایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کا دودھ قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے پاس لوٹا دیا گیا۔

قبطی کا قتل:

﴿وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ ۚ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَ

هَذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۚ... (۱۵) ﴿﴾

ایک قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا ہو رہا تھا تو اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی کو مصری قبطی کے ظلم سے بچانے کے لیے مصری قبطی کو ایک مگامارا، وہ تاب نہ لاسکا اور مر گیا۔ دوسرے دن وہی اسرائیلی کسی اور سے لڑ رہا تھا۔ اس نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے بلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم ہی شریر لگتے ہو۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری قبطی کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اسے مارنے سے روک سکیں تو اسرائیلی سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام اسے مارنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہیں تو اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جیسے کل تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا؟

خیر خواہ کی آمد:

﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يُمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ آمَتُوا نَبِيَّكَ لِيُقْتُلَكَ فَاخْرُجْ
إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ (۲۰)﴾

ایک شخص شہر کے دور دراز علاقے سے دوڑتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کہ اے موسیٰ! سردار لوگ آپ کے قتل کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں۔ کہیں وہ آپ کو قتل نہ کر دیں، میں آپ کا خیر خواہ ہوں، لہذا آپ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔

مدین کی طرف روانگی:

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَنِ... (۲۳)﴾

اس خیر خواہ کے کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین؛ جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی تھی؛ کی طرف چل پڑے اور فرمایا: امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔

جب وہ مدین کے کنویں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے جانوروں کو روکا ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ انہوں نے جا کر گھر اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کو پورا واقعہ سنایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت:

﴿فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ... (۲۵)﴾

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بلوالیا اور تسلی دی کہ آپ خوف نہ کریں کیونکہ آپ ظالم لوگوں سے بچ آئے ہیں۔ ایک بیٹی نے درخواست کی کہ ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں۔ کیونکہ بہترین اجیر وہ ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو۔ وہ یہ دونوں صفات حضرت موسیٰ علیہ السلام میں دیکھ چکی تھیں۔

معاہدہ اور نکاح کی پیش کش:

﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَجَجٌ... (۲۷)﴾

حضرت شعیب علیہ السلام نے از خود پیش کش کی کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے آپ کا نکاح کر دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آٹھ سال تک میرے پاس کام کریں اور اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کا معاملہ ہے، ہماری طرف سے آپ کو مجبور نہ کیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں (نکاح، معاہدہ اجرت) کو قبول کر لیا اور فرمایا کہ دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کروں، مجھ پر کوئی زبردستی نہیں۔

ہمارے معاشرے میں لڑکے والے لڑکی والوں سے جا کر رشتہ مانگتے ہیں اور اس چیز کو معاشرے میں لوگ عیب بھی نہیں سمجھتے لیکن اگر کہیں کوئی لڑکی والا خود لڑکے والوں سے اپنی لڑکی دینے کی بات کرے تو لوگ معاشرے میں اسے عیب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کی رو سے دوسری صورت اختیار کرنے میں بھی کوئی عیب نہیں بلکہ اگر کبھی نیک اور دین دار لڑکا مل جائے تو لڑکی والوں کے لیے ایسے لڑکے کو اپنا داماد بنانے کے لیے پہل کرنا مستحسن ہے۔ جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر واپسی اور عطائے نبوت:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا... (۲۹)﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے بیوی کو ہمراہ لے کر مصر واپس روانہ ہوئے۔ رات سرد اور اندھیری تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی امید سے تھیں۔ ان کو دردِ زہ شروع ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس چقماق تھا کہ پتھر کو پتھر پر مارتے تو آگ نکلتی لیکن کوشش کے باوجود اس سے آگ نہ نکلی۔ آپ نے دور سے دیکھا کہ ایک جگہ آگ ہے تو بیوی کو بتا کر آگ لینے کے لیے چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو وہ آگ نہیں بلکہ تجلی الہی تھی، جس سے درخت چمک رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، آپ اپنے جوتے اتار دیں کیونکہ آپ اس وقت طوئی کی مقدس وادی میں ہیں۔ پھر اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور معجزات بھی عطا فرمائے۔ حکم دیا کہ فرعون کے پاس جائیے تو آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے اپنا معاون بنوایا۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت پر دلائل:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (٤٤)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں اور جس مقام پر یہ واقعات (کوہ طور کے مغربی جانب تورات کا دیا جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرصہ دراز تک مدین میں رہنا، مدین سے واپسی پر نبوت کا ملنا) پیش آئے ہیں وہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے۔ لیکن آپ پھر بھی من وعن تفصیل کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعات آپ کو وحی الہی کے ذریعے بتائے گئے ہیں اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔

دوہرہ اجر:

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرُهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَ يَدْرَعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

يُنْفِقُونَ﴾ (٥٤)

اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو پہلے اپنے نبیوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لائے؛ ان اہل کتاب کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ ان کو دوہرہ اجر ملے گا:

☆ اس لیے کہ دین موسوی اور دین عیسوی چھوڑ کر دین اسلام کو اختیار کیا۔

☆ پھر اپنے لوگوں کی تکلیف دہ باتیں سن کر صبر کیا۔

مختارِ کل صرف اللہ تعالیٰ ہیں:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (٥٦)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا آخری وقت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی کوشش کی کہ وہ کلمہ پڑھ کر ہدایت پا جائیں حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے چچا! میرے کان میں کلمہ پڑھ لیں، قیامت کے دن آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا، لیکن ہدایت ان کے مقدر میں نہیں تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے میرے محبوب! آپ جس کو ہدایت دینا چاہیں نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرماتا ہے اور اللہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

قارون کا قصہ اور انجام:

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ... (٧٦)﴾

قارون، بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد تھا۔ اس کے پاس مال اتنا زیادہ تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں اونٹ اٹھاتے تھے۔ یہ فرعون کا خاص آدمی تھا اور اس کی طرف سے بنی اسرائیل پر نگران مقرر تھا۔ جب بنی اسرائیل فرعون کے تسلط سے نکل آئے تھے تو یہ بھی بنی اسرائیل کے ساتھ آیا۔ اسے اپنے مال و جائیداد پر بہت ناز تھا۔ یہ فخر و تکبر سے اونٹوں پر مال لاد کر نکلتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے اپنے فن سے مال کمایا ہے۔ ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس کے مال سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

وعدہ خداوندی:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى مَعَادٍ ۖ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (٨٥)﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما کر چلے، جب مقام جُحَفَہ پر پہنچے جو مدینہ کے راستے کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے، اس وقت مکہ مکرمہ کے راستے پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا۔ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ اللہ کے نبی! جس خدا نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے وہ اللہ آپ کو مکہ دوبارہ لائے گا۔

یہ وعدہ خداوندی یوں پورا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن 8 ہجری میں فاتح بن کر اپنے آبائی وطن مکہ المکرمہ میں داخل ہوئے۔

سورة العنكبوت

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں مکڑی کا ذکر کر کے مشرکین کو مکڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جیسے وہ کمزور گھربنا کر اس پر

بھروسہ کرتی ہے اسی طرح مشرکین بھی غیر اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کا نام ”سورۃ العنکبوت“ رکھا گیا ہے۔

یہ سورت مکی ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور قیامت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ سابقہ اقوام کے واقعات ذکر کر کے اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ اہل ایمان پر پہلے آزمائشیں آتی ہیں، پھر آسانیاں آتی ہیں۔ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے معتدل اصول بیان کیا گیا ہے۔ اگر مؤمنین پر کسی جگہ میں دین پر چلنا اور عمل کرنا مشکل ہو جائے تو ہجرت کر کے اس علاقے کو چھوڑنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے۔

مؤمنین پر آزمائش:

﴿أَحْسِبِ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (۲)

یہ وہ زمانہ تھا جب کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات مسلمان پریشان ہو جاتے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے مدد کی دعا فرمائیں۔ یہاں مؤمنین کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جنت تمہارے لیے تیار فرما رکھی ہے وہ اتنی سستی نہیں کہ تکلیفوں کے بغیر حاصل ہو جائے، لہذا تکلیفیں آئیں گی لیکن وہ عارضی ہوں گی، بہت جلد ختم بھی ہو جائیں گی لہذا تسلی رکھو، صبر سے کام لو۔ انہی آزمائشوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز فرمائیں گے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا

تُطِعْهُمَا....﴾ (۸)

دین اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایسا بھی ہوا کہ اولاد اسلام لے آتی لیکن والدین کفر پر بضد رہتے اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک معتدل اور برحق اصول عطا فرمایا کہ والدین کا فر بھی ہوں تب بھی ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان سے حسن سلوک کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ کفر کا حکم دیں یا ایسا کوئی حکم دیں جو شریعت کے خلاف ہو تو اس میں والدین کی اطاعت نہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔

آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ... (۱۲)﴾

بعض کفار ایسے تھے جو اہل ایمان سے کہتے کہ تم ایمان چھوڑ کر واپس کفر اختیار کر لو، اگر قیامت کے دن مواخذہ ہو تو ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے۔ اس آیت میں کفار کی اس لغو اور فضول پیش کش کی بھرپور تردید کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائے گا، کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا... (۱۴)﴾

یہاں سے کئی آیات تک چند انبیاء کرام (نوح، ابراہیم، اسحاق لوط اور شعیب) علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی گئی ہے کہ سابقہ امتوں کو بھی پہلے آزمائش کا سامنا کرنا پڑا پھر بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان آزمائشوں کو ختم کر کے اہل ایمان کو فتح اور غلبہ عطا فرمادیا۔

سابقہ امتوں کا انجام:

﴿فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَثِينَ (۳۷)﴾

یہاں سے اللہ تعالیٰ ان سابقہ امتوں اور افراد (قوم ثمود، قوم عاد، قارون، قوم نوح، قوم لوط اور قوم شعیب) کا انجام ذکر فرما رہے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اس میں کفار و مشرکین کو تنبیہ ہے کہ اگر تم بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی یہی ہو گا۔

مشرک کی مثال:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعُنْكَبُوتِ إِتَّخَذَتْ بِئْتًا... (۴۱)﴾

مشرک کی مثال دی کہ جس طرح مکڑی جالاتن کر اس پر بھروسہ کر لیتی ہے اسی طرح مشرک بھی حقیقی خداوند قدوس کو چھوڑ کر دیگر معبودان باطلہ کو اپنا رکھوالا بنالیتا ہے۔ جس طرح مکڑی کا جالا انتہائی کمزور ہوتا ہے اسی طرح معبودان باطلہ بھی بے بس اور لاچار ہوتے ہیں اور کفار کو کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

پارہ نمبر 21

مبلغ دو چیزوں کا اہتمام کرے:

﴿اُنْثُلُ مَا اَوْحٰی اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلِذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (۴۵)﴾

دین کی دعوت دینے والے داعی اور واعظ کو دو چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ قرآن کریم کی تلاوت اور نماز کا اہتمام۔ صرف نماز پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ نماز کا اہتمام ضروری ہے۔ نماز انسان کو فحش اور منکر سے روک دیتی ہے۔ ”منکر“ ایسے گناہ کو کہتے ہیں جس کے حرام ہونے پر دلیل شرعی ہو، اور ”فحشاء“ اس گناہ کو کہتے ہیں جس کو ہر عقل مند شخص برا اور نامناسب سمجھے۔

بسا اوقات بندہ نماز پڑھتا ہے اور پھر بھی گناہ نہیں چھوڑتا۔ اس آیت کا معنی یہ نہیں ہے کہ نماز بندے سے اس کے گناہ چھڑوا دیتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز گناہوں سے روکتی ہے۔ روکنا اور ہے، چھڑوانا اور ہے۔ نماز پورے آداب کے ساتھ ہو تو پھر گناہوں سے روکتی ہے۔

ہجرت کا حکم:

﴿لِیَعْبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اَرْضِیْ وَاَسْعٰۤہُ فَاٰیٰتِیْ فَاَعْبُدُوْنِ (۵۶)﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دین پر چلنا دشوار تھا تو پہلے انہیں صبر و استقامت کی تعلیم دی گئی۔ یہاں فرمایا کہ اگر ایک جگہ رہتے ہوئے دین پر عمل اور اللہ تعالیٰ کی عبادت مشکل ہو تو ہجرت کر کے کسی ایسے علاقے کی طرف چلے جائیں جہاں دین پر چلنا آسان ہو، اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے۔

ہجرت کرنے پر شبہ کا ازالہ:

﴿وَكَآیْنٌ مِّنْ دَآۤیْبَةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاٰیَاكُمْ ۗ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۶۰)﴾

اس آیت میں ایک شبہ کا ازالہ بھی کر دیا کہ ہجرت کے وقت کسی کے ذہن میں آسکتا ہے کہ یہاں تو روزگار کی ترتیب بنی ہوئی ہے جب دوسرے علاقے میں ہجرت کر کے جائیں گے تو وہاں روزگار کی ترتیب کیسے بنے گی؟ اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق ساتھ اٹھا کر نہیں چلتے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق دیتا ہے۔ تو کیا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مرضی کے لیے اپنا وطن چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں رزق نہیں دیں گے؟

مشرکین کی مصیبت کے وقت پکار:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ (٦٥)﴾

مشرکین جب کشتی میں سوار ہوتے اور پھنس جاتے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کو اخلاص کے ساتھ پکارتے۔ مشرک بھی سمجھتے تھے کہ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ چونکہ یہ دعا اخلاص سے ہوتی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو نجات عطا فرمادیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مؤمن ہو جاتے تھے بلکہ اس گھڑی میں ان کا عقیدہ یہ ہوتا تھا کہ اس مشکل سے خدا کے علاوہ ہمیں کوئی نہیں نکال سکتا۔ اللہ تعالیٰ بچا لیتے۔ یہ لوگ پھر شرک شروع کر دیتے۔ ان کی اس بری عادت اور احسان فراموشی کو ذکر کر کے ان پر رد کیا گیا ہے۔

مشکلات سے ہارنا نہیں چاہیے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَكَنَ الْمُحْسِنِينَ (٦٩)﴾

جو شخص ہمارے دین کے راستے میں مشقت برداشت کرے اور محنت کرے، ہم اس کے لیے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

یہ آیت دین پر چلنے والوں کے لیے بڑی خوشخبری ہے کہ جب انسان ہمت نہ ہارے بلکہ مسلسل کوشش و محنت میں لگا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات دور فرما کر راستے کھول دیتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ سُبُل؛ سبیل کی جمع ہے، اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک راستہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے کئی راستے ہیں۔ تو دین کو ایک خاص ہیئت یا مخصوص محنت میں محدود کرنا بہت بڑا ظلم ہو گا۔ اس لیے میں یہ بات اکثر سمجھایا کرتا ہوں کہ مجموعہ نبوت نے تین کام کیے ہیں:

3: نفاذ دین

2: دفاع دین

1: اشاعت دین

اور ان کاموں کے لیے چار طریقے اختیار فرمائے ہیں:

4: جہاد

3: مناظرہ

2: تحریر

1: تقریر

سورة الروم

وجہ تسمیہ:

اس سورت کے آغاز میں ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کی فتح کی پیش گوئی کی گئی جو سات سال بعد پوری ہوئی، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة الروم“ ہے۔

سورت روم مکی ہے۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور قیامت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

شروع سورت میں ایک عظیم پیش گوئی کی گئی ہے جس میں دو خوشخبریوں کا ذکر تھا۔ ایک یہ کہ کچھ سالوں بعد اہل روم [جو اہل کتاب عیسائی تھے] کو ایرانیوں [جو آتش پرست تھے] پر فتح نصیب ہوگی۔ اسی دن مسلمانوں (اہل قرآن) کو مشرکین پر فتح کی صورت میں خوشی نصیب ہوگی۔

اہل روم کے لیے فتح کی پیش گوئی:

﴿الْمَدَّ (۱) غُلِبَتِ الرُّومُ (۲) فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ (۳)﴾

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ دنیا میں دو سپر پاورز آمنے سامنے تھیں: ایک روم، دوسری ایران۔ روم کے ہر بادشاہ کو ”قیصر“ کہا جاتا تھا۔ ایران کے ہر بادشاہ کو ”کسریٰ“ کہا جاتا تھا۔ رومی؛ اہل کتاب عیسائی تھے اور ایرانی؛ آتش پرست مجوس تھے۔ ایران مسلسل روم کو شکست دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ادھر مکہ میں بت پرست مشرکین کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں۔ جب وہ کسی شہر کو فتح کرتے تو مکہ کے مشرکین؛ مسلمانوں کو چڑاتے کہ دیکھو ہمارے ایرانی بھائی مسلسل اہل روم کے مقابلے میں فتح حاصل کر رہے ہیں۔

اس وقت یہ سورت نازل ہوئی جس میں دو پیش گوئیاں کی گئیں۔ پہلی یہ کہ چند سالوں میں اہل روم اہل ایران پر غالب آجائیں گے۔ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائیں گے اور مسلمان بھی اس سے خوش ہو جائیں گے۔ اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا اس وقت بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی وجہ سے مشرکین کے سردار ابی بن خلف نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سو سو اونٹوں کی شرط لگائی تھی کہ اگر آئندہ نو سالوں

میں اہل روم غالب آگئے تو میں سواونٹ دوں گا وگرنہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) دیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس شرط کو قبول فرمایا اس وقت تک اس طرح دو طرفہ شرط کی حرمت نہیں آئی تھی۔

اس سورت کے نزول کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس پیش گوئی کو پورا فرمایا۔ قیصر روم ہرقل نے کسریٰ ایران پر پلٹ کر حملہ کیا جس میں قیصر کو فتح ہوئی۔ یہ وہی سال ہے جس میں غزوہ بدر ہوا تھا۔ یوں دونوں پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ ابی بن خلف مرچکا تھا۔ اس کے بیٹوں نے شرط کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سواونٹ دیے۔ اُس وقت دو طرفہ شرط کی حرمت آچکی تھی اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان اونٹوں کو صدقہ کر دیں۔

پنج وقتہ نمازوں کا ثبوت:

﴿فَسُبْحَنَّ اللَّهَ حِينَ تُسْوَنَ وَ حِينَ تُصْبِحُونَ (۱۷) وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ عَشِيًّا وَ حِينَ تُظْهِرُونَ (۱۸)﴾

اس آیت سے پانچ نمازوں کا اشارہ نکلتا ہے۔ ﴿حِينَ تُسْوَنَ﴾ میں مغرب اور عشاء دونوں شامل ہیں، ﴿حِينَ تُصْبِحُونَ﴾ میں فجر کی نماز ہے، ﴿عَشِيًّا﴾ میں عصر کی نماز ہے اور ﴿حِينَ تُظْهِرُونَ﴾ میں ظہر کی نماز ہے۔

قدرت باری تعالیٰ کی نشانیاں:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ (۲۰)﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾ ♦

اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا﴾ ♦

اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس جا کے سکون حاصل کرو۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ اخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَ أَلْوَانِكُمْ﴾ ♦

اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش، زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ♦

رات اور دن کا ایک ایک حصہ نیند اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ ♦

بجلی کی چمک سے ڈر اور امید دونوں ہوتی ہیں۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾ ♦

آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہیں۔

آخر میں بعث بعد الموت کو بیان فرمایا کہ ابتدا میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ بھی

اللہ تعالیٰ ہی اٹھائے گا۔

انسانی اعمال کا اثر:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (٤١)

انسانوں نے جو اعمال خود کیے اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلتا ہے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو بھی تکلیف، مصیبت یا طوفان آتا ہے اس کی وجہ انسانی

اعمال ہیں۔ اس کے پیش نظر ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء پر جو تکلیفیں آتی ہیں

کیا ان کا سبب بھی ان کے اعمال ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ مصیبت ہر حال میں انسانی اعمال کی

وجہ سے آئے، مصیبت کے آنے کا سبب کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ مصیبت یا تکلیف انسانی اعمال کے بجائے کسی اور

سبب سے بھی آسکتی ہے اور آیت اس کی نفی بھی نہیں کر رہی۔ بغیر گناہ کے کسی کو کوئی مصیبت یا تکلیف پیش آجائے

جیسے انبیاء و اولیاء کو جو مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں، یہ ان کی آزمائش ہوتی ہے اور اسی آزمائش کے ذریعے ان کے

درجات کو بلند کیا جاتا ہے۔

سورة لقمن

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں چونکہ حضرت لقمان حکیم کی نصائح کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں، اسی لیے اس سورت کا نام بھی انہی کے نام ”سورة لقمن“ پر رکھا گیا ہے۔

قرآن کریم کی اشاعت کا راستہ روکنا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ... (٦)﴾

نضر بن حارث ایک مشرک تھا اور تجارت کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا۔ یہ شخص وہاں سے پرانے بادشاہوں کے قصوں اور کہانیوں پر مشتمل کتابیں یا گانا گانے والی کنیز خرید کر لاتا۔ اہل مکہ کو جمع کر کے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں پرانے وقت کی کہانیاں، عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں تو میں تمہیں اس سے بھی زیادہ مزیدار کہانیاں سناتا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ قرآن کریم نہ سنیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا سے غافل کرنے والی باتوں کو خرید لیتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو خدا کے راستے سے بھٹکا دیں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ... (١٢)﴾

حضرت لقمان کو حکمت عطا کی گئی تھی۔ وہ توحید پرست تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کو ظلم عظیم قرار دیتے تھے۔ حضرت لقمان نبی نہیں تھے، بلکہ ایک نیک اور برگزیدہ آدمی تھے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں فرمائیں: بیٹا! شرک نہ کرنا، شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اسے حاضر کر دے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم کا قائل رہنا۔ نماز کی پابندی کرنا۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ لوگوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش نہ آنا۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلنا۔ میانہ روی کے ساتھ چلنا۔ اپنی آواز کو پست رکھنا۔

پانچ چیزوں کا علم:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْضِ حَامٍ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَاتُكَسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (۳۴)

یہاں پانچ چیزوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عام طور پر لوگ انہی پانچ چیزوں کے بارے میں بات کرتے ہیں، نجومیوں سے انہی کے بارے میں پوچھتے ہیں، اندازے انہی کے بارے میں لگاتے ہیں۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں:

قیامت کا علم، بارش کب ہوگی، ماداؤں کے پیٹ میں کیا ہے، انسان کیا کمائے گا اور کہاں مرے گا۔ مذکورہ پانچوں چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ان کے علم کو ”مفتاح الغیب“ یعنی غیب کی کنجیاں بھی کہا جاتا ہے۔

سورة السجدة

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں آیت سجدہ اور سجدہ کا ذکر ہے، اسی وجہ سے اس کا نام ”سورة السجدة“ رکھا گیا ہے۔

اس سورت میں دین اسلام کے بنیادی ارکان توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں اس سورۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

آسمان وزمین کی تخلیق:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ...﴾ (۴)

اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا۔ چھ دنوں سے مراد چھ دنوں کی مقدار ہے کیونکہ اس وقت تو دن رات ہوتے ہی نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوئے۔ یہ متشابہات میں سے ہے اور استواء علی العرش کا حقیقی معنی ہم نہیں جانتے بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

”استوی علی العرش“ پر مدلل بحث کے لیے میری مرتب کردہ فائل ”توحید باری تعالیٰ“ کا مطالعہ فرمائیں۔

ملاقات کا ہونا یا کتاب کا ملنا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهِ ...﴾ (۲۳)

اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی ہے اور آپ کو قرآن کریم دیا ہے۔ ﴿فَلَا تَكُنْ فِي مَرْيَةِ مَنْ لَقَّاهُ﴾ یہ قرآن ہماری طرف سے ہے اس قرآن میں آپ نے شک نہیں کرنا! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے قرآن ہونے میں کوئی شک نہیں تھا لیکن بسا اوقات اس پر مزید پختہ رہنے کے لیے اللہ پاک ایسی بات ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک معنی مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی اور آپ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوگی، آپ اس ملاقات میں شک نہ کیجیے گا، یقین رکھیے گا کہ آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ ملاقات معراج کی رات آسمانوں پر ہوئی ہے۔

مقتداء کے لیے دو شرطیں:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اٰیٰةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِ نَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (۲۴)﴾

اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کا مقتدا اور امام الہدیٰ بناتے ہیں اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

1: کمال علمی 2: کمال عملی

﴿لَمَّا صَبَرُوْا﴾ یہ کمال عملی ہے۔ صبر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ طاعات پر بھی صبر کرنا، گناہوں سے رکنے پر بھی صبر کرنا اور مشقت آئے تو برداشت کرنا۔ کمال عملی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟

﴿وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ آیات پر یقین رکھنا۔ یقین وہی کرے گا جس کے پاس علم اور فہم ہو، یہ کمال

علمی ہے۔

سورة الاحزاب

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں غزوہٴ احزاب کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام ”سورة الاحزاب“ رکھا گیا ہے۔ یہ سورت مدنی دور میں نازل ہوئی۔ اس میں چند اہم چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔ متنبیٰ یعنی لے پاؤں کے

احکام، غزوہ احزاب، غزوہ بنی قریظہ، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن، ختم نبوت، پردہ کے احکام وغیرہ۔

تین رسومات کی تردید:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦٓ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلٰهِي تَظْهَرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتُكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ۚ... (۴)﴾

عرب میں تین باتیں بہت مشہور تھیں:

- ◆ ایک بات یہ تھی کہ جو آدمی سمجھ دار ہوتا تو لوگ اس کے بارے میں کہتے کہ اس کے دودل ہیں۔
- ◆ دوسری بات یہ تھی کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو "تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت" کہہ دیتا تو وہ اپنی بیوی کو ماں کی طرح ہمیشہ حرام سمجھتا۔

- ◆ تیسری بات یہ تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو وہ اسے ایسے سمجھتا جیسے حقیقی بیٹا ہو، میراث میں شریک کرتا، اس کی بیوی سے اس کی طلاق یا وفات کے بعد نکاح کو حرام سمجھتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں تینوں رسومات کی تردید فرمائی کہ جس طرح کسی انسان کے سینے میں دودل نہیں ہو سکتے اسی طرح انسان کی دو قسم کی مائیں نہیں ہو سکتیں کہ ایک تو سگی ہو اور دوسری ظہار کی ہوئی بیوی ماں بن جائے۔ اسی طرح انسان کے دو قسم کے بیٹے بھی نہیں ہو سکتے کہ ایک اس کا حقیقی بیٹا ہو اور دوسرا منہ بولا بیٹا بن جائے۔

آپ ﷺ جان سے زیادہ عزیز:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوَّلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ ۚ... (۶)﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مؤمنین کو ان کی اپنی جانوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مؤمنوں کی مائیں ہیں۔ اس کے باوجود بھی مسلمانوں کی وراثت کا مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ مؤمنین کے اپنے قریبی رشتے داروں میں تقسیم ہوتا ہے۔ تو پھر متبنیٰ کو کیسے وراثت مل سکتی ہے۔

غزوہ خندق کا واقعہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ

جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا... (۹) ﴿

یہاں سے لے کر آیت نمبر 27 تک غزوہ احزاب کا مختلف پہلوؤں سے تذکرہ چل رہا ہے۔ مشرکین مکہ نے احد و بدر میں ناکامی کے بعد عرب کے مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جمع کر کے بارہ سے پندرہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور مدینہ منورہ پر حملے کی نیت سے نکلے۔ ادھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع مل گئی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق مدینہ منورہ کے باہر خندق کھودی گئی۔ مشرکین نے تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ کیا۔ بالآخر خدائی مدد سے تیز آندھی چلی جس سے مشرکین بھاگ گئے۔ مدینہ سے یہود بنی قریظہ نے عہد شکنی کی تو غزوہ خندق سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق ان کے مردوں کو قتل کیا گیا اور ان کے نابالغ بچوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا گیا۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا بھی ذکر فرمایا ہے جنہوں نے حیلے بہانے کر کے غزوہ میں شریک ہونے سے عذر پیش کیا تھا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکر:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَ

أَسْرَحُكُنَّ سَرَاحًا جَبِينًا﴾ (۲۸) ﴿

اس آیت کو ”آیتِ تجئیر“ بھی کہتے ہیں۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ خندق اور جنگ بنی قریظہ کی فتوحات کے بعد نفقہ بڑھانے کا ایک جائز مطالبہ کیا تھا۔ لیکن یہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان کے لائق نہیں تھا۔ اس لیے ان آیات کو نازل کر کے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں اور اپنی اس سوچ کو بدلیں، اور اگر دنیا کی زیب و زینت کو اختیار کرنا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی اختیار کر لیں لیکن انہوں نے پہلی صورت اختیار کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ساتھ رہیں گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

پارہ نمبر 22

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہدایات:

﴿يُنْسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (۳۲)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقام کو بیان فرمایا کہ ان کا مقام و مرتبہ دیگر عورتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اگر وہ تقویٰ اختیار کریں گی تو ثواب بھی دوگنا ملے گا، اگر گناہ کریں گی تو عذاب بھی دوگنا ملے گا۔ یہاں انہیں چھ ہدایات بھی دی ہیں:

1: اگر کوئی بندہ مسئلہ پوچھنے آئے تو جان بوجھ کر نزاکت سے بات نہ کریں، ورنہ وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے اس کے دل میں طمع پیدا ہوگی۔

2: اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہیں۔

3: قدیم جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھریں۔

4: نماز کی پابندی کیا کریں۔

5: زکوٰۃ ادا کیا کریں۔

6: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کریں۔

مذکورہ ہدایات اگرچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہیں لیکن اس میں دیگر تمام مسلمان عورتیں بھی شامل ہیں۔

اہل بیت میں کون کون شامل ہیں؟

﴿اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (۳۳)

مذکورہ ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ اور نتیجہ یہ ہو گا کہ ازواجِ مطہرات سے اللہ تعالیٰ گندگی کو دور رکھ کر ایسی پاکیزگی عطا فرمائیں گے جو ہر طرح سے مکمل ہوگی۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اہل بیت میں پہلے پیغمبر کی بیویاں، پھر پیغمبر کی اولاد، پھر اولاد کی اولاد اور پھر داماد شامل ہیں۔ اس آیت کے ماقبل اور مابعد سے معلوم ہو رہا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو اہل بیت کا براہ راست مصداق ہیں، جبکہ عموم الفاظ اور صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق چاروں بنات (حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن) اور ان کی اولاد، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں داماد بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔

اس آیت کی مزید تفصیل، اہل بیت کا مصداق اور اعتراضات کے جوابات میری کتاب "دروس القرآن" میں اسی مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

حکم خدا اور حکم مصطفیٰ کے سامنے سر تسلیم خم:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ (۳۶)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ کرنا چاہا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار گزری کیونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلام تھے جبکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا قریشی خاندان سے تھیں۔ ظاہر ہے کہ اونچے خاندان والی عورت کا ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرمادیں تو پھر کسی مؤمن اور مؤمنہ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اس فیصلہ کو قبول نہ کریں۔ اس آیت کے نزول کے بعد دونوں (بہن بھائی) نے سر تسلیم خم کیا اور نکاح پر راضی ہو گئے۔ رضی اللہ عنہما

حضرت زید و زینب علیہما السلام کا واقعہ:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ...﴾ (۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب

رضی اللہ عنہا سے کرادیا۔ چونکہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اونچے خاندان سے تھیں اور حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے اس لیے ان کی آپس میں آن بن رہتی تھی۔ بالآخر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق دینے کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈریں طلاق نہ دیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے آگاہ فرمادیا تھا کہ طلاق ہوگی، اس کے بعد آپ حکم خداوندی سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کریں گے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اظہار نہیں فرما رہے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہونے سے مخالفین کو اعتراضات کا موقع مل جاتا کہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس رسم کو مٹانا تھا کہ منہ بولا بیٹا احکامات میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طلاق کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب سے نکاح ہو گیا۔

اگلی آیت میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے نسبى باپ نہیں؛ لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

عقیدہ ختم نبوت:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ... (٤٠)﴾

اہل اسلام کے عقیدہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننا بھی ضروری ہے اور آخری نبی ماننا بھی ضروری ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ مانے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو نبی مانے مگر آخری نبی نہ مانے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی پانچ صفات:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (٤٥)﴾

یہاں دو آیات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنی امت یادگیر انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر گواہی دیں گے جب گزشتہ امتیں اپنے نبیوں کی تکذیب کریں

گی۔ بشارت دینے والے ہیں، ڈرانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے ہیں اور ایسے چراغ ہیں جو امت کو روشنی دیتے ہیں۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیات:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَتِكَ وَبَنَاتِ خَالَكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ... (۵۰)﴾

یہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ایک خصوصیات بیان ہو رہی ہیں۔

[1]: چار سے زائد بیویاں آپ کے لیے حلال ہیں۔

[2]: مال فنی میں جو باندی آپ کی ملکیت میں آجائے تو وہ آپ کے لیے حلال ہے، خصوصیت اس طرح ہے کہ تقسیم سے پہلے آپ کسی باندی کو لے سکتے ہیں۔

[3]: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چچا کی بیٹیاں، پھوپھی کی بیٹیاں، ماموں کی بیٹیاں اور خالہ کی بیٹیاں صرف وہ حلال ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔

[4]: اگر کوئی ایمان والی عورت اپنے آپ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ کرے بغیر حق مہر کے اور پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کرنا چاہیں تو نکاح ہو سکتا ہے۔

کھانے کی دعوت کے آداب:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظَرٍ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ... (۵۳)﴾

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کیا اور لوگوں کو بلایا تو بعض احباب کھانا تیار ہونے سے پہلے آگئے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تو چھوٹا سا تھا، بٹھانے کی جگہ نہیں تھی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئیں۔

کھانا کھا لیا گیا لیکن بعض لوگ نہیں اٹھے اور وہیں پر باتیں کرنے کے لیے جم کر بیٹھ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار گزرا تو آپ اٹھ کر باہر تشریف لے گئے۔ آپ جب واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ پھر بھی بیٹھے

ہوئے تھے۔ اس سے آپ کو ناگواری ہوئی تو ان لوگوں کو احساس ہوا اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔

اس آیت میں فرمایا کہ تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

♦ جن کو کھانے پر بلایا جائے صرف وہ آئیں۔

♦ کھانے سے پہلے جا کر نہ بیٹھیں، اس سے میزبان کو مشغول ہونا پڑتا ہے۔

♦ کھانا کھا کر چلے جایا کریں، وہاں بیٹھے نہ رہیں۔

آج بھی ان آداب کی رعایت ضروری ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح کی حرمت:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا...﴾ (۵۳)

اس آیت سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح کی حرمت؛ نص قطعی سے ثابت ہو رہی ہے۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ طبعی اور فطری بات ہے کہ جو غیور آدمی ہے وہ اپنی منکوحہ کو خواہ طلاق دے دے، کسی اور کو اس کا شوہر بننا اسے طبعاً ناگوار گزرتا ہے۔ عام بندے کی طبعی ناگواری کا خیال نہیں رکھا گیا لیکن پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طبعی تقاضے کا اللہ تعالیٰ نے خیال فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز دیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے کبھی نکاح نہ کرنا کہ اس سے نبی کو طبعاً ناگواری محسوس ہوگی۔

پردے کا حکم:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ...﴾ (۵۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور ایمان والی عورتوں سے

فرمائیں کہ وہ پردہ کریں۔ اس آیت سے پردہ کا حکم ثابت ہو رہا ہے۔ یہ حکم صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام ایمان والی عورتوں کو حکم ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلیں تو بڑی چادر اوڑھ لیں۔

ایسی چادر ہونی چاہیے جس سے جسم کی ساخت چھپ جائے۔ چادر ہو یا برقع؛ دونوں میں اس چیز کا خیال رکھنا ضروری

ہے۔

انسان؛ بارِ امانت کا حامل

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (۷۲)

”امانت“ سے مراد شریعت ہے۔ اللہ رب العزت نے امانت یعنی عقائد اور اعمال دونوں پیش فرمائے آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر اور ساتھ اختیار دیا کہ تم چاہو تو لے لو اور چاہو تو نہ لو۔ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور نوع انسانی نے اس کو اٹھالیا۔

سورة سبا

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں قوم سبا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے اس سورت کا نام ”سورة سبا“ رکھا گیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۚ لِيَجِبَالَ أُورِي مَعَهُ وَالطَّيْرِ ۚ وَآلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ﴾ (۱۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حسن صوت عطا فرمائی تھی۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح و ذکر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر تسبیح کریں۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے نرم فرما دیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے اسے موڑ کر زرہ وغیرہ بناتے تھے اور بڑے عمدہ طریقے اور سلیقے سے بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور انعامات:

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۚ وَمِنَ الْجِبِّ مَنَ

يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِأُذُنِ رَبِّهِ ۚ ...﴾ (۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرما دیا تھا۔ وہ اس کے ذریعے دور دراز کا سفر مختصر وقت میں طے کر لیتے تھے۔ تخت ہوا میں اڑتا اور ایک مہینے کی مسافت صرف ایک صبح یا شام میں طے کر لیتا۔ جنات کو

بھی اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا، جیسے چاہتے ان سے کام لیتے۔ تانبے کا چشمہ بھی تھا اس سے برتن وغیرہ بناتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ... (۱۴)﴾

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دن عبادت کے لیے عصا لے کر کھڑے ہو گئے۔ جنات دیکھ رہے تھے کہ آپ عبادت کے ساتھ ساتھ ہماری نگرانی بھی کر رہے ہیں۔ اسی دوران ملک الموت نے باذن اللہ آپ کی روح قبض کر لی۔ آپ علیہ السلام فوت ہو گئے لیکن جنات یہی سمجھتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں اور نگرانی کر رہے ہیں۔ ایک سال تک جنات اپنے کام میں لگے رہے۔ جب تعمیر کا کام مکمل ہوا تو اللہ نے دیمک کے کیڑے کو بھیجا، اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھایا، عصا ٹوٹا تو حضرت سلیمان علیہ السلام زمین پر گر گئے۔ پھر جنات کو پتا چلا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو فوت ہوئے تو ایک سال گزر گیا ہے اور ہم کام میں لگے ہیں۔ اس سے دو باتیں مقصود تھیں: بیت المقدس کا باقی ماندہ کام مکمل ہو جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں۔

قوم سبا کا واقعہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ... (۱۵)﴾

قوم سبا کے رہنے کی جگہ میں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی تھی۔ ملک یمن کے دار الحکومت کا نام ہے ” صنعاء “۔ اس سے تین منزل کے فاصلے پر ایک شہر تھا ”مارب“، اس میں یہ قوم آباد تھی۔ یہ بہت خوبصورت جگہ تھی۔ ان کی سڑکوں کے دونوں طرف پھل دار باغات کے سلسلے تھے جو دور تک چلے گئے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں یہ شہر آباد تھا۔

یہاں کے بادشاہوں نے پہاڑوں کے درمیان میں ایک مضبوط ڈیم بنادیا تھا جس میں پانی کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ کر لیا جاتا تھا۔ پہاڑوں سے آنے والا پانی اور بارشوں کا پانی اس میں ذخیرہ ہوتا تھا۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی ناقدری کی تو اللہ تعالیٰ نے بند توڑنے کے لیے چوہے بھیجے۔ ان چوہوں نے بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا، وہ بند ٹوٹ گیا اور تباہی و بربادی ہو گئی۔

غور و فکر کی دعوت:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلَىٰ وَفَرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُونَ ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ

جَنَّةٍ... (٤٦)﴾

مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان سے فرمائیں کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تعصب اور ضد کو چھوڑ کر انصاف کرتے ہوئے آپس میں مشورہ کرو یا تنہائی میں بیٹھ کر سوچ و بچار کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اندر چالیس سال تک رہے ہیں، ان کے بچپن سے لے کر اب تک کے سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ان کی صداقت و امانت کے تم بھی قائل ہو تو بتاؤ! کیا ایسا شخص مجنون ہو سکتا ہے؟

سورۃ فاطر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ”فاطر“ کا لفظ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورۃ فاطر“ رکھ دیا گیا

ہے۔

سورت فاطر مکی سورت ہے دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین اور کفار کی تکذیب سے پریشان نہ ہوا کریں، آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ کرنا ہے۔

فرشتے قاصد ہیں:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِٓكَ اَجْنَحَةٌ مِّثْلٰی وَثُلُثٌ وَرُبْعٌ... (١)﴾

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنا قاصد بنا کر بھیجا ہے۔ قاصد کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرشتے واسطہ ہوتے ہیں۔ فرشتوں میں سے کسی کے دو پر ہیں، کسی کے تین پر ہیں، کسی کے چار پر ہیں لیکن اس میں حصر نہیں ہے، اس سے زائد بھی ہو سکتے ہیں جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بارے

میں روایت میں ہے کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔

کلماتِ طیبات کا مصداق:

﴿الَّذِينَ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ...﴾ (۱۰)

پاک کلمات سے مراد کلمہ توحید اور دیگر اذکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمات اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جاتے ہیں۔ اور نیک عمل کے اس کلمہ کو اوپر اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ کلمات کی نفس قبولیت کے لیے تو اعمال شرط نہیں لیکن قبولیتِ تامہ کے لیے اعمال شرط ہیں۔

مومن کی تین قسمیں ہیں:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُأْذِنُ اللَّهُ...﴾ (۳۲)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا ہے جنہیں ہم نے چن لیا ہے۔ ان میں سے یہاں تین کا ذکر ہو رہا ہے:

(۱) ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾ جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ یعنی جو نیک اعمال کرتے ہیں اور گناہوں سے نہیں بچتے۔

(۲) ﴿مُقْتَصِدٌ﴾ جو درمیانی راستہ اختیار کرنے والے ہیں۔ یعنی حلال کام کرتے ہیں اور حرام سے بچتے ہیں لیکن مکروہات سے نہیں بچتے اور مستحبات کو نہیں کرتے۔

(۳) ﴿سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ﴾ جو نیکیوں میں بڑھتے جاتے ہیں۔ یعنی حلال کام کرتے ہیں اور حرام سے بچتے ہیں، مستحبات اپناتے ہیں اور مکروہات سے بچتے ہیں لیکن اس کے باوجود بعض مباح چیزیں جن کے کرنے کی اجازت ہے، وہ انہیں عبادت میں حد درجہ انہماک یا شبہات کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔

جانوروں کی ہلاکت کا مطلب:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ...﴾ (۴۵)

اگر اللہ تعالیٰ اعمالِ کفریہ کی وجہ سے سزا دیں تو اس زمین پر کسی ذی روح کو نہ چھوڑیں، خواہ وہ جانور ہو یا

انسان۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جانور انسانوں کے فائدے کے لیے بنائے گئے تھے، جب انسانوں کو باقی نہیں رکھنا تو پھر جانوروں کے باقی رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سورۃ یس

وجہ تسمیہ:

حروف مقطعات میں سے دو حروف ”یا، سین“ سے اس سورۃ کا آغاز ہوا، اسی مناسب سے اس سورت کا نام ”سورۃ یس“ رکھا گیا ہے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نبوت پر دلیل:

﴿يُسۡ (۱) وَالْقُرۡآنِ الْحَکِیْمِ (۲) اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (۳)﴾

اس سورت کو قرآن کریم کا دل کہتے ہیں۔ صبح اس کو پڑھنے سے پورے دن کے کام درست رہتے ہیں۔ ان آیات میں نص قطعی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بذات خود حکمت سے لبریز قرآن کریم کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ (اے میرے محبوب!) آپ یقیناً پیغمبروں میں سے ہیں۔ آیت نمبر 5 میں آپ کا فریضہ منصبی بیان کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباء و اجداد کو پہلے نہیں ڈرایا گیا۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ اور اس کے مضافات ہیں کیونکہ یہاں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

تین رسولوں کا قصہ:

﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا اَصْحَابَ الْقَرْیَةِ اِذْ جَاۤءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ (۱۳)﴾

گزشتہ آیات میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان تھا۔ اب یہاں سے آگے کئی آیات تک تین رسولوں کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ نہ تو کسی خاص بستی کا تعین کیا اور نہ ہی رسولوں کے ناموں کا۔ البتہ بعض روایات میں بستی کا نام ”انطاکیہ“ اور رسولوں کے نام؛ صادق، صدوق اور شلوم یا شمعون علیہم السلام بتائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو رسولوں کو بھیجا، لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان

کی تائید و تقویت کے لیے تیسرے رسول کو بھیجا لیکن بستی والوں نے ان کی بات بھی نہ مانی اور تکذیب کی۔
حبیب نجار کی ہمدردی:

﴿وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يُقَوْمُ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ﴾ (۲۰)

”رجل“ کا نام بعض روایات میں حبیب بن اسماعیل نجار بتایا گیا ہے، یہ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے رسولوں کی دعوت پر ایمان قبول کر لیا تھا۔ جب انہوں نے شہر والوں کا یہ حال سنا کہ وہ رسولوں کے ساتھ برا سلوک کر رہے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے شہر میں آئے اور قوم کو ہمدردی کے طور پر بڑے احسن انداز میں سمجھایا کہ رسولوں کی بات مان لو۔ لیکن قوم نے انہیں شہید کر دیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَللّٰهُمَّ تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ
مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی
اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

پارہ نمبر 23

جنت میں داخلے کا مطلب:

﴿قَبِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۚ قَالَ لِيَكُنْتِ قَوْمِي يَعْلَمُونَ﴾ (۲۶)

شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حبیبِ نجار کو جنت میں داخلے کی خوشخبری دی گئی۔ جنت میں داخلہ تو حشرِ نشر کے بعد ہو گا، البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک لوگوں کو عالمِ برزخ اور قبر میں جنت دکھائی جاتی ہے، جنت کی خوشبو سونگھائی جاتی ہے، جنت کی فضا کا نظارہ کروایا جاتا ہے اور قبر میں جنت اور بندے کے درمیان جو دروازہ ہے اسے کھول دیا جاتا ہے تو جنت کا منظر بن جاتا ہے۔

یہ ہے تو ”عرضِ جنت“ لیکن اسے ”دخولِ جنت“ سے تعبیر فرما دیا گیا ہے۔ حبیبِ نجار نے جنت کی نعمتیں دیکھ کر اظہارِ افسوس کیا کہ کاش! میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ مجھے کن نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔

مشرک قوم کا انجام:

﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ ۚ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ﴾ (۲۸)

جب قوم کی سرکشی میں مزید اضافہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ فرما دیا۔ فرمایا کہ ہمیں کسی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتوں کو نازل کرنے کی ضرورت نہیں، بس ایک چنگھاڑ ہی کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک ہی فرشتے نے چیچماری اور پوری بستی کلیجے پھٹنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئی۔

قیامت کے دن ہاتھ پاؤں کی گواہی:

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (۶۵)

قیامت کے دن جس وقت حسابِ کتاب کا معاملہ ہو رہا ہو گا کفار اس وقت اپنے شرک اور کفر کا انکار کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔ مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ منہ کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بولے گا۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں کو قوتِ گویائی عطا فرمائیں گے تو ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے فلاں فلاں جرائم اور گناہ کیے تھے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے کہ وہ تعجب سے اپنے اعضاء سے

مخاطب ہو کر کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟
مشرکین کی تردید:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾ (٦٩)

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم نہیں دیا اور نہ ہی شاعری پیغمبر کی شان کے لائق ہے، یہ تو نصیحت کی بات ہے اور نہایت واضح قرآن ہے۔

کفار؛ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ شاعر ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرما رہے ہیں۔ ہمارے ہاں شاعر وہ ہے جو مسجع اور مقفی کلام کہے جبکہ اہل عرب کے ہاں شاعر وہ بھی ہے جو فرضی، خیالی اور غیر تحقیقی باتیں کرے۔ تو کفار نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ فرضی اور خیالی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) قرآن کریم نے مشرکین کی اسی بات کی تردید فرمائی ہے کہ نہ تو ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری سکھائی اور نہ ہی شاعری آپ کے شایانِ شان ہے۔

مشرک کی حماقت:

﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ (٧٧)

مکہ مکرمہ میں عاص بن وائل ایک مشرک تھا۔ اس نے ایک بوسیدہ ہڈی لی، اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بھی زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی بات کا جواب دیا کہ وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا؟ ہم نے انسان کو ایک نطفے سے بنایا ہے۔ جس خدا نے پہلے پیدا کیا ہے وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ آگے دو درختوں کی مثال دے کر سمجھایا کہ جو خدا سبز درختوں سے آگ کو پیدا کرتا ہے اس کے لیے بوسیدہ ہڈی سے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

سورة الصف

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی ابتداء ﴿وَالصَّفَّتِ صَفًّا﴾ (١) سے ہو رہی ہے، اس لیے اس کا نام "سورة الصف" رکھا گیا

ہے۔ یہ سورت مکی ہے، اس میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید و رسالت اور قیامت کا اثبات کیا گیا ہے اور مشرکین کے ایک غلط عقیدے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) کی تردید کی گئی ہے۔

مشرکین کی تردید:

﴿وَالصَّفَّاتِ صَفًّا (۱) فَالزُّجَرِ زَجْرًا (۲) فَالتَّلِيلِ ذِكْرًا (۳)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تین قسمیں کھائی ہیں۔ فرمایا: قسم ہے ان فرشتوں کی جو صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ان فرشتوں کی جو ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں۔ یعنی شیاطین جب عالم بالا کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ فرشتے ان کو روکتے ہیں۔ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو تلاوت کرتے ہیں ذکر کی۔

یہاں مشرکین کی تردید فرمائی اس لیے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک طبقہ ملائکہ کی عبادت کرتا تھا اور ایک طبقہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتا تھا۔ تو ملائکہ کی قسمیں کھا کر یہ بتایا گیا کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اسے اولاد کی ضرورت ہے۔

اہل جنت کا ذکر:

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ (۴۱) فَوَاكِهُ وَهُمْ مُكْرَمُونَ (۴۲)﴾

اہل جنت کو رزق معلوم ملے گا۔ جنت کے رزق میں ہلکا سا بھی شبہ نہیں کہ شاید ملے شاید نہ ملے؛ نہیں، بلکہ یقیناً اور دائماً ملے گا۔ دنیا کی طرح نہیں کہ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتا کہ کل مجھے کیا اور کتنا رزق ملنے والا ہے۔ جنتی لوگ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے اور گفتگو کریں گے۔

اہل جہنم کا ذکر:

﴿أَذْلِكَ خَيْرٌ نُزْلًا أَمْ شَجَرَةُ الزُّقُومِ (۶۲) إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ (۶۳)﴾

گزشتہ آیات میں اہل جنت اور ان کے انعامات کا ذکر تھا۔ یہاں اہل جہنم اور ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ جہنمیوں کو زقوم کا درخت جو نہایت بدبودار، کڑوا اور کریہہ المنظر ہے بطور خوراک ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطان کا سر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحَ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُوْنَ (۷۵)﴾

یہاں سے لے کر کئی آیات تک اللہ تعالیٰ نے چھ انبیاء (حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام) کے قصص و واقعات کو بیان کیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو دردناک عذاب سے بچالیا۔ باقی سب ختم ہو گئے۔ طوفان نوح کے بعد زمین پر جو نسل انسانی چلی وہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث کی نسل سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيْمَ (۸۳) إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۸۴)﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام؛ حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ کے آدمی تھے، یعنی عقائد ایک تھے۔ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو میلے پر لے جانا چاہتی تھی تو آپ علیہ السلام نے عذر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ ہو سکتا ہے حقیقت میں بیمار ہوں یا یہ مطلب ہو کہ تمہارے کفر و شرک کی وجہ سے میری طبیعت بوجھل ہے۔ نہ جانے کا مقصد بتوں کو توڑنا تھا تاکہ مشرکین کو اپنے بتوں کی بے بسی معلوم ہو جائے۔

امتحان میں کامیابی:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يُبْنِيَ لِيْ اِيْذِيْ اَرِيْ فِي الْمَنَامِ اِنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ ... (۱۰۲)﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا فرمائے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ انہیں ذبح کر رہے ہیں تو بیٹے سے رائے لی۔ بیٹے نے عرض کی: جو آپ نے دیکھا ہے کر گزریے۔ یہ اگرچہ خواب تھا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوا کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی لیکن اللہ تعالیٰ نے جنت سے مینڈھا بھیج دیا، وہ ذبح ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بچ گئے۔ یہ امتحان تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (۱۳۹) إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ (۱۴۰)﴾

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورۃ یونس میں بھی گزر چکا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا بستی میں مبعوث ہوئے۔ اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی مگر قوم نے نہ مانا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تین دن کے بعد عذاب آئے گا لیکن آپ خود اس بستی سے حکم خداوندی کے آنے سے پہلے چلے گئے۔ قوم نے گڑگڑا کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے، کشتی بھنور میں پھنس گئی، قرعہ اندازی میں آپ کا نام آیا۔ پانی میں گئے تو مچھلی نے منہ میں لے لیا۔ پھر کچھ وقت یادوں بعد باہر نکال دیا۔ بعض لوگوں نے عصمتِ انبیاء کے خلاف بات کرتے کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے فریضہ نبوت میں کوتاہی کی، معاذ اللہ۔ یاد رہے تمام انبیاء علیہم السلام انتخابِ خدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام نہیں ہونے دیتے جو عصمت کے منافی ہو۔ مزید تفصیل بندہ کی کتاب ”دروس القرآن“ میں اسی مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

مشرکین مکہ کی تردید:

﴿فَاسْتَفْتِهِمُ الرِّبَّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ (۱۴۹)﴾

شروع سورت میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ثابت کرتے تھے۔ یہاں ان کی تردید کی جارہی ہے کہ یہ کیسا انصاف ہے کہ اپنے لیے تو لڑکیوں کو پسند ہی نہیں کرتے، شرم کے مارے زندہ دفن کر دیتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو نہ بیٹوں کی ضرورت ہے نہ بیٹیوں کی۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہیں۔

تذریہ باری تعالیٰ:

﴿سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ (۱۸۰) وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ (۱۸۱) وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ

الْعَالَمِينَ (۱۸۲)﴾

سورت کے آخر میں پھر مشرکین و منکرین کی تردید فرمائی۔ مشرکین نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں،

اس کی تردید میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا کہ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو نہیں مانا تو فرمایا:

﴿وَسَلِّمْ عَلَى الْمُرْسَلِينَ﴾

سلامتی ہے رسولوں (علیہم السلام) پر۔

مشرک لوگ شرک کا ارتکاب کرتے تھے، فرمایا:

﴿وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک کو پسند نہیں فرماتے، اللہ توحید کو پسند فرماتے ہیں۔

سورة ص

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی ابتداء میں حرف "ص" ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة ص" رکھا گیا ہے۔

مذاکرات میں ناکامی:

﴿أَجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْهَآ وَاحِدًاۙ اِنَّ هٰذَا الشَّيْءُ عَجَابٌۭ (۵)﴾

جناب ابوطالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتے داری کا حق نبھاتے تھے۔ ان کی آخری عمر میں مشرکین ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہیں کہ وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہیں تو ہم انہیں ان کے دین اسلام پر چلنے سے منع نہیں کریں گے۔ جب جناب ابوطالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں انہیں ایک ایسے کلمہ کی دعوت نہ دوں کہ جس سے پورا عرب و عجم ان کے سامنے سرنگوں ہو جائے؟ انہوں نے پوچھا: وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ توحید پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ تعجب ہے کہ ہم سارے خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں، یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اس پر وہ سارے لوگ چلے گئے۔ اس موقع پر سورة ص کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش:

﴿وَهَلْ أَتَاكَ نَبِيُّ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ (۲۱)

حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی اجتہادی خطا ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دو بندے بھیجے جو دیوار پھلانگ کر حضرت کے پاس گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت اپنی عبادت گاہ میں تھے۔ انہوں نے اپنے جھگڑے کا مقدمہ پیش کر کے فیصلہ چاہا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کا فیصلہ فرمایا لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت داؤد علیہ السلام کو اچانک خیال آیا کہ میرا تو امتحان ہو گیا، فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گئے۔ یہاں کچھ آیات میں اس واقعے کو بیان فرمایا گیا ہے۔ لغزش کیا ہوئی تھی؟ قرآن کریم اس معاملے میں خاموش ہے۔ اس لیے ہمیں بھی کھود کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔

تفصیلات کے لیے میری کتاب ”دروس القرآن“ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر:

﴿وَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ (۳۰) إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعِشِيِّ الصُّفْنُ

الْجِيَادُ (۳۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنگ و جہاد کے لیے عمدہ قسم کے گھوڑے رکھے ہوئے تھے۔ ایک دن آپ نے ان گھوڑوں کا معائنہ کیا اور اتنے مشغول ہوئے کہ آپ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ آپ کو بہت افسوس ہوا، فرمایا: ان گھوڑوں کو دوبارہ لاؤ! پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کر دیا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہواؤں، پرندوں اور جنوں پر حکومت عطا فرمائی تھی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ:

﴿وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ﴾ (۴۱)

حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک بیماری لاحق ہوئی تھی، یہاں ان کی شفا کا بیان ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے حکم خداوندی سے زمین پر پاؤں مارا تو چشمہ جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے نہائیں اور اسے

ہیں۔ صحت مل گئی۔ بیماری کی حالت میں ایک مرتبہ شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ سے ملا کہ میں طبیب ہوں، آپ کے شوہر کا علاج کروں؟ آپ علیہ السلام کی اہلیہ نے حامی بھر لی۔ شیطان نے کہا: میری ایک شرط ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام ٹھیک ہو جائیں تو آپ نے کہنا ہے کہ اس طبیب نے انہیں شفا دی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ واقعہ سنایا تو آپ کو غصہ آیا کہ وہ تو شیطان تھا۔ آپ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ میں ٹھیک ہو گیا تو تمہیں سو چھڑیاں ماروں گا۔ جب صحت یاب ہوئے تو پریشان تھے کہ قسم پوری کرتا ہوں تو وفادار بیوی کو تکلیف ہو گی، نہیں کرتا تو حادثہ ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک سو چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کا ایک گٹھالے کر ایک ہی مرتبہ اپنی بیوی کو مار دیں، قسم پوری ہو جائے گی۔

سورت کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

سورة الزمر

وجہ تسمیہ:

”زمر“ کا معنی گروہ ہے۔ اس سورت کے آخر میں چونکہ دو گروہوں کا ذکر ہے، اس لیے اسی مناسبت سے

اس کا نام ”سورة الزمر“ رکھا گیا ہے۔

مشرکین کے غلط عقیدے کی تردید:

﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى

اللَّهِ زُلْفَىٰ ۚ.... (۳)﴾

مشرکین یہ مانتے تھے کہ کائنات کو بنانے والے اللہ تعالیٰ ہیں لیکن وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اس

نظریے سے کہ یہ خوش ہو کر ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔

یہاں ان کی تردید کی گئی ہے کہ عبادت تو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور شفاعت کے لیے دو شرطیں ہیں:

1: شفاعت کرنے والا اللہ کے ہاں مقبول ہو۔

2: جس کی شفاعت ہونی ہے وہ قابلِ مغفرت ہو۔

یہاں دونوں شرطیں مفقود ہیں تو وہ سفارش کیسے کریں گے؟

اسلام کے لیے شرح صدر:

﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِإِسْلَامٍ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۖ... (۲۲)﴾

اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نور اور روشنی پر ہوتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! شرح صدر کا کیا معنی ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس بندے کے قلب کو وسیع فرما دیتے ہیں۔ یعنی احکام شریعت کو سمجھنا، پھر ان پر عمل کرنا اس بندے کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی نشانی پوچھی تو فرمایا: جنت کی طرف انسان کا رجوع ہوتا ہے، دنیا کے دھوکے سے بچتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرتا ہے۔

موحد و مشرک کی مثال:

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۖ... (۲۹)﴾

ایک غلام مختلف آقاؤں کی ملکیت میں ہو اور ہر آقا اسے اپنا اپنا کام کہے تو وہ غلام پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے کہ کس کا کہا مانوں؟ دوسرا وہ غلام ہے جو صرف ایک ہی آقا کی ملکیت ہے، اسے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ اسی طرح مشرک کئی خداؤں کو مانتا ہے، اب وہ پریشان ہے کبھی اس کے سامنے جھکا ہوا ہے اور کبھی اُس کے سامنے جھکا ہوا ہے؛ اس کو یکسوئی میسر نہیں آتی۔ جبکہ موحد صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اسی کی اطاعت کرتا ہے۔ اسے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

وَاخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

پارہ نمبر 24

پیکرِ صداقت تصدیق میں اول:

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (۳۳)﴾

ایک تفسیر کے مطابق اس آیت میں "بِالصِّدْقِ" سے مراد اسلامی احکامات اور دینی تعلیمات ہیں، خواہ وہ قرآن کریم ہو یا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور "صَدَّقَ بِهِ" سے مراد بالخصوص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور بالعموم دوسرے تمام مؤمنین ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تصدیق کی ہے، یہی لوگ متقین ہیں۔

تصرفِ باری تعالیٰ:

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ... (۴۲)﴾

ہر جاندار کی روح اللہ تعالیٰ کے قبضے، تصرف اور اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو روح کو قبض کر لیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں واپس کر دیتے ہیں۔ جیسے انسان سو جاتا ہے تو روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے اور بیداری کے وقت واپس لوٹادی جاتی ہے۔ بسا اوقات نیند میں روح قبض ہوتی ہے اور بالکل واپس نہیں ہوتی یعنی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس آیت کی مزید تفسیر و تشریح میری کتاب "دروس القرآن" میں ملاحظہ فرمائیں۔

رحمتِ خداوندی سے مایوس نہ ہوں:

﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (۵۳)﴾

یہ آیت گنہگاروں کے لیے بہت ہی امید افزا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ تو اچھا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے جو گناہ کیے ہیں مثلاً زنا، قتل ناحق، شراب وغیرہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا ہماری توبہ قبول ہو جائے گی؟ اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بڑے سے بڑا گناہ حتیٰ کہ کفر و شرک ہی کیوں نہ ہو بس بندہ صدقِ دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے ماضی کے سارے گناہ معاف فرمادیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

نسخِ صورت کا ہولناک منظر:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ...﴾ (۶۸)

صور پھونکنے جانے کی وجہ سے سب بے ہوش ہو جائیں گے پھر سب مر جائیں گے اور جو پہلے مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صور پھونکنے کے اثر سے جو موت واقع ہوگی اس سے جبرائیل، اسرافیل، میکائیل اور ملک الموت محفوظ رہیں گے۔ لیکن بعد میں ان کو بھی موت آجائے گی اور سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔

جنت مہمان خانہ اور جہنم قید خانہ:

﴿وَسَيُقَ الِّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًاۙ حَتّٰى اِذَا جَاؤْهُمَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا...﴾ (۷۱)

اللہ تعالیٰ نے یہاں جہنم کا تذکرہ فرمایا کہ کفار کو جہنم کی طرف کھینچا جائے گا، جب جہنم کے پاس آئیں گے تو دروازے کھل جائیں گے۔ آگے جنت کے متعلق فرمایا کہ جب اہل جنت آئیں گے تو ان کے آنے سے پہلے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔

قید خانے اور مہمان خانے میں فرق ہوتا ہے۔ جب قیدی کو جیل کی طرف لے کر جاتے ہیں تو دروازہ بند ہوتا ہے، اس کے پہنچنے پر دروازہ کھلتا ہے، پھر دروازہ بند کر دیتے ہیں جبکہ مہمان خانے کا طرز یہ نہیں ہوتا، مہمان خانہ مہمان کی آمد سے پہلے کھلا رکھتے ہیں۔

سورة المؤمن

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں فرعون کی قوم کے ایک مرد مؤمن کا ذکر ہے جس نے فرعون کے دربار میں بیان کیا تھا۔

اسی پر اس سورت کا نام ”سورة المؤمن“ رکھ دیا گیا ہے۔

وہ سورتیں جن کے شروع میں ”حَمْدٌ“ آتا ہے، سورۃ المؤمن ان میں سے پہلی سورت ہے۔ انہیں ”حوامیم“ یا ”آل حم“ کہتے ہیں۔ وہ سات سورتیں ہیں:

1: المؤمن

2: حَمْدُ السَّجْدَةِ

3: الشُّورَى

4: الزَّخْرَفِ

5: الدَّخَانِ

6: الْجَاثِيَةِ

7: الْاِحْقَافِ

یہ سورتیں بڑی شان و عظمت اور فضیلت والی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان:

﴿حَمْدٌ (۱) تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (۲) غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (۳) لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ (۴)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں: ”الْعَزِيزِ“ غالب ہیں، ”الْعَلِيمِ“ صاحب علم ہیں، ”غَافِرِ الذَّنْبِ“ گناہوں کو معاف فرمانے والے ہیں، ”قَابِلِ التَّوْبِ“ توبہ قبول فرمانے والے ہیں، ”شَدِيدِ الْعِقَابِ“ سخت سزا دینے والے ہیں، ”ذِي الطَّوْلِ“ طاقت والے ہیں۔

لفظ غافر؛ غُفْرَان سے ہے، غفران کا اصل معنی ہے: ڈھانپ لینا۔ چونکہ جب انسان کے گناہ معاف ہو جائیں تو اس کا گناہ چھپ جاتا ہے، اس لیے گناہ کی معافی کو ”غفران“ سے تعبیر کرتے ہیں۔

کفار اپنے آپ سے نفرت کریں گے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ

فَتَكْفُرُونَ (۱۰)﴾

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ آج تم جس قدر اپنے آپ سے بے زار ہو رہے ہو اللہ اس سے بھی کہیں زیادہ بے زار ہوتا تھا جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم انکار کر دیتے تھے۔ یعنی کفار جب جہنم میں ہوں گے تو اس وقت اپنے آپ سے نفرت کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ افسوس کریں گے کہ ہم نے دنیا میں کفر کا راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔

دنیا میں واپس آنے کا سوال:

﴿قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا أَثْنَتَيْنِ وَأُحْيَيْتَنَا أَثْنَتَيْنِ فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ (۱۱)﴾

قیامت کے دن کفار کہیں گے: اے ہمارے رب! دو مرتبہ آپ نے ہمیں موت دی تھی اور دو مرتبہ زندگی دی تھی، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، کیا اب واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب تم واپس نہیں جاسکتے۔

یہاں دو موتوں سے مراد ایک پیدائش سے پہلے کی موت اور دوسری دنیا میں زندگی کے آخر کی موت مراد ہے۔ دو حیاتوں سے مراد ایک پیدائش والی دوسری حشر والی۔ یہ دونوں ظاہری موت و حیات ہیں، تیسری موت و حیات برزخ والی ہے جو مخفی ہے اس لیے آیت میں اس کا صراحتاً ذکر نہیں ہے، برزخی حیات پر قرآن و حدیث کے مستقل دلائل موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ (۲۳)﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات اور دیگر دلائل دے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا۔ جب لوگ ایمان لانے لگے تو فرعونیوں نے تجویز پیش کی کہ ان کے ایمان لانے والے مردوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو تاکہ انہیں نوکرانیاں بنا کر ان سے خدمت لے سکیں۔ قتل کرنا یا تو اس وجہ سے تھا کہ ان کی نسل نہ بڑھے یا اس وجہ سے تھا کہ یہ ڈر جائیں اور ایمان نہ لائیں۔

رجل مؤمن کی تقریر:

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّن آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ

جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ.... (۲۸) ﴿﴾

فرعون؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو العیاذ باللہ قتل کرنا چاہتا تھا تو فرعون ہی کے خاندان کا ایک مؤمن بندہ اٹھا جس نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا، اس نے فرعون اور آل فرعون کو سمجھایا۔ اس رجل مؤمن نے کہا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو فرما رہے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے! اور وہ اپنے رب کی طرف سے واضح دلائل لے کر بھی آئے ہیں۔ اگر یہ جھوٹ بولتے ہیں تو جھوٹ کا وبال خود انہی کو پہنچے گا۔

انبیاء اور مؤمنین سے نصرتِ خداوندی کا وعدہ:

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (۵۱) ﴿﴾

اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ہم اپنے نبیوں کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی دنیوی مدد اور نصرت بھی کرتے ہیں۔ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ تو یہ وعدہ دنیا میں ان کی موجودگی میں پورا ہوا جیسے غزوہ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر اور بعض انبیاء علیہم السلام (حضرت یحییٰ، حضرت زکریا اور حضرت شعیب علیہم السلام) کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے دشمنوں سے انتقام لینے کی صورت میں پورا ہوا کہ کفار کو یا تو تباہ و برباد کر دیا گیا یا مغلوب کر دیا گیا۔ نیز آخرت میں انبیاء کرام علیہم السلام اور مؤمنین کے لیے مدد و نصرت کا خصوصی وعدہ ہے۔

عصمتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ (۵۵) ﴿﴾

اس آیت کریمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

- آپ صبر کریں۔
- اللہ سے اپنے ان معاملات کی معافی مانگیں جو آپ کی شان کے لائق نہیں تھے۔
- صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کریں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اس کی وجہ امت کو سبق دینا مقصود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود اتنی کثرت سے اپنے ایسے کاموں پر معافی مانگتے ہیں جو حقیقت میں

گناہ نہیں، تو جو لوگ معصوم نہیں انہیں تو بطریق اولیٰ معافی مانگنی چاہیے۔

انعاماتِ خداوندی:

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾ (۶۱)

اللہ تعالیٰ نے جو انعامات اپنے بندوں کو عطا فرمائے ہیں ان میں سے دو نعمتیں رات اور دن ہیں۔ دن کو اس لیے بنایا کہ انسان روشنی میں اپنے کام کاج اور دیگر معاملات دیکھ اور چلا سکے۔ جب تھک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے سکون اور آرام کے لیے رات بنائی۔ اندھیرا چھا جاتا ہے اور انسان رات کو سکون حاصل کرتے ہیں۔

علمِ غیب اور مختارِ کل کی نفی:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ فُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ﴾ (۷۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ ان میں سے بعض کے حالات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا گیا اور بعض کے حالات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے۔ مشرکین روزانہ نئے نئے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا کرتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے۔ یہاں انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جواب دیا جا رہا ہے کہ معجزہ دکھانا کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی دکھایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

وحی کے مقابلے میں اپنے علم پر ناز کرنا:

﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ (۸۳)

جب پیغمبر کفار کے سامنے کھلی کھلی نشانیاں پیش کرتے تو کفار اپنے علم پر ناز کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ یہاں علم سے مراد دنیاوی زندگی کا ظاہری علم و فن اور ظاہری ہنر ہے۔ اس پر اکرٹے اور کہتے کہ ہم کیوں کلمہ قبول

کریں! پھر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ایمان قبول کرنے لگے۔ یہ نزع کی حالت کے وقت کا ایمان تھا اور ایسا ایمان معتبر نہیں، تو انہیں نقصان ہی اٹھانا پڑا۔

سورة حم السجدة

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کے شروع میں "حم" کا لفظ ہے اور آگے آیت نمبر 37 میں سجدہ تلاوت کا ذکر ہے، اسی مناسب سے اس کا نام "حم سجدہ" رکھا گیا ہے۔

﴿حَمْدٌ (۱) تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۲)﴾

کفارِ مکہ کی طرف سے پیش کش:

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف فرما تھے، ابو الولید عتبہ بن ربیعہ نے آکر آپ کو پیش کش کی کہ اگر آپ کو حکومت چاہیے تو ہم آپ کو اپنا حاکم بناتے ہیں، اگر پیسے چاہیں تو اکٹھے کرتے ہیں، اگر آپ پر کسی جن کا اثر ہے تو علاج کرواتے ہیں، مگر آپ اپنی تبلیغ چھوڑ دیں، ہمارے مذہب اور بتوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس سورت کی تلاوت شروع کی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ ضِعْفَةً مِّثْلَ ضِعْفَةٍ عَادٍ وَثَمُودَ (۱۳)﴾ تو ابو الولید پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک پر رکھا اور کہا کہ میں خاندان اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ رک جائیں اور آگے نہ پڑھیں۔ عتبہ نے واپس اپنے لوگوں کے پاس آکر کہا کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بہتر یہی ہے کہ تم لوگ ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

مشرکین کی ضد:

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْ اَذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ

اِنَّا عَمِلُوْنَ (۵)﴾

کفار کہتے تھے کہ جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لیے ہمارے دل پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ پڑے ہوئے ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے، آپ اپنا کام کریں اور ہم اپنا کام کریں۔ حالانکہ پردہ نہیں تھا کیونکہ ہوتا تو نظر آ جاتا۔ یہ محض کفار کی ہٹ دھرمی تھی کہ ہم تمہاری بات نہیں سن رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا: میں بھی تم جیسا انسان ہوں البتہ مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود، معبودِ واحد ہے اور مشرکین کے لیے تباہی ہے۔

کفار کو تنبیہ:

﴿فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً... (۱۵)﴾

اللہ تعالیٰ نے گزری ہوئی قوموں کے برے انجام کا ذکر فرمایا۔ قوم عاد و ثمود جو اپنے آپ کو بہت قوت و طاقت والے خیال کرتے تھے اور تکبر و غرور کی وجہ سے اپنے پیغمبروں پر ایمان نہیں لائے تو برباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تم بھی ایسا ہی کرو گے تو تم بھی ہلاک و برباد ہو جاؤ گے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہو گا۔

اعضائے جسمانی کا گواہی دینا:

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ (۱۹) حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَبْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۲۰)﴾

کچھ کفار چھپ کر گناہ کرتے اور کہتے کہ اس گناہ کا تو کسی کو پتا نہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس کا علم نہیں۔ حالانکہ کائنات کا کوئی ذرہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کے اعضاء (کان، آنکھ اور کھال) کو قوتِ گویائی عطا فرمائیں گے تو انسان کے اپنے اعضاء خود اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

اہل ایمان کا ذکر:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (۳۰)﴾

گزشتہ آیات میں کفار کا تذکرہ تھا، یہاں سے اہل ایمان کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ ان کی شان یہ ہے کہ جب وہ کہتے

ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے تو پھر ثابت قدم رہتے ہیں۔ مصائب کے وقت بھی دین پر مضبوطی کے ساتھ جے رہتے ہیں۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ ان کو حزن و غم سے محفوظ فرمالیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان اور اس کی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں۔ لفظ ”استقامت“ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر سیدھے جے رہو۔ گویا لفظ استقامت تمام شرائع اسلام کو جامع ہے۔

حفاظتِ قرآن کریم:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (۴۲)

ان آیات میں قرآن کریم کے محفوظ ہونے کا ذکر ہے۔ قرآن کریم ایسی آسمانی کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔ اس لیے قرآن کریم کے الفاظ کی طرح اس کے معانی بھی محفوظ ہیں۔ ﴿مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ سے مراد ظاہر یعنی الفاظ قرآن ہیں۔ ﴿مِنْ خَلْفِهِ﴾ سے مراد باطن یعنی معانی ہیں۔ جو سامنے ہے وہ نظر آتا ہے اور جو پیچھے ہے وہ نظر نہیں آتا۔ یعنی قرآن کا ظاہر بھی محفوظ رہے گا اور قرآن کا باطن بھی محفوظ رہے گا۔ نہ کوئی قرآن کا لفظ بدل سکتا ہے نہ ہی معنی بدل سکتا ہے۔ کوشش تو کریں گے لیکن رسوا ہوں گے، بالآخر حق ہی غالب رہے گا۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَبِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَبِيٌّ وَعَرَبِيٌّ...﴾ (۴۴)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ اگر یہ قرآن کریم فصاحت و بلاغت پر مشتمل نہ ہوتا تو مشرک لوگ یہ اعتراض کرتے کہ صاحب کتاب جس پر قرآن کریم کا نزول ہوا وہ خود تو فصیح و بلیغ ہیں مگر ان پر نازل ہونے والی کتاب غیر فصیح ہے، معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیدا ہونے والے شبہ کا تسلی بخش جواب دیا کہ یہ کتاب فصاحت و بلاغت کے اتنے اونچے معیار پر ہے کہ اہل عرب جنہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز ہے وہ بھی اس کی ایک آیت کی مثل لانے سے عاجز آگئے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کلام کسی مخلوق کا نہیں خالق کائنات کا کلام ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

پارہ نمبر 25

علم غیب؛ خاصہ خداوندی

﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ

اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ... (۴۷)﴾

مشرکین و کفار انکار کرنے اور استہزاء کرنے کے لیے اکثر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے سوال کرتے کہ کب آئے گی؟ یہاں جواب دیا گیا کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اسی طرح پھل کا اپنے شگوفے سے نکلنا، مادہ کو حمل ٹھہرنا، بچے کا پیدا ہونا؛ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں آئے بغیر وجود میں نہیں آتیں۔

انسان کی فطرت:

﴿وَإِذَا آتَيْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَاضَ وَنَا بِجَانِبِهٖ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاۗءٍ عَرِيضٍ (۵۱)﴾

اگر انسان پر اچھے احوال آجائیں اور خوشی کے مواقع ہوں تو انسان اکڑ دکھاتا اور تکبر کرتا ہے۔ اگر احوال اچھے اور موافق نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ انسان کی حالت یہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ اپنی فطرت کو ایسا رکھنا چاہیے کہ جب وہ تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خوشی میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے اس لیے کہ ہر حالت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دونوں طرح کے حالات میں اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔

قدرت و توحید باری تعالیٰ کی نشانیاں:

﴿سَنُرِيهِمْ اٰیٰتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۚ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهُ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۵۳)﴾

اللہ تعالیٰ کائنات (آسمان و زمین) میں اور خود انسانی جسم میں ایسی کئی نشانیاں دکھاتے ہیں جن میں کوئی ادنیٰ عقل و شعور والا آدمی بھی غور کرے تو اس اعتراف پر مجبور ہو گا کہ ان کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے والی کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کے علم و قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ انسانی جسم کے ایک ایک عضو پر غور کریں کہ اسے کیسے بنایا

گیا، پھر اس میں رگیں کتنی اور کیسے جوڑی گئیں، ان میں خون کتنی تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے... یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم کاریگری ہے۔

سورة الشورى

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی آیت نمبر 38 میں ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ اہل ایمان کے معاملات آپس میں مشورہ کے ساتھ طے پاتے ہیں، اسی وجہ سے اس سورت کا نام "سورة الشورى" رکھ دیا گیا ہے۔ ملائکہ کی وجہ سے آسمان کا پھٹنا:

﴿تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ... (۵)﴾

ایسے لگتا ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اور اللہ کی عبادت کرنے والے فرشتے اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ یوں لگتا ہے ان کے بوجھ سے آسمان پھٹ پڑے گا۔ رشتہ داری کا لحاظ کرو:

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ... (۲۳)﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبلیغ فرماتے تو کفار و مشرکین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی جاتی اور آپ علیہ السلام کی دعوت کے لیے رکاوٹیں کھڑی کی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے میرے پیغمبر! آپ ان سے کہیں کہ میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر پیسے نہیں مانگتا، بس یہ کہتا ہوں کہ رشتہ داری کا خیال کرو۔

مطلب یہ ہے کہ میرے تم پر دو حقوق ہیں۔ پہلا اور اصل حق تو یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، تم اس کا اعتراف کر کے میری اطاعت کرو۔ اگر یہ نہیں کرتے تو کم از کم میرے دوسرے خاندانی حق کی وجہ سے میرا

لحاظ کر لو کہ میری بات کو توجہ سے سنو! میں تمہارا آدمی ہوں، میرے راستے میں رکاوٹیں مت ڈالو۔

مصیبت کا سبب:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ (۳۰)

اکثر و بیشتر تو ایسے ہی ہوتا ہے کہ انسان کو تکلیف اس کے گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اس آیت سے وہ شخصیات مستثنیٰ ہیں جن کے گناہ نہیں ہوتے انہیں پھر بھی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام، نابالغ بچے وغیرہ۔ ان پر آزمائش کا آنا گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے درجات کو بلند کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

آخرت میں اجر کے مستحقین کی کچھ صفات:

﴿وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (۳۶)

جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے: جن کے عقیدے ٹھیک ہیں، جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں، جب کبھی غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی بات مانتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں، اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں، جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ خرچ بھی کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم ہو تو بدلہ لیتے ہیں لیکن بدلہ لینے کے لیے بھی انصاف سے کام لیتے ہیں یعنی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ

الذُّكُوْر﴾ (۴۹)

یہاں کائنات کی تخلیق کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق میں کوئی اور شریک نہیں۔ انسانیت کی تخلیق کو بھی بیان کیا کہ اولاد دینا، کسی کو لڑکی دینا یا لڑکا دینا، یا لڑکا لڑکی دونوں دینا یا کچھ بھی نہ دینا اس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا کوئی عمل دخل نہیں، حتیٰ کہ ماں باپ جو اپنی اولاد کی پیدائش کے لیے ظاہری سبب بنتے ہیں انہیں بھی اس میں کوئی اختیار نہیں۔

قرآنی ترتیب میں لڑکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اس لیے اگر کسی کے ہاں پہلی اولاد لڑکی کی صورت میں ہو تو وہ قرآنی ترتیب کے مطابق بھی ہوگی اور مبارک بھی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا انسان سے ہم کلام ہونے کا طریقہ:

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّبِينٌ﴾ (۵۱)

مشرکین؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لائیں؟ آپ اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ کلام نہیں کرتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ کلام کیا تھا۔ یہاں مشرکین کی اس بات کی تردید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پردے کے پیچھے سے کلام کیا۔ دنیا میں کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے آمنے سامنے کلام کرے۔ ہاں البتہ جب بات کرنی ہو تو تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو اپنایا جاتا ہے:

◆ وَحْيًا... یعنی الہام کے ذریعے اللہ تعالیٰ دل میں کوئی بات ڈال دیتے ہیں۔

◆ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ... پردے کے پیچھے سے، یعنی کوئی صورت تو نظر نہ آئے لیکن کانوں میں آواز آئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بات ہوئی۔

◆ يُرْسِلَ رَسُولًا... اللہ تعالیٰ جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے اپنا کلام اپنے پیغمبر پر بھیج دیتے ہیں۔

معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت کی زیارت ہوئی اور شرف کلام کا موقع بھی ملا؛ یہ اس آیت کے خلاف نہیں کیونکہ یہ ملاقات اور کلام عالم دنیا میں نہیں بلکہ عالم بالا میں ہوئے تھے۔ یہ زیارت اور کلام دیگر دلائل سے ثابت ہے۔

سورة الزخرف

وجہ تسمیہ:

”زخرف“ سونے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں سونے کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام

”سورۃ الزخرف“ رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورۃ میں مشرکین مکہ کے مختلف اعتراضات کے جوابات دے کر ان کی تردید کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔
قرآن کریم کے واضح ہونے کا مطلب:

﴿حَمْدٌ (۱) وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ (۲)﴾

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قسم ہے اس کتاب کی جو بڑی واضح ہے۔ یہاں پر واضح ہونے سے مراد یہ ہے کہ بطورِ وعظ و نصیحت قرآن کریم بڑی واضح کتاب ہے۔ اس کا معنی یہ کرنا کہ قرآن کریم میں احکام بہت واضح ہیں، یہ معنی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر احکام واضح ہوتے تو استنباط اور اجتہاد کی ضرورت نہ ہوتی، حالانکہ احکام کے لیے استنباط اور اجتہاد کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ان آیات میں بھی اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے جن میں ابہام یا اجمال ہوتا ہے یا دو آیات آپس میں بظاہر متعارض ہوتی ہیں۔

مشرکین کی قابلِ نفرت سوچ:

﴿أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَكُمْ بَالِبِينَ (۱۶) وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (۱۷)﴾

مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ثابت کرتے ہیں؛ حالانکہ مشرکین کی اپنی حالت یہ ہے کہ اگر ان کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں، لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں اور اسے زندہ درگور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ یہ کتنی قابلِ نفرت اور غلط سوچ ہے۔ جس چیز کو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے ثابت کرتے ہو؟

مشرکین کے دعویٰ کی تردید:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ (۲۶)﴾

گزشتہ آیات میں تھا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی جاتی تو وہ اپنے دین کو صحیح سمجھتے ہوئے

کہتے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم کے مطابق ٹھیک ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔

یہاں سے ان کے اس غلط دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن و سنت اور قطعی عقائد کے معاملے میں باپ دادا کی تقلید غلط طریقہ ہے۔ اگر باپ دادا کے پیچھے چلنا ہی تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام؛ جو ابوالانبیاء ہیں، جنہوں نے شرک سے کھلم کھلا بیزاری اور براءت کا اعلان کیا تھا؛ ان کے پیچھے کیوں نہیں چلتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنی اولاد میں یہی کلمہ توحید چھوڑا تھا تو پھر تم لوگ شرک پر کیوں چل رہے ہو؟

مشرکین کی غلط سوچ کی تردید:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ (۳۱)

مشرکین کہتے کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اتارنا تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر اتارا جاتا جس کے پاس مال و دولت خوب ہوتا۔ مشرکین کی سوچ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ (نبوت) کسی بہت امیر آدمی کو ملنی چاہیے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اس کا جواب دیا کہ تم نبوت کو تقسیم کرتے ہو کہ نبوت فلاں کو ملنی چاہیے فلاں کو نہیں ملنی چاہیے۔ نبوت تو رحمتِ خاصہ ہے؛ دنیا کی روزی رحمتِ عامہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا اختیار تمہیں نہیں دیا تو نبوت جو بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس کی تقسیم کا اختیار تمہیں کیسے دیں گے!

ذکر اللہ کو چھوڑنے کا نقصان:

﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ﴾ (۳۶)

جو شخص ضد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بات کو نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط فرما دیتے ہیں۔ پھر وہ شیطان اسے نیکی کی طرف نہیں آنے دیتا۔ شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس کو سیدھے راستے سے ہٹاتا ہے۔ وہ بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ہدایت پر ہوں حالانکہ وہ ہدایت پر نہیں ہوتا۔

سابقہ انبیاء علیہم السلام سے پوچھنے کا مطلب:

﴿وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مَنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا يُعْبَدُونَ (٤٥)﴾

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے انبیاء علیہم السلام سے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں اور کتابوں کا جو کچھ حصہ باقی ہے اس میں آپ دیکھیں اور تحقیق کریں کہ ان کو کیا تعلیم دی گئی تھی۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لیلۃ المعراج میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات تمام انبیاء علیہم السلام سے ہوئی تو اس وقت آپ ان سے پوچھیں کہ کیا ان کی شریعت میں توحید پر قائم رہنے اور شرک سے بیزاری کی تعلیم نہیں دی گئی؟ یقیناً دی گئی تھی۔

ایک کافر کے اعتراض کا جواب:

﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ (٥٧)﴾

جب سورۃ الانبیاء کی یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿إِنكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [سورۃ الانبیاء: 98]

کہ تم لوگ اور جس کی تم پوجا کرتے ہو، سب جہنم کا ایندھن بنو گے۔

تو ایک کافر نے کہا کہ میرے پاس اس آیت کا جواب ہے، وہ یہ کہ عیسائی؛ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں، تو کیا وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ اس پر مشرکین نے بہت شور مچایا کہ اس نے لاجواب اعتراض کیا ہے۔

حقیقت میں اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ سورۃ انبیاء کی آیت میں بت پرستوں کو خطاب تھا۔

آیت زخرف میں بتوں کے علاوہ وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا۔

رہی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو انہوں نے تو کبھی بھی کسی کو اپنی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ

عیسیٰ علیہ السلام تو فرماتے ہیں "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، مجھے خدا نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔"

عقیدہ ابنیت اور مشرکین کی تردید:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ ۖ لَكُنَّا أَوَّلَ الْعَبِيدِينَ (٨١)﴾

گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کی نفی تھی۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ کے

لیے اولاد ہونے کی نفی، مشرکین کے بے ہودہ اعتراضات اور ان کے غلط عقائد کا رد ہے کہ اے پیغمبر! آپ یہ اعلان کر دیجیے کہ اگر بفرضِ محال کے طور پر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوتا۔

سورة الدخان

وجہ تسمیہ:

”دخان“ عربی میں دھوئیں کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں دھوئیں کا ذکر ہے اسی وجہ سے اس کا نام ”سورة الدخان“ رکھا گیا ہے۔ یہ سورت مکی ہے۔ دیگر سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مشرکین مکہ پر قحط مسلط کیا گیا تھا اس کا بھی ذکر ہے۔

لیلہ مبارکہ سے کیا مراد ہے؟

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ (۳)﴾

قرآن کریم کو ہم نے برکت والی رات میں نازل فرمایا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو خبردار کرنے والے ہیں۔

لیلہ مبارکہ؛ برکت والی رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ سورة القدر میں صراحت کے ساتھ قرآن کریم کا لیلۃ القدر میں نازل ہونا منقول ہے۔ ”اَنْزَلْنَاهُ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر پورا قرآن کریم ایک ہی مرتبہ نازل کیا گیا ہے۔ پھر آسمان دنیا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر 23 سال تک تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔

”دخان“ سے کیا مراد ہے؟

﴿فَازْتَقَبْ بِيَوْمِ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (۱۰)﴾

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی مسلسل مخالفت اور اسلام دشمنی کی وجہ سے بددعا کی تو مکہ پر سخت قحط پڑا اور قحط اتنا شدید تھا کہ لوگ ہڈیاں اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک کی وجہ سے انہیں دھواں نظر آتا تھا۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر آپ دعا کریں اور قحط ختم ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں

گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو قحط ختم ہو گیا لیکن وہ ایمان پھر بھی نہیں لائے۔
فرعون کی تباہی:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ﴾ (۱۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر دو کیونکہ میں امانت دار پیغمبر بن کر تمہاری طرف آیا ہوں۔ فرعون نے بجائے ماننے کے الٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکیاں دیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے حواریوں کو سمندر میں غرق کر دیا۔
اہل جہنم کا کھانا:

﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ (۴۳) طَعَامُ الْإِثْمِ (۴۴)﴾

یہاں سے اہل جہنم کے کھانوں کا ذکر ہے۔ انہیں جہنم میں کھانے کے لیے زقوم کا درخت ملے گا جس کی شکل تلچھٹ جیسی ہوگی تو ان کے پیٹ میں ہنڈیا کی طرح ابال شروع ہو جائے گا، یہ درخت شکل سے بھی بے کار ہوگا اور ذائقے کے اعتبار سے بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔
اہل جنت کے لیے انعامات:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ (۵۱) فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (۵۲)﴾

گزشتہ آیات میں جہنمیوں کی خوراک کا ذکر تھا۔ یہاں سے متقین کے انعامات کا ذکر ہے کہ متقین ایسی جگہ پر ہوں گے جو امن والی ہوگی، باغات میں ہوں گے اور چشموں میں ہوں گے۔ باریک ریشم بھی پہنیں گے اور موٹا ریشم بھی پہنیں گے، آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ خوب صورت آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کی شادیاں کرائیں گے۔ اللہ کریم مجھے بھی جنت کی خوشیاں نصیب کریں اور آپ سب کو بھی نصیب کریں۔

سورة الجاثية

وجہ تسمیہ:

"جاثیہ" کا معنی ہے: گھٹنوں کے بل بیٹھنا۔ اس سورت میں قیامت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا ہے کہ اس دن

لوگ خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے؛ اس لیے اس کا نام ”سورۃ الجاثیہ“ رکھ دیا گیا ہے۔
دلائل توحید و قدرتِ باری تعالیٰ:

﴿إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۳۸)

یہاں شروع میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید و قدرت بیان فرمائے ہیں اور طرز میں تنوع رکھا ہے، الگ الگ طرز اختیار فرمایا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں یقین رکھنے والوں کے لیے دلائل ہیں۔ دن اور رات کے آنے جانے میں اور جو رزق خدا نے آسمان سے اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، اور ہواؤں کے چلنے میں عقلمندوں کے لیے دلائل ہیں۔

گویا یہاں تین قسم کے لوگ ہوئے:

[1] جو ایمان لاچکے ہیں۔

[2] جو ایمان تو نہیں لائے لیکن ان کو دلائل پر یقین ہے اسی وجہ سے ایمان بھی لے آئیں گے۔

[3] جو نہ ایمان لائے اور نہ ہی دلائل پر یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے پاس عقل سلیم ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ یقین کر کے ایمان لے آئیں گے۔

مذکورہ تینوں کامیاب ہوں گے۔

شریعت، عقائد اور مسائل کا نام:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۱۸)

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب، حکومت، نبوت، پاکیزہ روزی اور کھلے کھلے احکام دیے تھے۔ اس کے باوجود وہ حسد و ضد کی وجہ سے آپس کے اختلاف میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔ اب یہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے میرے پیغمبر! ہم نے آپ کو دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے۔ لہذا اسی کی پیروی کرنا اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

شریعت بنیادی طور پر دو چیزوں کا نام ہے: عقائد اور مسائل۔ عقائد میں گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور ہمارے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ مسائل شریعت ان کے الگ تھے اور ہمارے الگ ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی شریعت کا جو مسئلہ ہوتا ہے وہی مسئلہ ہماری شریعت کا بھی ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب ان کی شریعت کے مسائل کو منسوخ نہ کیا گیا ہو۔ ان کی شریعت کے وہ مسائل جنہیں منسوخ کر دیا گیا ہو وہ ہماری شریعت کے مسائل نہیں ہوں گے۔

نسخ مسائل میں ہوتا ہے عقائد میں نہیں ہوتا؛ کہ کل عقیدہ اور ہو اور آج عقیدہ اور ہو۔ اس لیے عقائد میں اختلاف نہیں ہے، صرف مسائل میں ہے۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِثُ يُخَسِّرُ الْمُبِطِلُوْنَ (۲۷)﴾

قیامت کے دن مختلف مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ لوگ وہاں کے ہولناک مناظر دیکھ کر گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور انہیں نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام اور بہت سارے صلحاء رحمہم اللہ بھی گھٹنوں کے بل بیٹھیں گے لیکن ان کا بیٹھنا اتنے کم وقت کے لیے ہو گا جو نہ ہونے کے برابر ہو گا۔ یا پھر ان کا بیٹھنا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے ہو گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ
وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ

پارہ نمبر 26

سورة الاحقاف

وجہ تسمیہ:

"احقاف" ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں قوم عاد کا ذکر ہے جو ریت کے ٹیلوں کے پاس آباد تھی، اسی وجہ سے اس سورت کا نام "سورة الاحقاف" رکھ دیا ہے۔

توحید خداوندی پر دلائل نقلیہ اور عقلیہ:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي

السَّمَوَاتِ... (۴)﴾

یہاں اسلام کے بنیادی عقائد میں سے عقیدہ توحید پر دلائل کا بیان ہے۔ دلائل کی بنیادی طور پر دو قسمیں

ہیں:

1: دلائل عقلی 2: دلائل نقلی

اور دلیل نقلی میں پھر دو قسم کی دلیلیں ہوتی ہیں:

ایک دلیل وہ جو آسمانی کتاب میں ہو۔ ایک دلیل وہ جو پیغمبر کی زبان سے ہو۔ تو یہاں تینوں قسم کے دلائل

بیان فرمائے ہیں۔

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ﴾

اے پیغمبر! آپ ان سے فرمائیں کہ یہ جو تم اللہ کے علاوہ اوروں کی عبادت کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ جن کو تم خدا

بناتے ہو کیا انہوں نے زمین کی کوئی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ یہ عقلی دلیل ہے۔

﴿إِنِّيُنُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا﴾

تمہارے اس دعویٰ پر اگر اس سے پہلے کسی کتاب، تورات، انجیل، زبور یا کسی آسمانی صحیفے میں کوئی بات

درج ہے تو میرے پاس لاؤ! یہ دلیل نقلی ہے۔

﴿أَوْ أَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾

یا کسی پیغمبر کی زبان سے کوئی بات نکلی ہو، کوئی علمی بات ہو تو بتاؤ اگر تم سچے ہو تو۔ یہ بھی دلیل نقلی ہے۔

قرآن کریم کی حقانیت:

﴿أَمْرٌ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِن افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا... (۸)﴾

کفار و مشرکین کا الزام یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ "اگر میں نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو تم مجھے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بالکل بھی نہیں بچا سکو گے" یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ اور دستور یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کی نسبت کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں ہی ذلیل و رسوا فرما دیتے ہیں۔ بالفرض میں نے یہ اپنی طرف سے گھڑا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے مجھے کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

اہل کتاب قرآن پر ایمان لائیں گے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ

فَأَمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ... (۱۰)﴾

اس آیت میں ایک تو یہ پیش گوئی کی جا رہی ہے کہ اہل کتاب میں سے کچھ حضرات (عبداللہ بن سلام، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما وغیرہما) قرآن کریم پر ایمان لائیں گے اور گواہی دیں گے کہ اس جیسی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوئی تھی۔ مشرکین کو تنبیہ بھی کی جا رہی ہے کہ اہل کتاب میں سے اہل ایمان قرآن کریم پر بھی ایمان لا کر تم پر سبقت لیے جا رہے ہیں اور تم غرور و تکبر میں پڑے ہو۔

حقوق والدین:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا... (۱۵)﴾

یہاں اولاد کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ والدین اسلام لے آتے لیکن اولاد کفر پر برقرار رہتی، اور بعض دفعہ اولاد اسلام قبول کر لیتی لیکن والدین کفر پر برقرار رہتے

اور بعض مرتبہ اپنی مسلمان اولاد پر تشدد بھی کرتے۔ تو یہاں اولاد کو سمجھایا جا رہا ہے کہ والدین جیسے بھی ہوں، ان کے حقوق کا خیال رکھو۔ البتہ کفر، غلط عقائد اور گناہ کے کام میں ان کی اطاعت نہ کرو۔

شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ

عَلَىٰ وَالِدَيَّ... (۱۵)﴾

ایک تفسیر کے مطابق یہ دعا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے توفیق دیں کہ وہ نعمتیں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہیں؛ میں ان پر آپ کا شکر ادا کروں۔ میں ایسے نیک اعمال کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور آپ میری اولاد کو بھی نیک بنادیں۔ اے اللہ! میں آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

قومِ عاد کو توحید کی طرف دعوت:

﴿وَإِذْ كُنَّا أَحَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ... (۲۱)﴾

توحید؛ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے پہلا عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان متفق علیہ رہا ہے۔ قومِ عاد جو یمن کے علاقے میں آباد تھی، حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر کے انہیں ہلاک کر دیا۔

جنات کا اسلام قبول کرنا:

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ... (۲۹)﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کو تبلیغ کر کے واپس مکہ تشریف لاتے ہوئے مقام نخلہ پر فجر کی نماز میں تلاوت فرما رہے تھے۔ جنات کی ایک جماعت وہاں سے گزر رہی تھی وہ ایک دوسرے کو خاموش کروا کر قرآن کریم سننے کے لیے رک گئے۔ اسلام بھی قبول کر لیا اور اپنی قوم کے لیے داعی بھی بنے۔ پھر وقتاً فوقتاً کئی وفود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور اسلام قبول کرتے رہے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو صبر کی تلقین:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعُرْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَانَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ... (۳۵)﴾

گزشتہ آیت میں تھا کہ آپ طائف سے واپس آرہے تھے جب جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا۔ اس سفر میں اہل طائف نے آپ کو تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ اب یہاں سے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو صبر کی تلقین کی جارہی ہے کہ آپ ان کی تکلیفوں پر صبر کریں جس طرح اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا۔

سورة محمد

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام نامی اسم گرامی لیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام ”سورة محمد“ رکھا گیا ہے۔

کفار اور مؤمنین کے نتائج:

﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ (۱) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ..... (۲)﴾

کافروں نے دو کام کیے ہیں:

پہلا: انہوں نے خود بھی کفر اختیار کیا۔

دوسرا: دیگر لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔

نتیجۃ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع فرمادیے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں اہل ایمان؛ ایمان لائے، نیک اعمال کیے اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جو کچھ نازل ہوا اس کو دل و جان سے مانا۔ نتیجۃ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرمادیا اور ان کے احوال اور دلوں کی بھی اصلاح فرمادی۔

جنگی قیدیوں کے متعلق احکامات:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوُثَاقَ ۖ فَمَا مَنَّا بَعْدُ وَإِنَّا فِدَاءٌ... (۴)﴾

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ قیدیوں کے بارے دو اختیار ہیں؛ فدیہ لے کر آزاد کر دیں یا بغیر فدیہ لیے آزاد کر دیں۔ جب بدر کے موقع پر کفار کے ستر آدمی گرفتار ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی اکثریت کے مشورہ سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ناراضی کی اظہار فرمایا تھا۔ جبکہ یہاں فدیہ لے کر چھوڑنے کا اختیار دیا جا رہا ہے۔

مذکورہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اصل حکم یہ ہے کہ کفار کی طاقت کو پکل کر ختم کرنا ہے۔ چونکہ غزوہ بدر میں فدیہ لے کر چھوڑنے کا مطلب یہ بن رہا تھا کہ ان کی طاقت کو اچھے طریقے سے کچلے بغیر رہا کیا جا رہا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ بعد میں جب مسلمان اور اسلام طاقتور جبکہ کفار کمزور ہو گئے تو پھر اس آیت والا حکم دے دیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان حاکم کو قیدیوں کے متعلق چار قسم کے اختیار حاصل ہیں:

- 1: جب لوگ قید ہو کر آئیں تو اگر یہ چاہے تو ان کو قتل کر دے۔
- 2: ان کو غلام بنادے۔
- 3: فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے۔ فدیہ میں مال بھی ہے اور قیدیوں کا تبادلہ یا دیگر کوئی چیز بھی۔
- 4: فدیہ کے بغیر آزاد کرے اور کچھ بھی نہ لے۔

اہل جنت کے لیے انعامات:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۖ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۖ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ۖ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى ۖ... (۱۵)﴾

گزشتہ آیات میں جہاد و قتال کا بیان تھا۔ اب جنتیوں کے انعامات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ دیگر انعامات کے علاوہ اللہ تعالیٰ چار قسم کی نہریں بھی عطا فرمائیں گے:

- ♦ پانی کی نہر جو بالکل صاف ہوگی۔
- ♦ دودھ کی نہر جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوگا۔
- ♦ شراب کی نہر جو لذت والی ہوگی، کڑوی اور بدبودار نہیں ہوگی۔
- ♦ شہد کی نہر جو بالکل صاف ستھری ہوگی۔

مؤمنین اور منافقین کے درمیان فرق:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ... (۲۰)﴾

اہل ایمان یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخلص تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے ساتھ ان کے عشق کی انتہا تھی، تو یہ انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی نئی سورت نازل ہو تاکہ ہمارا ایمان تازہ ہو اور جہاد کی اجازت بھی مل جائے۔ منافقین بھی زبانی طور پر یہی بات کہہ دیتے ہوں گے۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا تو منافقین کی حالت (خوف کی وجہ سے) اس شخص کی طرح ہو جاتی جس پر موت کی غشی طاری ہو چکی ہو۔

کفار کے لیے وعید:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِطُّ أَعْمَالَهُمْ (۳۲)﴾

اس وعید کا مصداق ہر وہ کافر ہے جو شریعت کے راستے سے روکتا ہے لیکن بطور خاص اس سے مراد بنو قریظہ اور یہود ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کی بہت مدد کی تھی۔ ان کے اعمال تباہ و برباد ہو جائیں گے یعنی آخرت میں انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں:

﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (۳۸)﴾

پہلے اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا حکم دیا، اب اللہ تعالیٰ اپنی شان بے نیازی بیان فرما رہے ہیں کہ ہمیں تمہارے اموال کی ضرورت نہیں یعنی اس کا فائدہ تمہیں ہی ہونا ہے۔ بلکہ تم خود بھی اگر تبدیل ہو گئے تو تمہاری جگہ

ہم اور لوگوں کو لائیں گے جو تمہاری طرح نہیں ہوں گے بلکہ وہ ہماری مکمل اطاعت کریں گے اور ہمارے حکموں کو مانیں گے۔

سورة الفتح

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ”فتح“ موجود ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام ”سورة الفتح“ رکھا گیا ہے۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سن 6 ہجری کو آپ عمرہ کے ارادے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مشرکین کی رکاوٹ کی وجہ سے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا فرمادی۔ یہ فتح سن 8 ہجری کو فتح مکہ کی صورت میں پوری ہوئی۔ عصمت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ...﴾ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ یہاں ”ذنب“ سے مراد گناہ نہیں بلکہ اجتہادی لغزش اور بھول چوک ہے۔

فتح اور مغفرت میں جوڑ:

”ذنب“ کا ایک معنی الزام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کی اور مدنی زندگی میں جن لوگوں نے الزام لگائے تھے، اس کھلی اور شاندار فتح کی وجہ سے وہ آپ کے معتقد و موافق بن جائیں گے۔ اب وہ الزام کے بجائے آپ کی مدح کریں گے۔

بیعت رضوان:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۖ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ

نَفْسِهِ... (۱۰) ﴿﴾

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے لیے جا رہے تھے تو حدیبیہ کے مقام پر مشرکین کی طرف سے رکاوٹ ڈالی گئی۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا کہ مشرکین کو اطلاع کریں کہ ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور کوئی مقصد نہیں۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں شہید کر دیے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں سے بیعت (رضوان) لی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

”یہ“ اللہ تعالیٰ کی صفت اور متشابہات میں سے ہے جس کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں البتہ متاخرین حضرات درجہ ظن میں اس کا معنی ”قدرت“ کرتے ہیں۔ منافقین کے حیلے بہانے:

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلْفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا...﴾ (۱۱) ﴿﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ کے سفر پر جانے لگے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو پہلے ہی سے تیار تھے۔ لیکن منافقین کے دل میں یہ تھا کہ اگر ہم عمرہ کے لیے مکہ گئے تو قتل ہو جائیں گے، واپس نہیں آسکتے جبکہ زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہماری مجبوری تھی، کچھ مصروفیت تھی اس لیے ہم نہیں جاسکے۔ تو ان کی زبان پر کچھ اور ہے اور دل میں کچھ اور۔

شرکاء بیعت حدیبیہ سے رضا کا اعلان:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ

السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (۱۸) ﴿﴾

جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت حدیبیہ کی جسے ”بیعت رضوان“ بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام شرکاء سے غزوہ بدر کے شرکاء کی طرح اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے۔

"وَ أَتَاكِبُهُمْ فَتَحًا قَرِيبًا" سے مراد فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سارا مال غنیمت بھی عطا فرمایا جس سے معاشی خوش حالی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ:

﴿ وَ هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ ... (۲۴) ﴾

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حدیبیہ سے مکہ گئے تھے۔ تو ادھر سے مشرکین نے 50 آدمی بھیج کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کرنے کی ناکام کوشش کرنا چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے ان افراد کو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار کروادیا۔ ادھر مشرکین نے حضرت عثمان اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں روک لیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پچاس افراد کو قتل کرنے سے مسلمانوں کے ہاتھوں کو روک دیا۔ ادھر مشرکین کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا وہ بھی حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے سے رک گئے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔

سکینت کا نازل ہونا:

﴿ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ أَلَزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى ... (۲۶) ﴾

جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جانے لگا تو مشرکین نے ضد اور تکبر کی وجہ سے کچھ ایسی چیزوں پر اصرار کیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناگوار گزریں۔ مثلاً "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے بجائے "بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ" اور "محمد رسول اللہ" کے بجائے "محمد بن عبد اللہ" لکھا گیا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تحمل پیدا کیا اور انہیں تقویٰ پر ثابت قدم رکھا اسی کو "سکینت" سے تعبیر کیا ہے۔

خواب کا ذکر:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينِينَ ۚ

مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَ مُقَصِّرِينَ ۚ لَا تَخَافُونَ ۚ ... (۲۷) ﴾

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔ یہاں سے اس خواب کا ذکر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سفر پر جانے سے پہلے دیکھا تھا کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر سن 6 ہجری

کے بجائے 7 ہجری کو پوری ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کے ہمراہ امن و سکون کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی فرمائی۔

غلبہ برہانی اور غلبہ عملی:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا (۲۸)﴾

وہی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اس کی گواہی کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

غلبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک ہے غلبہ برہانی اور ایک ہے غلبہ عملی۔ غلبہ برہانی یعنی دلیل کے ساتھ تمام ادیان پر دین محمد کا غالب ہونا؛ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہو چکا ہے اور غلبہ عملی؛ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ہو چکا ہے اور پورے کرہ ارض پر غلبہ عملی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہو گا، ان شاء اللہ العزیز۔

محمد رسول اللہ:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ (۲۹)﴾

صلح نامہ میں مشرکین نے اپنی ضد اور تکبر کی وجہ سے لفظ ”محمد رسول اللہ“ لکھوانے سے انکار کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ”محمد رسول اللہ“ کو نازل فرما کر قیامت تک کے لیے اس کو مستقل حصہ بنا دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات:

﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ

وَرِضْوَانًا... (۲۹)﴾

آپ علیہ السلام کے ساتھی؛ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم ہیں، تم دیکھو گے کہ وہ رکوع اور سجدے کرتے ہیں، اللہ کا فضل اور اللہ کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ کثرتِ سجد کی وجہ سے ان کے چہرے پر نشان نظر آتے ہیں۔ ان کے اوصافِ تورات و انجیل میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہے جیسے کھیتی ہو، جس نے پہلے تو اپنی کو نپل نکالی ہو، پھر اس کو مضبوط کیا ہو، پھر تھوڑی سی موٹی ہوئی ہو، پھر اپنے تنے کے سہارے کھڑی ہوئی ہو کہ کسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس سے کافروں کا دل جلے۔

سورة الحجرات

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں حجرات یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام ”سورة الحجرات“ رکھ دیا گیا ہے۔
مجلس نبوی کے آداب:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (۱)

سورت کی شروع والی آیات میں مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنا ہو اور ان معاملات میں آپ نے مشورہ بھی طلب نہ کیا ہو تو ان میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آگے بڑھنا اور پھر اس میں بحث و مباحثہ کرنا خلاف ادب ہے۔ جیسے قبیلہ تمیم کے وفد کے امیر بنانے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے پہلے حضرات شیعین رضی اللہ عنہما کے مابین بحث ہوئی تھی۔ اس وقت یہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں۔

یہ حکم جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اسی طرح آپ کی وفات کے بعد آج بھی مسجد نبوی کی حدود میں یہی حکم ہے۔

خبر کی تحقیق کرنے کا حکم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ

مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (۶)

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں عام طور پر ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو مصطلق کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لیے حضرت ولید بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو قبیلہ والے ان کے استقبال کے لیے بستی سے باہر آ گئے۔ انہیں غلط فہمی ہوئی کہ شاید یہ لوگ لڑنا چاہتے ہیں کیونکہ اس قبیلہ کے

لوگوں کے ساتھ پہلے ان کی عداوت تھی۔ یا پھر غلط فہمی کی وجہ یہ بنی کہ وہاں پر کسی شریر شخص نے انہیں یہ کہا کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ ایک روایت (جسے مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے) میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے انسانی شکل میں آکر انہیں بتایا کہ وہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ”فَحَدَّثَهُ الشَّيْطَانُ أَنَّهُمْ يُرِيدُونَ قَتْلَكَ“ بہر حال کوئی وجہ بھی ہو، چاہے آپ کی غلط فہمی ہو، شریر شخص نے بتلایا ہو یا شیطان نے انسانی روپ دھار کر بتایا ہو۔

آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس لوٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا معاملہ بیان کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو یہ محبوبانہ تنبیہ فرمائی گئی کہ جب فاسق (شریر انسان یا شیطان) نے آپ کو غلط خبر دی تو آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس کی تحقیق کرتے۔

آیت میں فاسق سے مراد صحابی رسول حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ وہ شریر انسان یا شیطان ہے اور صحابی کو از روئے محبت یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ ان معاملات میں تحقیق کیا کرو۔ یہ صحابی سے محبت کا معاملہ ہے کہ ان کی غلط فہمی کی اصلاح کی جا رہی ہے۔ گویا اس آیت میں صحابی کی مدح بیان کی گئی ہے۔

اور اس آیت میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی فاسق ایسی خبر دے جس کی تحقیق (دینی یا دنیاوی اعتبار سے) ضروری ہو تو وہاں تحقیق کر لیا کرو۔ آیت میں کسی صحابی کو فاسق نہیں کہا جا رہا۔

آداب معاشرت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ... (۱۱)﴾

ہر وہ بات جس سے معاشرے میں لڑائی یا فتنہ کا اندیشہ ہو یا اس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے اس سے ان دو آیات میں منع کیا گیا ہے۔ مثلاً کوئی مرد کسی مرد کا مذاق نہ اڑائے، نہ ہی کوئی عورت کسی دوسری عورت کا مذاق اڑائے۔ ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکاریں۔ بدگمانی نہ کریں۔ کسی کے عیب تلاش نہ کریں۔ کسی کی غیبت نہ کریں۔

عزت کا دار و مدار تقویٰ پر ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ... (۱۳)﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے مختلف قبائل، اقوام اور خاندان بنائے ہیں۔ ان کا مقصد صرف پہچان ہے۔ یہ مقصد نہیں کہ ایک دوسرے پر بڑائی اور عزت جتائیں۔ عزت اور بڑائی کا دار و مدار تقویٰ پر ہے۔

سورۃ ق

وجہ تسمیہ:

”ق“ حروف مقطعات میں سے ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس سورت کی ابتداء میں یہ حرف ”ق“ موجود ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام ”سورۃ ق“ رکھا گیا ہے۔
اس سورت میں زیادہ تر عقیدہ آخرت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔
بعث بعد الموت کا اثبات:

﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ﴾ (۴)

ابتدائی آیات میں منکرین آخرت کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ جمع کیسے کیا جائے گا؟ انہیں جواب دیا گیا کہ زمین جن حصوں کو گھٹا دے گی ان کا ہمارے پاس پورا علم ہے اور ہمارے پاس کتاب میں سب کچھ محفوظ ہے۔ اس لیے ہم ان حصوں کو جمع کر لیں گے۔
منکرین انبیاء کا کچھ تذکرہ:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ﴾ (۱۲) وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے کہ یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس سے پہلے بھی نوح علیہ السلام کو جھٹلایا گیا۔ کنوئیں والی قوم نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ قوم ثمود نے بھی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ قوم عاد نے بھی جھٹلایا۔ قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور قوم لوط نے بھی جھٹلایا۔

کر اماکاتین:

﴿إِذْ يَتَلَفَّى الْمُتَكَلِّفِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ﴾ (۱۷)

قیامت کے دن ہر انسان کا اعمال نامہ بطور حجت اس کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ وہ خود دیکھ لے کہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ ایک انسان کے دائیں کندھے پر اور ایک انسان کے بائیں کندھے پر موجود ہے۔ وہ جو بھی کام کرتا ہے اسے لکھ لیتے ہیں۔

جہنم سے سوال اور اس کا جواب:

﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ﴾ (۳۰)

اس وقت کو بھی یاد رکھو جب ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تمہارا پیٹ بھر گیا ہے؟ تو وہ کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟ جہنم سے یہ سوال صرف تحدیداً اور زجر کے لیے ہو گا کہ جو لوگ پہلے سے جہنم میں ہوں گے تو اس سے ان پر خوف طاری ہو جائے گا۔

متقین کا انعام:

﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾ (۳۱)

گزشتہ آیت میں جہنم اور اہل جہنم کا تذکرہ تھا۔ اب یہاں سے اہل جنت کا تذکرہ ہے کہ جنت کو متقین کے بالکل قریب کر دیا جائے گا اور یہ بالکل بھی دور نہیں ہوگی۔ یہ چیز ہر اس بندے کے لیے ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور گناہوں سے اپنی حفاظت کرنے والا ہو۔

فریضہ امام الانبیاء ﷺ:

﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكَرْنَا بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْنِ﴾ (۴۵)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ صرف لوگوں تک نصیحت کو پہنچا دینا ہے، لوگوں کو منوانا نہیں۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فریضہ ادا فرمادیں۔ جس کے دل میں آخرت کے دن اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہو گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا خوف اور فکرِ آخرت نصیب فرمائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر کاربند فرما کر دنیا و آخرت کی کامیابیاں نصیب فرمائے۔ آمین

سورة الذریت

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی ابتداء میں ﴿وَالذَّرِیَّتِ﴾ کا لفظ ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام "سورة الذریت" رکھا گیا ہے۔

یہ سورت پارہ نمبر 26 کے آخر سے شروع ہو رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ کچھ پارہ نمبر 26

میں ہے، کچھ پارہ نمبر 27 میں۔

چار قسم کی مخلوق کی قسم:

﴿وَالذَّرِیَّتِ ذُرَّوۡا۟ (۱) فَالْحُمِلَتِ وُقُرَّا (۲) فَالْجُرِیَّتِ یُسْرًا (۳) فَالْمُقَسَّیَّتِ اَمْرًا (۴)﴾

﴿وَالذَّرِیَّتِ ذُرَّوۡا۟﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد و غبار کو اڑاتی ہیں۔

﴿فَالْحُمِلَتِ وُقُرَّا﴾ قسم ہے ان بادلوں کی جو بوجھ اٹھاتے ہیں۔

﴿فَالْجُرِیَّتِ یُسْرًا﴾ قسم ہے ان کشتیوں کی جو آسانی سے چلتی ہیں۔

﴿فَالْمُقَسَّیَّتِ اَمْرًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب مخلوق کی قسمیں کھائیں تو اس سے یا تو قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرنا مقصود ہوتا

ہے یا پھر قسموں کے بعد والی چیز (قیامت ضرور آئے گی) پر قسموں کو دلیل بنانا مقصود ہوتا ہے۔

مؤمنین متقین کی صفت:

﴿وَفِیۡ اَمْوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلۡسَّائِلِیۡ وَ الْمَحْرُوۡمِ (۱۹)﴾

مؤمنین کے اموال میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کا حق ہوتا ہے۔ بعض محتاج وہ ہیں جو مانگتے ہیں، بعض

محتاج وہ ہیں جو مانگتے نہیں۔ تو مؤمنین متقین کی صفت یہ ہے کہ مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں؛ دونوں کو دیتے ہیں۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیۡنَ۔

پارہ نمبر 27

مختلف قوموں کے انجام:

﴿وَفِي مِثَالِهِ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ (۳۸)﴾

یہاں سے کچھ آیات تک اللہ تعالیٰ نے مختصر آ قوم فرعون، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم نوح کی سرکشی اور ان

کے انجام بد کا ذکر فرمایا ہے۔

تخلیق باری تعالیٰ کے نمونے:

﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهُ بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (۴۷)﴾

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو طاقت سے پیدا کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش برساتے ہیں اور پھر

بارش کے ذریعے لوگوں کے رزق میں وسعت پیدا فرمادیتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک اور نمونہ

بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں۔ کالا پیدا کیا تو سفید بھی پیدا کیا، میٹھا پیدا کیا تو کڑوا بھی

بنایا، مرد کو بنایا تو عورت کو بھی بنایا، مسلمان کو پیدا کیا تو کافر کو بھی پیدا کیا۔ یہ اس کی قدرت کی نشانی ہے۔

سورة الطور

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کی ابتداء میں ”الطور“ (کوہ طور) کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة الطور“

رکھا گیا ہے۔

پانچ قسمیں:

﴿وَالطُّورِ (۱) وَكِتٰبٍ مُّسْتَوٍ (۲) فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ (۳) وَالْبَيْتِ الْمُعْمُورِ (۴) وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ (۵)﴾

(۵) وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ (۶)﴾

قسم ہے طور کی۔ قسم ہے کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہوئی ہے، مراد اس سے یا تو لوح محفوظ ہے یا

اعمال نامہ ہے یا قرآن کریم ہے۔ قسم ہے بیتِ معمور کی، بیتِ معمور؛ بیت اللہ کے بالکل محاذات میں ساتویں آسمان پر ملائکہ کا قبلہ ہے، ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں، جو فرشتہ ایک بار طواف کر لے پھر اسے قیامت تک موقع نہیں ملتا۔ قسم ہے بلند چھت کی، مراد اس سے آسمان ہے۔ قسم ہے اس دریا کی جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ مذکورہ پانچ قسمیں اپنے بعد آنے والی چیز یعنی وقوعِ عذاب پر گواہ ہیں۔

مجرمین کا انجام:

﴿إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَاءَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۱۶)﴾

دنیا میں آدمی کو تکلیف آتی ہے اور وہ گڑ گڑاتا ہے تو تکلیف دینے والے کو ترس آجائے تو وہ کبھی چھوڑ بھی دیتا ہے لیکن آخرت کا معاملہ یوں نہیں ہے، فرمایا: اس جہنم میں داخل ہو جاؤ، اب تم برداشت کرو یا تم برداشت نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے، اب تمہارے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔

متقین کا انعام:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَ نَعِيمٍ (۱۷) فَكِهِينَ بِمَا أُنْتَهُم رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقَهُمُ رَبُّهُمْ عَذَابَ

الْجَحِيمِ (۱۸)﴾

گزشتہ آیت میں مجرمین کا ذکر تھا، یہاں متقین کا ذکر ہے کہ متقین باغات میں ہوں گے، اللہ کی نعمتوں میں ہوں گے، خوش ہوں گے ان انعامات میں جو خدا نے انہیں دیے ہوں گے۔ ان کا رب ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لے گا۔ حکم ہو گا کہ مزے سے کھاؤ اور پیو، یہ تمہارے اعمال کے بدلے میں تمہیں دیا جا رہا ہے۔ جنتی لوگ نشستوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں گے اور یہ نشستیں ترتیب سے بچھی ہوں گی۔ بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کا نکاح فرمائیں گے۔ دعا کریں اللہ ہم سب کو عطا فرمائے۔ (آمین)

ایکشن نہیں سلیمیشن:

﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضْطَرُونَ (۳۷)﴾

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ طائف والے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی بنانا تھا تو ہم میں سے کسی دولت والے

بڑے آدمی کو بناتے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں کہ جس کو چاہیں نبی بنائیں اور جس کو چاہیں نبی نہ بنائیں؟ نبوت الیکشن سے نہیں بلکہ سلیکشن سے ملتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نبوت کسی نہیں بلکہ وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو دنیوی مال و متاع اور رزق بھی اپنے اختیار میں رکھا ہے، تو نبوت جیسا بڑا رتبہ کیسے ان کی خواہش کے تابع ہو سکتا ہے؟
فرائض خاتم الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ (۴۸) وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ (۴۹)﴾

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرائض بیان کیے: اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کریں اور تین اوقات میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ آپ صبر کریں کیونکہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں، مخالفین آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، اور یہ جو آپ کو پریشانی ہے کہ یہ لوگ بات نہیں مانتے تو آپ خود کو مشغول کر لیں۔ چنانچہ ان تین اوقات میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں:

1: کسی مجلس سے اٹھتے ہوئے یا تہجد کے لیے اٹھتے ہوئے۔

2: رات کے وقت یعنی نماز مغرب اور عشاء کے وقت۔

3: ستاروں کے ڈوبنے کے وقت یعنی فجر کے وقت۔

سورة النجم

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا آغاز ہی لفظ ”النجم“ سے ہے، اس لیے سورت کا نام بھی ”سورة النجم“ رکھا گیا ہے۔

ستارے کی قسم کھانے میں حکمت:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ (۱) مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (۲)﴾

ستارے کی قسم کھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح عرب لوگ ستارے کی مدد سے راستہ تلاش کرتے تھے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہیں۔ ستارے کا جو راستہ مقرر ہے وہ اسی پر چلتا ہے بالکل اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ راستہ بھولے ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہیں۔ ستارہ تھوڑے وقت کے بعد غائب ہو جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں تھوڑے وقت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائدہ حاصل کرنے والوں کو جلدی کرنی چاہیے۔

قرآن و حدیث کی حجیت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ بھی نہیں بولتے بلکہ یہ خالص وحی ہے جو ان کے پاس آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی بات فرماتے ہیں تو وحی سے فرماتے ہیں۔ اگر مراد معانی اور الفاظ دونوں ہوں تو اس کا نام قرآن ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ معنی بتا دیا جائے اور الفاظ نہ بتائے جائیں تو اس کا نام حدیث ہے۔ اس سے قرآن و حدیث دونوں کا حجت ہونا ثابت ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ کا جبرائیل کو دیکھنا:

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى (۵) ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى (۶) وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى (۷)﴾

مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ جبرائیل امین علیہ السلام؛ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی شکل میں وحی لے کر آتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پتا چلتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے؟ یہاں انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائش کی تھی کہ اصلی شکل میں آئیں۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر دیکھا تھا۔ اس لیے جب وہ وحی لے کر آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہچان لیتے ہیں۔

مشرکین کی تردید:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى (۱۹) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى (۲۰)﴾

مشرکین نے تین بت لات، عزیٰ اور منات اپنے اپنے خدا بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جولات،

منات اور عزرا تم نے خدا بنا رکھے ہیں کیا ان میں کبھی تم نے غور کیا ہے؟ یہ تو صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے خود رکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کافر لوگ اپنے خیالات و خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

مشرکین کے غلط عقیدے کی تردید:

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْبِيَةً الْأُنثَى (۲۷) وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ... (۲۸)﴾

مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بناتے اور ثابت کرتے تھے۔ یہاں ان کے اس عقیدے کی تردید کی جارہی ہے کہ ان کے پاس اپنے اس عقیدے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى (۳۳) وَاعْطَى قَلِيلًا وَّ اكْذَى (۳۴)﴾

ان آیات کا پس منظر یہ ہے ایک شخص نے قرآن مجید کی آیات سنیں اور اس کا دل ایمان کی طرف مائل ہو گیا تو اسے اس کے دوست نے کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نیا دین کیوں اختیار کر رہا ہے؟ یوں اسے کچھ عار دلائی۔ اس نے کہا کہ میں تو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں کہ کہیں آخرت میں میری پکڑ نہ ہو جائے! دوست نے کہا کہ اگر تم مجھے کچھ پیسے دے دو تو میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ آخرت کی پکڑ سے تمہیں بچا لوں گا۔ یہاں ان کی اس بات کی تردید کی جارہی ہے کہ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اسے جہنم کے عذاب سے بچالے؟ اگلی آیت میں ہے کہ "کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا"۔

آیتِ سجدہ:

﴿فَاسْجُدْ لِلَّهِ وَاعْبُدْ (۶۲)﴾

آیت سجدہ عربی میں پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ سورۃ النجم پہلی سورۃ ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی۔ مجمع میں علی الاعلان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔

سورة القمر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ”القمر“ (چاند) کے پھٹ جانے کا ذکر ہوا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة القمر“ رکھا گیا ہے۔

صد اقت نبوت؛ چاند کا دو ٹکڑے ہونا

﴿اِفْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۱)﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تھے اور رات کا وقت تھا۔ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت پر معجزہ طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر معجزہ اور نشانی دکھا دوں تو تم کلمہ پڑھ لو گے؟ کہا: پڑھ لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا، اللہ کے حکم سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ ایک ٹکڑا مشرق اور ایک مغرب کی جانب چلا گیا۔ مشرکین نے اسے جادو کہہ کر نہ مانا اور بدستور اپنی ضد اور کفر پر قائم رہے۔

قوم نوح پر طوفان:

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ (۹) فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ

فَأَنْتَصِرْ (۱۰)﴾

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی قوم والے بسا اوقات ان کا گلا دباتے، نوح علیہ السلام بے ہوش ہو جاتے لیکن پھر بھی اللہ سے دعا مانگتے کہ اللہ! ان کو ہدایت دے دیں، ان کو پتا نہیں کہ میں ان کا کتنا خیر خواہ ہوں۔ ساڑھے نو سو سال اس تکلیف میں گزارے اور بالآخر اللہ سے مدد مانگی کہ اے اللہ! میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے ذریعہ قوم کو تباہ فرمادیا۔

قرآن کریم کے آسان ہونے کا معنی:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ (۱۷)﴾

آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک حیثیت واعظ اور ناصح ہونے کی ہے۔ قرآن کریم کی

دوسری حیثیت شارع (عقائد و احکامات) ہونے کی ہے۔ پہلی حیثیت کے اعتبار سے آسان ہے۔ عقائد و احکامات کی حیثیت آسان نہیں ہے، اس اعتبار سے محنت کرنی پڑتی ہے، پوری زندگیاں کھپانی پڑتی ہیں اور پھر بھی آدمی سمجھتا ہے کہ شاید مجھ سے کہیں غلطی نہ ہو گئی ہو۔

پہلی قوموں کے واقعات:

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ (۱۸)﴾

یہاں سے لے کر اگلے رکوع کے بعد تک اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں میں سے چند کے واقعات کو بیان فرمایا ہے۔ قوم عاد جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی، قوم ثمود جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کی، قوم لوط جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت کو نہ مانا اور فرعون اور اس کے متبعین جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد بعد والوں کے لیے درس عبرت ہے۔

مجرمین اور متقین کا انجام:

﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعْرٍ (۴۷)﴾

یہاں سے لے کر سورت کے آخر تک اللہ تعالیٰ نے مجرمین اور متقین کے انجام کو بیان فرمایا ہے۔ مجرمین بڑی گمراہی اور بے عقلی میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے منہ کو آگ میں گھسیٹا جائے گا۔

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ (۵۴)﴾

مستقین کو آخرت میں اللہ تعالیٰ انعامات کے طور پر باغات اور نہریں عطا فرمائیں گے۔

سورة الرحمن

وجہ تسمیہ:

اس سورت کا آغاز لفظ "الرحمن" سے ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الرحمن" رکھا گیا۔

لفظ: الرحمن سے سورت کے آغاز کی وجہ

﴿الرَّحْمَنُ (۱)﴾

مشرکین مکہ رحمن کے نام سے واقف تو تھے لیکن ان میں یہ اسم گرامی زیادہ معروف نہیں تھا۔ بطورِ ضد بھی وہ کہا کرتے تھے: ”مَا الرَّحْمَنُ؟“ کہ رحمن کیا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رحمن کے نام سے پوری سورت نازل فرمائی اور اس کا آغاز بھی لفظ رحمن سے کیا ہے۔

قرآن سب کو سیکھنا چاہیے:

﴿عَلَّمَ الْقُرْآنَ (۲)﴾

رحمن نے قرآن سکھایا ہے۔ جو سکھایا ہے اس کا ذکر تو ہے اور جس کو سکھایا ہے (یعنی مفعول بہ) اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی براہ راست جس شخصیت کو تعلیم دی گئی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے۔ پھر آپ کے واسطے سے آپ کی امت کو تعلیم دی گئی۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم کی تعلیم ہر کسی کو دینی ہے اس لیے اس کا مفعول بہ ذکر نہیں فرمایا۔

جن اور انس کو خطاب:

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ (۱۳)﴾

اللہ تعالیٰ کی پوری کائنات میں مختلف قسم کی بے شمار نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً انسانوں اور جنوں کو خطاب کر کے یہ نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ ایک بار نہیں بلکہ بار بار اس آیت "اب تَأْوِثُ" اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" کو دہرایا ہے۔

زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (۲۶) وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (۲۷)﴾

ہر وہ چیز جو زمین پر ہے ختم ہو جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات رہ جائے گی۔

"وَجْهُ رَبِّكَ" سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ زمین و آسمان سب ختم ہو جائیں گے لیکن چونکہ پہلے تذکرہ زمین کا تھا اس لیے فرمایا کہ زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

فنا کی دو قسمیں ہیں: امکانی اور عملی۔ ذات باری تعالیٰ میں نہ فنائے عملی ہے نہ ہی فنائے امکانی۔ اس کی مزید

وضاحت کے لیے میری کتاب ”شرح الفقہ الاکبر“ کا مطالعہ فرمائیں۔

جن وانس کی بے بسی:

﴿يَمْعَشَرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ (۳۳)

اے جن اور انس! اگر تم آسمان اور زمین کی حدود سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، لیکن یہ نکلنا بغیر طاقت کے نہیں ہے اور طاقت تمہارے پاس ہے نہیں تو تم کیسے نکلو گے؟ مطلب یہ ہے کہ جن وانس اللہ تعالیٰ کی پوچھ پگچھ اور عذاب سے اگر کہیں بھاگنا چاہیں بھی تو نہیں بھاگ سکتے۔

انعاماتِ خداوندی:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّٰتٍ (۴۶)﴾

اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس کے بعد سورت کے آخر تک اہل ایمان جنوں اور انسانوں کے لیے بے شمار نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جنت اور جنت کے انعامات، باغات اور چشموں کا ذکر کیا، جنت کی حوروں کا ذکر کیا، پھر ان حوروں کے اوصاف بیان فرمائے تاکہ مؤمنین کی توجہ ان نعمتوں کی طرف ہو جائے اور دنیا کی گندی چیزوں سے بچ جائیں اور آخرت کی پاک صاف نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نعمتوں کے لیے کوشش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔

سورة الواقعة

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی ابتداء میں لفظ ”الواقعة“ موجود ہے۔ اس لیے اس کا نام ”سورة الواقعة“ رکھ دیا گیا ہے۔

قیامت کی ہولناکی کا بیان:

﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱) لَيْسَ لَوْعَتِهَا كَذِبَةٌ (۲)﴾

جب قیامت آئے گی اور قیامت کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ تو یہ کفار کو جھکا کے رکھ دے

گی۔ دنیا میں کافر قیامت کا انکار کرتے رہے۔ جب قیامت کا واقعہ رونما ہو گا تو اس وقت کفار بھی اسے نہیں جھٹلا سکیں گے۔

انسانوں کی تین جماعتیں:

﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً﴾ (۷)

قیامت کے دن تمام انسان اپنے انجام کے اعتبار سے تین جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے:

[1]: پہلی جماعت اللہ تعالیٰ کے ان مقرب بندوں کی ہوگی جو ایمان اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے عالی مقام پر ہوں گے۔

[2]: دوسری جماعت ان خوش نصیب عام ایمان والوں کی ہوگی جنہیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

[3]: تیسری جماعت ان کفار کی ہوگی جنہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

پھر آگے مذکورہ تینوں جماعتوں کو پیش آنے والے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔

اہل جنت کے لیے انعامات:

﴿أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ﴾ (۱۱) ﴿فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِ﴾ (۱۲)

اہل جنت کو جنت میں نعمتیں؛ باغات، بیٹھنے کے لیے آمنے سامنے اونچی اونچی نشیمنیں جن پر تکیہ لگائے

ہوئے ہوں گے، شراب و غلمان، پھل اور پرندوں کا گوشت وغیرہ عطا کی جائیں گی۔

اہل جہنم کے عذاب کا ذکر:

﴿وَاصْحَابُ الشِّمَالِ﴾ (۱۱) ﴿فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ﴾ (۱۲)

اصحاب الشمال [بائیں ہاتھ والوں] یعنی اہل جہنم کو آخرت میں مختلف قسم کے عذابوں کا سامنا کرنا پڑے

گا۔ گرم لو، کھولتا ہوا پانی اور دھواں وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی چار عظیم نعمتیں:

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُفِّرُوا﴾ (۵۸) ﴿أَنْتُمْ تَخْلُقُونَهَا أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ﴾ (۵۹)

- ✽ تخلیق انسانی: یہ بتاؤ! کہ تم جو نطفہ ٹپکاتے ہو کیا تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟
 - ✽ کھیتی اگانا: یہ بتاؤ! کہ جو کھیتی تم بوتے ہو کیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟
 - ✽ پانی کی فراہمی: یہ بتاؤ! جو پانی تم پیتے ہو کیا تم اس کو بادلوں سے اتارتے ہو یا ہم اتارتے ہیں؟
 - ✽ آگ کی نعمت: اچھا یہ بتاؤ! یہ جو آگ تم جلاتے ہو اس کا درخت تم اگاتے ہو یا ہم اگا رہے ہیں؟
- صد اقتِ قرآن:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ (۷۷) فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ (۷۸) لَا يَسُوءُ إِلَّا الَّامُطَهَّرُونَ (۷۹)﴾

ان آیات میں مشرکین کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے اور بغیر کسی کمی بیشی کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام دیا گیا ہے۔ بغیر وضو کے قرآن کریم کو چھونا جائز نہیں۔

منکرینِ بعث بعد الموت کی تردید:

﴿فَلَوْ لَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ (۸۳) وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ (۸۴) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ

لَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ (۸۵)﴾

مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے۔ گویا ان دعویٰ تھا کہ ان کی زندگی اور حیات ان کے قبضے میں ہے۔ یہاں ان کی تردید کی جا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص قریب الموت ہو اور تم اس کی روح نکلتے ہوئے دیکھ رہے ہو اور تم چاہتے بھی ہو کہ اس کی روح نہ نکلے مگر تمہیں اس وقت احساس ہو جاتا ہے کہ اس کی روح کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ تو پھر تم بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دوبارہ اٹھائیں گے۔

سورة الحديد

وجہ تسمیہ:

"حید" "لوہے کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں لوہے کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام "سورة الحديد" رکھا گیا ہے۔

اول اور آخر کا مطلب:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (۳)

اللہ تعالیٰ اول حقیقی اور آخر حقیقی ہے۔ اول حقیقی کا معنی کہ جس کی کوئی ابتدا نہیں یعنی اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ آخر حقیقی کا معنی کہ جس کی کوئی انتہا نہیں یعنی جب ہر چیز فنا ہو جائے گی وہ اس وقت بھی موجود رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی ہیں۔ ظاہر اس اعتبار سے کہ اس کے وجود و قدرت کی نشانیاں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔ باطن اس اعتبار سے کہ دنیا میں وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ...﴾ (۱۰)

تم اللہ کے راستے میں مال خرچ کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ زمین و آسمان کا وارث تو اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ مال جو تمہیں دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے، تمہیں تھوڑے وقت کے لیے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے انسان کو رکنا نہیں چاہیے بلکہ بڑھ چڑھ کر خرچ کرنا چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان فرق مراتب:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٍ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ

أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَتْلًا ۚ وَكَذَٰلِكَ اللَّهُ الْخَسِيُّ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (۱۰)

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سابقین ہیں یعنی وہ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد و انفاق کیا ان صحابہ کرام سے درجہ اور ثواب میں بڑے ہیں جنہوں نے یہ کام فتح مکہ کے بعد کیے۔ البتہ جنتی ہونے میں اور صحابی ہونے میں سب برابر ہیں۔

مؤمنین اور منافقین کا ذکر:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ...﴾ (۱۲)

پھر مؤمنین کا ذکر فرمایا کہ جب وہ پل صراط کی طرف جائیں گے تو ان کا نور ان کے سامنے بھی ہو گا اور

دائیں جانب بھی ہو گا، اور مؤمن اور منافق دونوں پل صراط کی طرف آئیں گے تو وہاں منافقین کا نور ختم ہو جائے گا۔ اس وقت یہ لوگ پریشان ہوں گے اور مؤمنین کو پکار کر کہیں گے: ہمیں بھی تھوڑا سا نور دے دو۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ اور نور تلاش کرو! لیکن ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جس کے اندر کی طرف رحمت ہو گی اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ... (۲۵)﴾

انبیاء و رسل علیہم السلام کو معجزات، کتب اور ترازو دے کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اعتدال پر قائم رہیں۔

رہبانیت کی ابتدا:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ... (۲۷)﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائیوں کا ایک طبقہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے لگا۔ نہ وہ شادی کرتا اور نہ ہی دنیا کی لذتوں کو استعمال کرتا اور انہوں نے اپنے دین کو بچانے کے لیے شہروں سے دور رہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا انہیں حکم نہیں دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے پھر اس رہبانیت کی بھی رعایت نہیں کی۔ یاد رہے کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والا بنائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

پارہ نمبر 28

سورة المجادلة

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں مجادلہ کا ذکر ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام ”سورة المجادلة“ رکھ دیا ہے۔
اس سورت میں بنیادی طور پر چار چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ظہار اور اس کے احکام، منافقین اور یہودیوں کی سرگوشی کے احکامات، مجلس کے آداب اور منافقین کی حقیقت۔

شان نزول:

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ... (۱)﴾

حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کر لیا تھا۔ ظہار کہتے ہیں: بیوی کو اپنی ماں، بہن یا دیگر کسی محرم خاتون (جس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو) کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس کو دیکھنا حرام ہو۔ مثلاً خاوندیوں کہے: ”تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں یا بہن کی پشت ہے۔“ خاوند نے جب حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ اس وقت تک ظہار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس اس کے متعلق ابھی تک کوئی حکم نہیں آیا، شاید تم اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہو۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہی تھیں کہ میرے شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں کہا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

مسئلہ ظہار، کفارہ کا حکم:

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا... (۳)﴾

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے تو جب کفارہ ادا نہ کر لے اس وقت تک بیوی کے پاس نہیں جا

سکتا۔ یہاں کفارے کی صورتیں بیان کی ہیں:

- 1: غلام آزاد کرے۔
- 2: اگر غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔
- 3: اگر کسی شرعی عذر (بڑھاپے یا بیماری) کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

یہود کی سرگوشی:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نُّجُوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رٰبِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ... (۷)﴾

یہودیوں کی عادت تھی کہ جب مسلمانوں کو آتا دیکھتے تو آپس میں سرگوشی کرتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ مسلمان پریشان ہوں کہ شاید ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ یہود و منافقین کو سرگوشی سے منع کیا گیا لیکن وہ پھر بھی باز نہ آئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی سرگوشیوں اور سازشوں کی سب خبر ہے، یہ اپنی خیر منائیں۔

مجلس کے آداب:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجْلِسِ فَاَفْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ... (۱۱)﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صفہ چبوترے میں تشریف فرما تھے۔ کچھ بدری اکابر صحابہ کرام تشریف لائے، جگہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کھڑے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سمٹ جاؤ پھر بھی ان کی جگہ نہ بنی تو آپ نے کچھ حضرات کو مجلس سے اٹھنے کا فرمایا۔ منافقین نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ مجلس سے اٹھایا جا رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب کہا جائے سمٹ کر بیٹھو تو سمٹ جاؤ۔ صدر مجلس کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی کو مجلس سے اٹھ جانے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔

احکامات:

✽ جب یہ کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کشادہ کرو تو کشادگی پیدا کیا کرو۔

☀ جب دو بندے بیٹھے ہوں اور سرگوشی کر رہے ہوں تو تیسرے آدمی کو آکر نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک کہ اجازت نہ ہو۔

☀ جب کچھ لوگ بیٹھے ہوں تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ کسی کو اٹھاؤ اور خود بیٹھ جاؤ!

☀ جب کوئی بڑا کہہ دے کہ اٹھ جاؤ! تو فوراً اٹھ جایا کرو۔

ملاقات سے پہلے صدقہ دینا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ... (۱۲)﴾

کچھ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے تنہائی کا وقت مانگتے، پھر اس سے خوب فائدہ اٹھاتے اور کافی وقت تک بات چیت کرتے رہتے۔ کچھ منافقین بھی اس طرح کرنے لگے۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں وقت لینا ہو تو وہ پہلے صدقہ کر کے آئے۔ جب لوگ محتاط ہو گئے تو اگلی آیت میں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

حزب اللہ کی کامیابی:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ... (۲۲)﴾

یہاں حزب اللہ یعنی اہل ایمان کا حال بیان کیا ہے کہ ایسے کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ان لوگوں سے پیار کریں جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے مخالف ہوں۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ جب اپنے باپ یا بیٹے سے اسلام کے خلاف کوئی بات سنتے تو ان سے انتقام لیتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نے قبول اسلام سے قبل جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی نازیبا بات کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں تھپڑ رسید کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کو دو انعامات عطا فرمائے:

1: دنیا میں اللہ تعالیٰ نور ایمان سے ان کی مدد فرمائیں گے۔

2: آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرما کر انہیں اپنی رضا مندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا ہے۔

سورة الحشر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی دوسری آیت میں لفظ "حشر" موجود ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام "سورة الحشر" ہے۔

بنو نضیر کا واقعہ:

﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ... (۲)﴾

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہود سے امن و امان کا معاہدہ فرمایا کہ آپس میں لڑائی نہیں کریں گے۔ اگر کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو مل کر دفاع کریں گے۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے ایک قبیلہ بنو نضیر کے پاس شرائط معاہدہ لکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ انہوں نے سازش کی کہ اوپر سے بڑی چٹان گرا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ سے باخبر کیا تو آپ وہاں سے فوراً واپس تشریف لے آئے اور پیغام بھیجا کہ ہمارا معاہدہ ختم ہے۔ پھر ان کے لیے مدت مقرر کی کہ اس مدت تک مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔

یہود؛ منافقین کے کہنے پر اس مدت کے بعد بھی مدینہ منورہ میں رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مل کر ان کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ بالآخر بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دیے اور سوائے ہتھیاروں کے باقی ساز و سامان لے کر وہاں سے چلے گئے۔ یہ ان کی پہلی جلاوطنی تھی۔ دوسری مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہیں جزیرہ عرب سے ہی جلاوطن کر دیا گیا۔ یہ دنیوی سزا تھی۔ اخروی سزا جہنم کی صورت میں ہوگی۔

مال فنی کے مصارف:

﴿مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْأَبْنَاءِ لَا يَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ... (۷)﴾

گزشتہ آیت میں بنو نضیر کا واقعہ تھا کہ وہ اپنی زمینیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہ مال فنی تھا کیوں کہ یہ بغیر

جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا۔ اب یہاں سے مال فنی کے مصارف بیان فرما رہے ہیں۔ اور وہ پانچ ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرابتدار، یتیم، مسکین اور مسافر۔ اللہ تعالیٰ کا نام صرف تبرک کے لیے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایثار:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ... (۹)﴾

یہاں انصارِ مدینہ کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اوپر مہاجرین صحابہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ خصوصاً حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کچھ مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے ہاں لے گئے۔ کھانا کم تھا تو انہوں نے بہانے سے چراغ بجھا دیا۔ مہمانوں نے خوب سیر ہو کھانا تناول فرمایا۔

بنو قینقاع کی شکست:

﴿كَمْثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۵)﴾

یہاں یہود کے ایک اور قبیلے بنو قینقاع کا ذکر کیا۔ انہوں نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ امن کیا تھا، پھر خود ہی جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی اور مدینہ منورہ سے جلا وطن کیے گئے۔

منافقین شیطان کی طرح ہیں:

﴿كَمْثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ اكْفُرْ ۖ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ

الْعَالَمِينَ (۱۶)﴾

شیطان لوگوں کو کفر پر اکساتا ہے۔ جب لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں بری ہوں۔ جیسے بدر کے موقع پر ہوا۔ آخرت میں بھی یہی کرے گا۔ اسی طرح منافقین بھی یہود بنو نضیر سے کہہ رہے تھے کہ تم ڈٹے رہو اور مدینہ سے نہ نکلو، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جب وقت آیا تو منافقین نے شیطان والا موقف اپنا لیا۔

اسمائے حسنیٰ:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۲۳)﴾

سورت کا اختتام اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں کے ساتھ کیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تعداد ننانوے بتائی ہے۔

سورة الممتحنة

وجہ تسمیہ:

"ممتحنہ" کا معنی ہے امتحان لینے والی۔ اس سورت میں ان عورتوں کا امتحان لینے کا حکم دیا گیا ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت سے کر کے مدینہ منورہ آئیں۔ اس لیے اس سورت کا نام "سورة الممتحنة" رکھ دیا گیا۔ دشمن خدا سے دوستی جائز نہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ... (۱)﴾

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ حدیبیہ کے بعد جب کفار کی طرف سے صلح حدیبیہ کی عہد شکنی کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو اطلاع کروادی کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا۔ مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی تیاری شروع فرمادی۔ مکہ کی ایک عورت سارہ نامی، مالی مدد کے لیے آئی ہوئی تھی۔ اس کے ذریعے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کی خاطر؛ جو مکہ میں تھے؛ قریش پر احسان کرنے کے لیے خط بھیجا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مکہ پر حملہ آور ہوں گے۔ اس کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں کہ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجنے لگو! حالانکہ ان لوگوں نے تمہارے دین حق کو جھٹلایا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کے نبی کو اور تمہیں مکہ سے صرف اس وجہ سے نکالا تھا کہ تم اللہ رب العزت پر ایمان لاتے ہو!

کفار سے ترک موالات پر تائید:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا الْقَوْمِ لَهُمْ إِنَّا بَرَاءُكُمْ وَمِنْكُمْ وَ

مِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ... (۴)﴾

سورت کے شروع میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں پر احسان کر کے انہیں دلی دوست مت بناؤ۔ اب یہاں سے اس کی تائید کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے اسوہ کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کا سارا خاندان والد سمیت شرک کی دلدل میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف ان سے براءت کا اعلان کیا بلکہ عداوت کا بھی اعلان کر دیا کہ جب تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ کو نہ مان لو، میری تمہاری دشمنی ہے۔

مکہ سے آنے والی خواتین کا حکم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ... (۱۰)﴾

صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا گیا تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ مکہ سے کوئی کافر مسلمان ہو کر مدینہ آجائے تو اسے واپس کیا جائے گا۔ کچھ مرد مکہ سے مدینہ آئے، شرط کے مطابق انہیں واپس کر دیا گیا۔ اسی طرح کچھ خواتین بھی مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لے آئیں تو مکہ والوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ خواتین اس واپسی کی شرط سے مستثنیٰ ہیں۔ لہذا انہیں واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب وہ اپنے سابق کافر شوہر کے لیے حلال نہیں رہیں۔ اس آیت میں ایسی آنے والی خواتین کی جانچ پڑتال کا حکم دیا گیا ہے کہ انہیں پرکھ لیا جائے کہ واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہیں یا کوئی اور مقصد ہے۔ پھر ان کے نکاح اور مہر کے متعلق احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

اہل ایمان خواتین کی بیعت کا حکم:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا... (۱۲)﴾

گزشتہ آیات میں ان خواتین کا بیان تھا جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں۔ اب یہاں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر مہاجرات آپ سے بیعت کرنا چاہیں تو آپ انہیں بیعت فرمائیں۔ حکم

بیعت مہاجرات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ چیزوں پر ان سے بیعت لینے کا حکم تھا:

﴿أَنْ لَا يُشْرِكُنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا﴾ شرک نہیں کریں گی۔

﴿وَلَا يَسْرِقْنَ﴾ چوری نہیں کریں گی۔

﴿وَلَا يَزْنِينَ﴾ زنا نہیں کریں گی۔

﴿وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ﴾ اپنی اولاد کو ناحق قتل نہیں کریں گی۔

﴿وَلَا يَأْتِينَ بَهْتَانٍ﴾ بہتان نہیں باندھیں گی۔

﴿وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ نیک کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں۔

سورة الصف

وجہ تسمیہ:

”صف“ کا معنی ہے: قطار باندھنا۔ اس سورت میں مؤمنین کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ جہاد میں صف

باندھتے ہیں۔ اسی لیے اس سورت کا نام ”سورة الصف“ رکھا ہے۔

شان نزول:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَلِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (۲)﴾

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل

محبوب ہے تو ہم اس پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

حضرات کو بلا کر یہ سورت سنائی۔ اس میں تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی ایسی بات کرنا جس میں کوئی بڑا دعویٰ ہو تو یہ مؤمن

کی شان کے لائق نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جس چیز کا دعویٰ کیا ہے اسے پورا نہ کر سکے۔ اس لیے جب بھی اس طرح کی

کوئی بات کرنی ہو تو ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دینا چاہیے۔ پھر اگلی آیت میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے

ہیں جو میدان جہاد میں نکل کر سیسہ پلائی دیوار کی طرح ڈٹ کر لڑتے ہیں۔

آمدِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عیسوی بشارت:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِبَنِي إِسْرَآءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ...﴾ (٦)

گزشتہ آیت میں ذکر تھا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا فرما دیا تھا۔ اب یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر ہو رہا ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے تین باتیں فرمائیں:

[1]: اپنی رسالت کا ذکر فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

[2]: تورات کی تصدیق فرمائی۔

[3]: بعد میں آنے والے پیغمبر (حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت بھی دی جن کا نام ”احمد“ ہے۔
جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کھلی نشانیاں دکھائیں تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔
دین اسلام باقی اور غالب رہے گا:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (٨)

کفار اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کریں گے اگرچہ کافروں کو یہ بات جتنی بھی بری لگے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار اپنے منہ سے اس دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کے زبانی دعوے ہیں کہ ہم دین کو مٹا دیں گے لیکن یہ دین ان کے دعوؤں سے مٹ نہیں سکتا۔

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (٩)

دین اسلام غالب رہے گا۔ لیکن اس سے مراد غلبہ برہانی ہے کہ جس نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر دلائل و براہین سے بات کی تو وہ مغلوب ہوا۔

دین کے مددگار بنو!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّنَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ

اللَّهُ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ...﴾ (١٤)

پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد و نصرت فرمائی۔

فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے جو اللہ کے واسطے میری مدد کرے؟ حواریوں نے کہا کہ ہم مدد کریں گے۔ پھر یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک نے کفر کیا۔ اللہ نے ایمان والوں کی مدد کی ان کے دشمنوں کے خلاف اور بالآخر ایمان والے غالب آگئے۔

سورة الجمعة

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں جمعۃ المبارک کے احکامات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام ”سورة الجمعة“ رکھا گیا ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے مقاصد:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ

الْحِكْمَةَ... (۲)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار بنیادی مقاصد بیان فرمائے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کیے تھے:

اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ اہل ایمان کا تزکیہ نفوس فرماتے ہیں۔ یعنی اخلاقِ رذیلہ، عُجْب، کبر، حسد، بغض اور گندے عقائد سے پاک کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا معنی سمجھاتے ہیں اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔

پیغمبر کی بعثت عامہ:

﴿وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَبَأً يَلْحَقُوا بِهِمْ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۳)﴾

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُمیوں کی طرف بھی بھیجے گئے اور ان لوگوں کی طرف بھی بھیجے گئے

﴿لَبَأً يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

﴿وَأَخْرَيْنَ مِنْهُمْ لَبَأً يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ اس کا مصداق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں۔

یہودیوں کی مذمت:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ حَبَلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا...﴾ (۵)

یہودی کہتے تھے کہ ہم تورات کو مانتے ہیں۔ تورات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مذکور تھیں، یہود انہیں پڑھ بھی چکے تھے لیکن جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہودی آپ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور تورات کی مخالفت کی۔ ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لادی ہوئی ہوں۔

اہل ایمان کے لیے ہدایات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۹)

جب جمعہ کی پہلی اذان ہو جائے تو سوائے جمعہ کی تیاری کے خرید و فروخت اور دیگر دنیوی امور انجام دینا جائز نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایات دی گئی ہیں کہ دنیوی مصروفیات کی وجہ سے دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ نہیں آنی چاہیے۔ ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز جمعہ پڑھنے کے بعد تجارتی قافلہ کے آنے کی اطلاع پا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے کے دوران بغرض تجارت رزق کی خاطر چلے گئے تھے۔ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا جس میں اہل ایمان کو ہدایات دی گئی ہیں کہ اس طرح خطبہ جمعہ کو چھوڑ کر جانا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والے ہیں۔ شروع میں نماز جمعہ پہلے پڑھی جاتی تھی اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا، اس واقعے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع فرما دیا تھا۔

سورة المنفقون

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں منافقین کے نفاق کا بیان ہے اس لیے اس کا نام بھی "سورة المنفقون" رکھ دیا۔

شہادتِ خداوندی:

﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ...﴾ (۱)

منافقین کا طریقہ یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو کہتے کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ یہ منافقین جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے انکار کرتے ہیں۔

شانِ نزول:

﴿يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۸)

عرب کا ایک قبیلہ بنو المصطلق مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے تیاری میں مصروف تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو لے کر خود تشریف لے گئے۔ انہیں شکست کا سامنا ہوا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈالا، پانی کے معاملے میں ایک مہاجر اور انصاری صحابی کے مابین تکرار ہوئی اور معاملہ بڑھ کر جھگڑے تک جا پہنچا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا۔ ان کی آپس میں معافی تلافی ہو گئی۔

واپسی پر عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ مہاجرین کو اتنا سر پر نہ چڑھاؤ کہ وہ ہاتھ اٹھانے لگ جائیں اور کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے (منافقین) ذلت والوں (مہاجرین) کو نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو عبد اللہ بن ابی نے انکار کر دیا۔ مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی جس میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق ہوئی اور منافقین کے نفاق کو بھی کھول کر بیان کیا گیا۔ عبد اللہ بن ابی کو جواب دیا گیا کہ اصل میں عزت اللہ تعالیٰ، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے ہے لیکن منافقین کو تو اس کا علم ہی نہیں ہے۔

سورة التغابن

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی آیت نمبر 9 میں ﴿يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ کا ذکر ہوا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة

التغابن" رکھا گیا ہے۔

تخلیقاتِ باری تعالیٰ کا تقاضا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (۲)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ سب انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ ایسا نہ ہو سکا کیونکہ بعض کافر ہو گئے اور بعض مؤمن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال سے باخبر ہے۔

ہار، جیت کے دن کفار کی حسرت:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَنَّةِ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ ...﴾ (۹)

”یوم التغابن“ قیامت کے دن کو کہتے ہیں۔ اس کا معنی ہے: ہار جیت کا دن۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل فرمادیں گے تو اس وقت کفار اس بات پر حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی دنیا میں اہل جنت کی طرح اعمال کرتے تو ہم بھی ان کے ساتھ جنت میں ہوتے۔

تکالیف آنے کی وجوہات:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ ...﴾ (۱۱)

دنیا میں جو بھی تکلیف آتی ہے وہ اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اکثر و بیشتر مصیبت گناہ کی وجہ سے آتی ہے۔ کبھی بندے کے گناہ کے کفارے کی وجہ سے تکلیف آتی ہے اور کبھی بغیر کسی گناہ کے رفع درجات کے لیے تکلیف آتی ہے۔ اس کے لیے اصول و معیار یہ ہیں:

◆ انسان اگر تکلیف کے آنے سے پہلے گناہ سے بچتا تھا اور تکلیف کے بعد بھی بچتا ہے تو یہ تکلیف رفع درجات کے لیے ہے۔

◆ اگر پہلے گناہوں سے نہیں بچتا تھا لیکن تکلیف کے بعد بچنا شروع ہو گیا ہے تو یہ کفارہ سیئات کے لیے ہے۔

◆ اگر پہلے بھی گناہ کرتا تھا اور تکلیف کے بعد بھی گناہ کرتا ہے تو یہ تکلیف اس کے حق میں عذاب ہے۔

ازواج و اولاد کے متعلق خاص ہدایات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعْفُوا وَ

تَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٤﴾

ایمان والوں کو فرمایا کہ تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولاد تمہارے لیے دشمن ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دشمن سے تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح ان سے بھی پہنچتی ہے۔ "فَاخْذَرُوهُمْ" کہ ان کے معاملہ میں ذرا احتیاط سے کام لو، اور جہاں تکلیف کا اندیشہ ہو وہاں ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اگر باہمی جھگڑا ہو جائے، اولاد یا بیوی نافرمانی کرے اور تم معاملہ کو سلجھانا چاہو اور ان کو بھی کچھ احساس ہو تو تین باتوں کا خیال کرو:

❖ "وَإِنْ تَعَفُّوا" زبان سے معاف کرو۔

❖ "وَتَصْفَحُوا" اور دل سے بات نکال دو۔

❖ "وَتَغْفِرُوا" آئندہ اس کا کبھی تذکرہ بھی نہ کرو۔

بس یہ کام تم بھی کرو کیوں کہ "فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ" اللہ تعالیٰ بھی معاف فرماتے ہیں۔ جس مقام پر دو صفتیں اکٹھی آجائیں تو عموماً پہلی صفت دعویٰ ہوتی ہے اور دوسری اس کی دلیل ہوتی ہے تو "غَفُورٌ" یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں اور "رَحِيمٌ" اس کی دلیل ہے کہ اس لیے معاف نہیں کرتے کہ تم مستحق مغفرت ہو بلکہ اس لیے معاف کرتے ہیں کہ وہ رحیم ہے۔ تو ہمیں یہ بات سمجھائی کہ اہل و عیال کو معاف کرو اس لیے نہیں کہ وہ معافی کے مستحق ہیں کیونکہ کبھی جرم ایسا ہوتا ہے کہ معاف کرنے کے لیے دل آمادہ بھی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی تم ان پر شفقت اور رحمت کا معاملہ کرو۔

سورة الطلاق

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں طلاق کے احکامات بیان ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام "سورة الطلاق" رکھا گیا ہے۔

اس سورت میں شوہر اور بیوی کو تقویٰ اختیار کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔

طلاق دینے کا طریقہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ... (١)﴾

جب مرد اور عورت کا نکاح کے ذریعے رشتہ قائم ہو جائے تو حتی الامکان طلاق نہیں دینی چاہیے۔ ہاں اگر میاں بیوی کے درمیان معاملات میں کشیدگی پیدا ہو گئی ہو جس کی وجہ سے طلاق دینے کی نوبت آجائے تو یہاں طلاق دینے کا طریقہ سمجھایا جا رہا ہے کہ ایک طلاق رجعی دی جائے اور ایسے طہر میں دی جائے جس میں شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ طلاق رجعی دینے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اگر میاں بیوی کے درمیان وہ غلط فہمی یا وہ غصہ جس کی وجہ سے طلاق دی گئی تھی دور ہو جائے تو دوبارہ رجوع کے ذریعے اپنے نکاح کا رشتہ قائم کر سکیں گے۔ جماع کے بغیر والے طہر میں طلاق دینے کا فائدہ یہ ہو گا کہ عورت کی عدت لمبی نہیں ہوگی۔ طلاق رجعی کی عدت کے دوران عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارے گی۔ اس مدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہو گا۔

تقویٰ پر ملنے والے پانچ انعامات:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ (۲)

اس سورت میں اللہ رب العزت نے تقویٰ پر پانچ انعامات کا ذکر فرمایا ہے:

[1]: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مصائب سے نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں۔

[2]: ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اللہ تعالیٰ اس کو بے گمان روزی عطا فرما دیتے ہیں۔

[3]: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ اللہ تعالیٰ اس کے لیے تمام امور میں آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں۔

[4]: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ﴾ جو تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

[5]: ﴿وَيُعْظِمُ لَهُ أَجْرًا﴾ اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرما دیتے ہیں۔

آئسہ اور حاملہ کی عدت:

﴿وَاللَّيْ يَيْسُنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّيْ لَمْ يَحْضُنَّ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ...﴾ (۴)

یہاں مختلف عورتوں کی عدت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ آئسہ وہ عورتیں ہیں جن کو حیض نہیں آتا؛ عمر کم ہونے کی وجہ سے یا عمر بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے؛ طلاق کے بعد ان کی عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے یعنی بچے کی ولادت ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔

سات آسمان اور سات زمینیں:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۚ... (۱۲)﴾

اللہ رب العزت کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور انہی کی طرح سات زمینیں بھی پیدا فرمائیں۔

﴿مِثْلَهُنَّ﴾ مثل کی دو قسمیں ہیں؛ مثل بالکم اور مثل بالکیف۔

ایک چیز مقدار میں دوسری کی طرح ہو تو یہ مثل بالکم ہے اور اگر ایک چیز کیفیت میں دوسری کی طرح ہو تو یہ یہ مثل بالکیف ہے۔

یہاں ﴿مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ میں جو مثل ہے تو اس سے مراد مثل فی الکم ہے، کیفیت نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ آسمان بھی سات ہیں تو ان کی مثل زمینیں بھی سات ہیں۔

سورة التحريم

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام ”سورة التحريم“ رکھا گیا ہے۔

شان نزول:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱)﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد ترتیب وار ازواج مطہرات کے گھر تشریف لے جاتے۔ حسب معمول آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے،

انہوں نے آپ کو شہد پیش کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا کہ آپ نے مغفیر کھایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بو محسوس ہو رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ میں شہد نہیں پیوں گا۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ازراہ شفقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حلال چیز (شہد) کو حرام قرار کیوں قرار دیا؟ قسم توڑ کر کفارہ ادا کریں۔ آگے آیات میں پوری تفصیل موجود ہے۔

اپنی اور گھر والوں کی فکر کیجیے!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، اس آگ پر ایسے فرشتے مامور ہیں جو تند خو اور سخت مزاج ہیں، اللہ جو حکم انہیں دے اس میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! خود کو جہنم کی آگ سے بچائیں یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اہل و عیال کو کیسے بچائیں؟ فرمایا کہ خود گناہوں سے بچو اور ان کو بھی گناہوں سے بچاؤ، خود نیک اعمال کرو اور ان کو بھی نیک اعمال پہ لاؤ تو یہ بھی آگ سے بچ جائیں گے۔

اہل ایمان کو خالص توبہ کرنے کا حکم:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا...﴾ (۸)

اے ایمان والو! خالص توبہ کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خالص توبہ یہ ہے کہ جو گناہ کیا ہے اس پر آدمی کو ندامت ہو جائے، جو فرض چھوڑ دیا تھا اس کی قضا کر لے، کسی کا مال لیا تھا تو اس کو واپس کر دے، کسی سے زیادتی کی تھی تو اس سے معافی مانگ لے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کر لے اور جس طرح نفس کو گناہ کرتے دیکھا تھا اسی طرح نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے بھی دیکھے۔ خالص توبہ کرنے پر گناہوں کی معافی کا وعدہ

ہے اور ایسے باغات ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔
اللہ تعالیٰ ہمیں بھی خالص توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دو کافر عورتوں کی مثال:

﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ... (۱۰)﴾

حضرت نوح علیہ السلام نبی ہیں اور بیوی کافرہ ہے، نام واعلہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نبی ہیں اور بیوی کافرہ ہے، اس کا نام والہہ ہے۔ دونوں کفر پر تھیں اور پیغمبر کا ساتھ نہیں دیا تو دونوں جہنم میں گئیں۔
دو مومن عورتوں کی مثال:

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ... (۱۱)﴾

فرعون کی بیوی آسیہ کافر کی بیوی ہیں لیکن نبی کا ساتھ دیا تو جنت میں گئیں۔
حضرت مریم علیہا السلام حضرت عمران۔ جو کہ مسجد اقصیٰ کے امام تھے۔ کی بیٹی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہیں، یہ بھی جنتی ہیں۔
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلٰی
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

پارہ نمبر 29

سورة الملك

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ”الملك“ ہے۔ اس لیے اس سورة کا نام ”سورة الملك“ رکھا گیا ہے۔
سورة الملك کی فضیلت یہ ہے کہ یہ عذابِ قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (۱)

سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی چار اہم صفات کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اللہ تعالیٰ کا مالک اور سب سے بالاتر ہونا، آسمان و زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر قادر ہونا۔
موت و حیات کی پیدائش کا مقصد:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا...﴾ (۲)

موت و حیات کو پیدا کرنے کا بنیادی مقصد انسان کی آزمائش ہے کہ دنیا میں کون اچھے اعمال کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اعمال کو گنا نہیں جائے گا بلکہ وزن کیا جائے گا۔ موت کا پہلے ذکر فرمایا، حیات کا بعد میں.... اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی بالکل مختصر ہے اور موت کا واقع ہونا یقینی اور بالکل قریب ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ گناہوں سے بچیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا والے کام کریں۔
ترکِ تقلید کے نقصانات:

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (۱۰)

تقلید نہ کرنے کی وجہ سے بندے کو تین نقصانات ہوں گے:
دنیا میں نقصان یہ ہوتا ہے کہ اسے شریعت نہیں ملتی جس کی وجہ سے گمراہ رہتا ہے۔

- ◆ قبر میں نقصان یہ ہوتا ہے کہ اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے کنپٹیوں پر مارا جاتا ہے۔ (الحديث)
- ◆ آخرت میں نقصان یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ کہیں گے کہ کاش ہم کسی کی بات سن لیتے یا خود ہی عقل سے کام لے لیتے تو آج جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ الغرض یہ وہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے، اہل جہنم کے لیے پھٹکار ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تقلید کے بغیر انسان کبھی بھی شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ عمل کرنا تو دور کی بات ہے تقلید کے بغیر انسان کو عمل مل ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کے لیے مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے۔

کفار کی حماقت:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (۲۸)
 کفار مکہ؛ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو جائیں گے تو دین اسلام ختم ہو جائے گا۔ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری حماقت ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ تعالیٰ وفات دے یا ان پر رحم فرما کر فتح عطا فرمائے، تمہیں دونوں صورتوں میں کوئی نفع نہیں ہو گا بلکہ تمہیں تو ہر حال میں عذاب کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔

سورة القلم

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں قلم کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة القلم“ رکھ دیا گیا ہے۔

مشرکین کی تردید:

﴿وَ الْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ (۱) ﴿مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾ (۲)
 مشرکین مکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قلم کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ

اے میرے پیغمبر! آپ مجنون نہیں ہیں۔ پھر آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان فرمائی کہ آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔

موقع پر باطل کی وضاحت ضروری ہے:

﴿وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ﴾ (۱۰) ﴿هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنِيعٍ﴾ (۱۱) ﴿

یہ عام کفار کے بارے میں بھی ہے اور بطور خاص ولید بن مغیرہ کے بارے میں ہے۔ یہاں اس کی نواخلاقی برائیاں بیان کی گئی ہیں:

﴿حَلَّافٍ﴾ یہ شخص جھوٹی قسمیں کھاتا ہے،

﴿مَّهِينٍ﴾ یہ شخص ذلیل اور کمینہ ہے،

﴿هَمَّازٍ﴾ طعنہ بہت دینے والا ہے،

﴿مَّشَّاءٍ بِنِيعٍ﴾ چغل خور ہے،

﴿مَنَاعٍ لِلْخَيْرِ﴾ خیر سے روکتا ہے،

﴿مُعْتَدٍ﴾ حد سے تجاوز کرتا ہے،

﴿أَثِيمٍ﴾ گناہ گار ہے،

﴿عُتْلٍ﴾ مزاج کا سخت ہے،

اور پھر ﴿بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ﴾ بدنام بھی ہے، ولد الزنا اور حرام کی اولاد ہے۔

اور سرکشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کے پاس بہت مال ہے اور اولاد ہے۔

باغ والوں کا واقعہ:

﴿إِنَّا بَكُونُهُمْ كَمَا بَكُونَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ﴾ (۱۷) ﴿

کفار کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وافر مقدار میں مال

دیا ہے۔ یہاں باغ والوں کا واقعہ بیان کر کے کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی کو مال و دولت کا ملنا اس کی عند اللہ محبوبیت

کی دلیل نہیں بلکہ بعض مرتبہ مال کا ملنا آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔ جس طرح باغ والوں کو اللہ تعالیٰ نے خوب نوازا تھا

لیکن یہی مال ان کی آزمائش کا ذریعہ بن گیا۔ جب وہ نافرمانی اور ناشکری پر اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو نیست و نابود فرمادیا۔

آپ ﷺ کی حفاظت:

﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾ (۵۱)
 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کافروں کو جب نصیحت کی جارہی ہوتی ہے تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے گھور کر دیکھتے ہیں جیسے اپنی آنکھوں سے پھسلا دیں گے، راہِ حق سے ہٹا دیں گے۔ مزید یہ کہ مکہ میں ایک شخص تھا، اس کی نظر بد لگتی تھی۔ اہل مکہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علی وسلم) کو نظر لگاؤ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی اس سے حفاظت فرمائی۔ اگر کسی کو نظر بد لگ جائے تو یہ آیت پڑھ کر دم کر دیا جائے، ان شاء اللہ نظر کا اثر ختم ہو جائے گا۔

سورة الحاقة

وجہ تسمیہ:

”حاقۃ“ قیامت کو کہتے ہیں۔ چونکہ پہلی آیت میں قیامت کو بیان کرنے کے لیے یہی لفظ استعمال ہوا ہے اس لیے اس کا نام بھی ”سورة الحاقۃ“ رکھا گیا ہے۔

قیامت برحق ہے:

﴿الْحَاقَّةُ (۱) مَا الْخَاقَّةُ (۲) وَمَا أَذْرُكَ مَا الْخَاقَّةُ (۳)﴾

سورت کے شروع میں بیان کیا جا رہا ہے کہ قیامت آکر رہے گی، اس کے وقوع کو ماننا ضروری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام یعنی قوم شمود، قوم عاد، قوم فرعون اور قوم نوح کی تباہی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔

اہل جنت و اہل جہنم کا تذکرہ:

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِۦ ۖ فَيَقُولُ هَٰؤُلَاءِ مَا أَكْتَبْتُمُ (۱۹)﴾

یہاں اس بات کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ اہل جنت کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا اور جنت کی بے شمار نعمتیں

ملیں گی۔ اہل جہنم کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا اور ان کے لیے طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔
قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے:

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ (۳۸) وَمَا لَا تُبْصِرُونَ (۳۹) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۴۰)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ قسمیں کھا کر فرما رہے ہیں کہ یہ کلام (قرآن کریم) کسی شاعر اور کاہن کا کلام نہیں بلکہ یہ کلام تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اتارا ہے۔ اس سے مشرکین کی تردید بھی ہو گئی جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور شاعر کہا کرتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ کلام کسی کاہن سے سن کر لے آتے ہیں۔
امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ (۴۴) لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ (۴۵)﴾

یہاں ایک اصول بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔ اگر بفرض محال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوائے نبوت غلط ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق نبی ہیں۔

سورة المعارج

وجہ تسمیہ:

”معارج“ کے معنی چڑھنے کے راستہ کے ہیں۔ یہ لفظ تیسری آیت میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام ”سورة المعارج“ رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عذاب نہیں مانگنا چاہیے:

﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ (۱) لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ (۲) مِّنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ (۳)﴾

ان آیات میں نصر بن حارث کی حماقت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اس نے قرآن کریم کو جھٹلایا اور استہزاء کرنے کے لیے کہا کہ اگر یہ قرآن کریم اور دین اسلام جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں برحق اور سچے ہوں تو اللہ تعالیٰ

ہم پر آسمان سے عذاب نازل کر دے۔ اس کا مقصد استہزاء کرنا تھا۔ اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کر دیا تو پھر اس عذاب کو روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

قیامت کی ہولناکی:

﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ (۸) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (۹)﴾

قیامت کے دن آسمان سیاہ ہوں گے اور پہاڑ روئی کی طرح بکھر جائیں گے۔ دوست ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اس وقت مجرمین چاہیں گے کہ کسی بھی طرح مال و فدیہ دے کر چھوٹ جائیں لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

اہل جنت کے صفات:

﴿أُولَٰئِكَ فِي جَنَّٰتٍ مُّكْرَمُونَ (۳۵)﴾

اہل جنت کی صفات کو بیان کر کے آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ باغات میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔

سورة نوح

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر موجود ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة نوح“ رکھا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت اور قوم کو دعوت:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱)﴾

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو 950 سال تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلاتے رہے لیکن چند افراد کے علاوہ باقی قوم حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لائی۔ چار بتوں وُد، سُواع، یغوث اور یعوق کی پوجا کرتی رہی۔ بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! ان کفار میں سے کسی کو بھی روئے زمین پر باقی نہ رکھ۔ دعا قبول ہوئی اور عذاب آیا جس سے تمام کفار غرق ہو گئے۔

سورة الجن

وجہ تسمیہ:

کچھ جنات نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے قرآن سنا تھا۔ اس سورت میں ان کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام بھی ”سورة الجن“ رکھ دیا گیا ہے۔

جنات کے قرآن کریم سننے کا واقعہ:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾ (۱)

جنات و شیاطین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آسمان کی طرف جا کر وہاں سے کچھ باتیں سن آتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو گئی تو جنات کو اوپر جاتے وقت شہاب ثاقب پڑتے۔ انہوں نے اپنے کچھ افراد کو بھیجا تاکہ معلوم کریں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لاتے ہوئے مقام نخلہ پر فجر کی نماز میں تلاوت فرما رہے تھے تو جنوں کی ایک جماعت وہاں سے گزری۔ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے قرآن کریم سن کر ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم میں جا کر تبلیغ کی تو جنات کے کئی وفود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے نبی نہیں بلکہ جنات اور تمام مخلوق کے بھی نبی ہیں۔

علم غیب؛ خاصہ خداوندی

﴿عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ (۲۶)

علم غیب اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جس میں کوئی اور شریک نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جسے غیب کی خبروں کے لیے پسند کرتا ہے تو اسے بھی غیب کی خبروں پر مطلع کر دیتا ہے۔

سورة المزمل

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں موجود لفظ ﴿الْمُزَّمِّلُ﴾ کی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة المزمل" رکھا گیا۔

نبی ﷺ کو مزمل کہنے کی وجہ:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ (۱)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اتری اور آپ کے کندھوں پر نبوت کی عظیم ذمہ داری ڈالی جا رہی تھی تو شدتِ خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سردی محسوس ہونے لگی۔ آپ اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مجھے چادر لپیٹ دو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اے چادر میں لپٹنے والے!

تہجد کی فرضیت:

﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۲) نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا (۳)

شروع شروع میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر تہجد کی نماز فرض قرار دی گئی تھی کہ رات کے تہائی حصے میں نماز تہجد ادا کریں۔ تہجد پڑھنے کے بہت فوائد ہیں: رات کے وقت بالکل سناٹا ہوتا ہے، مخلوق کو اپنے خالق سے راز و نیاز کا صحیح موقع مل جاتا ہے۔ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرما لیتے ہیں۔

تہجد کی فرضیت منسوخ ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ...﴾ (۲۰)

تقریباً ایک سال بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسانی کے لیے تہجد کی فرضیت کو منسوخ قرار دیا۔ اس آیت کے آخر میں چار چیزوں کا حکم دیا گیا:

نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، صدقہ دینا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا۔

سورة المدثر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں موجود لفظ (الْمُدَّثِّرُ) کی مناسبت سے اس کا نام "سورة المدثر" رکھا گیا۔

فرائض خاتم الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱) قُمْ فَأَنْذِرْ (۲) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۳) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴)﴾

اللہ تعالیٰ نے محبت کا اظہار کر کے فرمایا: اے چادر میں لپٹنے والے! اٹھیے اور لوگوں کو ڈرائیے۔ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے۔ گندگی سے کنارہ کیجیے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مشہور صفتیں: نذیر اور بشیر ہیں، یہاں صرف صفت نذیر کا ذکر کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ تھا، مسلمان تعداد میں کم تھے جبکہ کفار بہت زیادہ تھے اس لیے صرف صفت نذیر کا ذکر کیا۔ یہاں گندگی سے مراد بتوں کی گندگی ہے کہ ان سے اپنے آپ کو بچائیے۔ کفار کی آزمائش:

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (۳۰) وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً

لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيُزَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا... (۳۱)﴾

جہنم کے نگران فرشتوں کی تعداد انیس بتائی۔ اس تعداد کے بتانے میں کفار کا امتحان ہے کہ وہ اس کو مانتے ہیں یا اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بجائے ماننے کے ان میں سے ایک نے کہا: سترہ سے تو میں نمٹ لوں گا باقی دو کو تم سنبھال لینا۔ انہیں جواب دیا گیا کہ یہ فرشتے ہیں جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے۔

جہنم میں جانے کی وجہ:

﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرٍ (۴۲) قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلُومِينَ (۴۳)﴾

جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے تو وہ اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچا دیا ہے؟ تو وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکین کو۔ جس کا حق واجب تھا۔ کھانا نہیں کھاتے تھے، بے ہودہ

مجلس میں دین کو باطل کرنے کے لیے جایا کرتے تھے اور قیامت کو جھٹلاتے تھے۔

سورة القيامة

وجہ تسمیہ:

سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی قسم کھائی ہے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام ”سورة القيامة“ رکھ دیا گیا ہے۔

بعث بعد الموت:

﴿لَا أُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَمَةِ (۱) وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۲)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں؛ قیامت اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم انسان کو دوبارہ لازمی زندہ کریں گے۔ انسان کا یہ سمجھ لینا کہ ہم اس کی ہڈیوں کو زندہ نہیں کر سکیں گے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ ہڈیوں کو جمع کرنا تو آسان ہے بہ نسبت انگلیوں کے پوروں کو جمع کرنے کے۔ ہم تو پوروں کو جمع کرنے پر بھی قادر ہیں۔ نفس لوامہ انسان کی طبیعت میں ایک ایسے مادہ کو کہتے ہیں جو انسان کو برائی پر ملامت کرتا رہتا ہے۔

حفاظتِ قرآن:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (۱۶) إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (۱۷)﴾

جب قرآن کریم نازل ہو رہا ہوتا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھنا شروع فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے نبی! قرآن کو یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی اپنی زبان مبارک کو نہ ہلایا کریں۔ اس کو پڑھو انا اور یاد کرو انا ہماری ذمہ داری ہے۔

دیدارِ خداوندی:

﴿وَجُودٌ یُّؤَمِّنُ نَاصِرَةٌ (۲۲) إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۲۳)﴾

ان آیات میں اہل جنت کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کے دن ان کے چہرے تروتازہ ہوں گے اور وہ اپنے رب کا دیدار بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دیدار کرنے والوں میں شامل فرمادیں۔ (آمین)

انسانی تخلیق کے مراحل:

﴿الْمَ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيِّ يُمْنِي (۳۷)﴾

یہاں اللہ تعالیٰ انسانی تخلیق کے مراحل بیان فرما رہے ہیں۔ انسان کو ان پر غور کرنا چاہیے اور اپنی اوقات کو نہیں بھولنا چاہیے۔ انسان کی تخلیق ایک ناپاک قطرے سے ہوئی ہے تو پھر اکڑ کس بات کی؟

سورة الدھر

وجہ تسمیہ:

”دھر“ زمانے کو کہتے ہیں۔ پہلی آیت میں یہ لفظ موجود ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ”سورة الدھر“ رکھ دیا گیا ہے۔

انسانی تخلیق کا مقصد:

﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا (۱) إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۚ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَبِيْعًا بَصِيرًا (۲)﴾

انسان کی حیثیت اتنی ہے کہ ایک وقت میں وہ قابل ذکر ہی نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہی اسے قابل ذکر بنایا یعنی پیدا کیا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں اور ہدایت راستہ دکھایا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسے آزمانا چاہتے ہیں کہ ہمارا شکر گزار بنتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔

قرآن کریم نصیحت ہے:

﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمِنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (۲۹)﴾

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نصیحت بنایا ہے لیکن اس سے فائدہ اور ہدایت ان کو ملے گی جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کوشش کرے، محنت کرے اور ارادہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں۔ ایک بندہ ارادہ بھی نہیں کرتا تو ایسا شخص قرآن کریم سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

سورة المرسلات

وجہ تسمیہ:

سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿الْمُرْسَلَاتِ﴾ موجود ہے۔ اسی لیے اس کا نام "سورة المرسلات" ہے۔
ہواؤں اور فرشتوں کی قسمیں:

ابتدائے سورت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھائی ہیں:

﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو مسلسل چلائی جاتی ہیں۔

﴿فَالْعَصْفَاتِ عَصْفًا﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو آندھیوں کی طرح چلتی ہیں۔

﴿وَالنُّشُورَاتِ نَشْرًا﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اڑا کر منتشر کر دیتی ہیں۔

﴿فَالْفُرْقَاتِ فَرْقًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی لا کر حق اور باطل کو الگ کر دیتے ہیں۔

﴿فَالْمُلْقَاتِ ذِكْرًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کے ذریعے ذکر یعنی نصیحت لاتے ہیں۔

قرآنی اسلوب کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسمیں کھاتے ہیں تو یہ بعد میں مذکور چیز کے وقوع پر دلیل ہوتی ہیں۔ یہاں وہ چیز قیامت کے دن کا وقوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت ضرور واقع ہوگی۔

مجرمین کی سزا اور متقین کے انعامات:

﴿وَبَلِّغْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۲۸) ... ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلٍّ وَعُيُونٍ (۴۱)﴾

سورت کے شروع میں وقوعِ قیامت کا ذکر تھا۔ پھر درمیان میں اہل جہنم کے انجام کا ذکر ہے کہ ان کے

لیے جہنم کی آگ کی اتنی بڑی چنگاریاں ہوں گی جس طرح محل ہوتے ہیں۔ پھر ان کے مقابلے میں متقین کا انجام اور

ان کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ متقین کے لیے سائے، چشمے اور میوے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم

نے دنیا میں جو اعمال کیے تھے یہ ان کا بدلہ ہے، اب مزے سے کھاؤ اور پیو۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پارہ نمبر 30

سورة النبأ

وجہ تسمیہ:

”نبأ“ خبر کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ دوسری آیت میں موجود ہے۔ اسی لیے اس کا نام ”سورة نبأ“ ہے۔

منکرین قیامت کا ذکر:

﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۱) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ (۲)﴾

یہاں منکرین قیامت کی باتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ ”نبأ عظیم“ سے مراد قیامت ہے۔ کفار بطور استہزاء قیامت کے متعلق فضول قسم کے سوالات کرتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد آخرت کو ماننا نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا جن کو یہ کفار بھی تسلیم کرتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت کو مانتے تھے لیکن قیامت کو نہیں مانتے تھے۔ یہاں انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ دیگر نعمتوں کو بنانے پر قادر ہے اسی طرح مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

متقین کا انجام:

﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (۳۱) حَدَآئِقَ وَأَعْنَابًا (۳۲) وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا (۳۳)﴾

گزشتہ آیات میں منکرین قیامت اور آخرت کے حالات اور عذاب کا ذکر تھا۔ اب یہاں ان کے مقابلے میں ماننے والے متقین کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ متقین کے لیے اس دن کامیابی ہوگی، باغات، انگور اور ہم عمر نوخیز بیویاں ہوں گی۔

آخرت کی منظر کشی:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (۳۸)﴾

یہاں سے قیامت کے دن کی منظر کشی کی جا رہی ہے کہ آخرت میں کوئی انسان یا فرشتہ کسی کی سفارش

کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے بات نہیں کر سکے گا۔ ہاں جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے وہ بھی صرف درست بات کرے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جانوروں کو بھی میدان میں جمع کر کے ظالم جانور سے مظلوم جانور کا بدلہ دلو کر انہیں مٹی کر دیں گے۔ اس وقت کفار عذاب کا منظر دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جائیں۔

سورة النزعۃ

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں موجود لفظ ﴿النَّزِعَاتِ﴾ کی مناسبت سے اس کا نام "سورة النزعۃ" ہے۔

فرشتوں کی قسمیں:

یہاں اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھائی ہیں:

﴿وَالنَّزِعَاتِ غَرْقًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں کی روح کو کھینچ کر نکالتے ہیں۔

﴿وَالنَّشِطَاتِ نَشْطًا﴾ قسم ہے ان فرشتوں کی جو مسلمانوں کی روح اتنی آسانی سے نکالتے ہیں کہ جیسے گرہ کھول دی گئی ہو۔

﴿وَالسَّابِقَاتِ سَبَاحًا﴾ قسم ہے ان ملائکہ کی جو تیرتے ہیں۔

﴿فَالسَّابِقَاتِ سَبَقًا﴾ جو حکم ملتا ہے اس کو لے کر دوڑتے ہیں۔

﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾ پھر جو حکم خدا ان کو دیتے ہیں ان کے لیے تدبیر اختیار کرتے ہیں۔

یہ قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ بتانا چاہتے ہیں کہ انہی فرشتوں کو ہم صور پھونکنے کا حکم دیں گے جس کے ذریعے انسانوں کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ ہمارے لیے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

قدرتِ خداوندی کی نشانیاں:

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا (۲۷)﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں آسمان، زمین، رات، دن اور پہاڑوں کا ذکر فرما کر آخرت کی

منظر کشی کی ہے۔

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا﴾ (٤٢) ﴿كفار بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے کہ کب آئے گی؟ یہاں انہیں جواب دیا کہ قیامت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔
﴿كَانَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَمِنْهَا لَمْ يَكْبِتُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾ (٤٦) ﴿کفار جب آخرت میں پہنچ جائیں گے تو انہیں عالم دنیا یا عالم برزخ کا زمانہ ایک شام یا ایک صبح جتنا معلوم ہو گا۔

سورة عبس

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں موجود لفظ ﴿عَبَسَ﴾ سے اس سورت کا نام "سورة عبس" رکھا گیا ہے۔

شان نزول:

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى (١) أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى (٢) وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزْكَى (٣)﴾

ایک مرتبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو تبلیغ کرنے میں مصروف تھے۔ گفتگو کے دوران حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی کوئی آیت سمجھنا چاہی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ نہ دی۔ انہوں نے اصرار کیا، بار بار کہا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یوں بار بار کہنا ناگوار گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے توجہ ہٹا لی اور مشرکین مکہ کی طرف متوجہ رہے۔ جب مجلس سے اٹھ کر آپ تشریف لے گئے تو اٹھتے ہی آثارِ وحی نمودار ہوئے اور یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ جو سچا، مخلص، طالب اور اپنا ہوا اس کو وقت دینا اور اس کی طلب کو پورا کرنا؛ یہ اس کا حق ہے۔

ناشکرے انسان کو تنبیہ:

﴿قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَهُ﴾ (١٧) ﴿

انسان کا ستیاناس ہو وہ کتنا ناشکر ہے۔

گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی پیروی کے واجب ہونے کا بیان تھا۔ اب یہاں سے قرآن کریم اور اللہ

تعالیٰ کی نعمتوں کے منکر اور ناشکرے انسان کی تخلیق کو بیان کر کے اسے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم اپنی تخلیق میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ تمہیں ایک قطرہ پانی سے بنایا ہے، نیز تمہارے اعضاء کو مناسب انداز میں رکھا ہے۔ پھر پیدائش کا راستہ آسان بنا دیا ہے۔ پھر موت دے کر قبر میں پہنچا دیا ہے۔

قیامت کی منظر کشی:

﴿فَإِذَا جَاءَتِ الصَّآخَةُ (۳۳) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (۳۴)﴾

یہاں سے آخرت کی منظر کشی کی جا رہی ہے کہ جب کان پھاڑنے والی آواز (صور) آجائے گی تو وہ دن اتنا سخت ہو گا کہ کوئی کسی کا نہیں ہو گا حتیٰ کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، ماں باپ سے، بیوی بچوں سے بھاگے گا۔ لوگ ایک ایک نیکی مانگتے پھریں گے لیکن کوئی کسی کو ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ موت سے پہلے سچی توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کر لیں اور آخرت کے لیے نیکیاں جمع کر لیں تاکہ وہاں کسی سے مانگنی نہ پڑیں۔

سورة التکویر

وجہ تسمیہ:

جب قیامت قائم ہوگی تو سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔ اس کے لیے پہلی آیت میں لفظ "کُوِّرَتْ" استعمال ہوا ہے۔ اس کی مناسبت سے اس کا نام "سورة التکویر" ہے۔

قیامت کے حالات و واقعات:

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۱) وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (۲)﴾

سورت کے شروع سے لے کر آیت نمبر 14 تک قیامت کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ سورج کو لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا۔ ستارے ٹوٹ جائیں گے۔ پہاڑ چلا دیے جائیں گے۔ ایسا ہولناک منظر ہو گا کہ دس ماہ کی گاہن اونٹنی کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ عرب کے ہاں ایسی اونٹنی بہت قیمتی ہوتی تھی، لیکن اس وقت یہ بے کار چھوڑ دی جائے گی۔ سارے جانور خوف کے مارے اکٹھے ہو جائیں گے۔ زندہ درگور کی ہوئی بچی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا

جائے گا کہ تجھے کس جرم میں مٹی میں دبایا گیا تھا۔ اس سے مقصود مجرمین کو سزا دینا ہو گا۔
 پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لایا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ انہیں جو غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی جاتی ہیں وہ کاہنوں کی طرح اس کے بتانے میں نہ تو بخل سے کام لیتے ہیں اور نہ ان کے بتانے پر معاوضہ لیتے ہیں۔ قرآن کریم تو ہے ہی لوگوں کے لیے نصیحت لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

سورة الانفطار

وجہ تسمیہ:

جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا۔ اس کے لیے پہلی آیت میں لفظ "انْفَطَرَتْ" استعمال ہوا ہے اس کی مناسبت سے اس کا نام "سورة الانفطار" ہے۔

﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ (۱) وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۲)﴾

اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے آخرت کی منظر کشی کی ہے کہ جب آسمان پھٹ جائے گا، جب سیارے بکھر جائیں گے، جب سمندر بہا دیے جائیں گے، جب قبریں کھول دی جائیں گی تب ہر شخص کو اس کا سب اکلا پچھلا معلوم ہو جائے گا اور دنیا میں جو اعمال کرنا چاہیے تھے لیکن نہ کر سکا، ان کا بھی علم ہو جائے گا۔
 کر اماکاتین کی ذمہ داری:

﴿كِرَامًا كَاتِبِينَ (۱۱) يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (۱۲)﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے کر اماکاتین کا ذکر فرمایا۔ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ انسان دنیا میں جو بھی اعمال کرے؛ برے یا اچھے وہ انہیں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیں تاکہ قیامت کے دن ہر انسان اپنے نامہ اعمال کو خود دیکھ اور پڑھ لے۔ پھر اس کے متعلق جنت یا جہنم کا فیصلہ کیا جائے۔ اس سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے اقوال، افعال اور اعمال کو تول تول کر کرنا چاہیے کیوں کہ ہمارا ہر قول و فعل لکھا اور محفوظ کیا جا رہا ہے۔

سورة البطففين

وجہ تسمیہ:

پہلی آیت میں لفظ ”البطففين“ موجود ہے جس کا مطلب ہے: ماپ تول میں کمی کرنے والے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة البطففين“ ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت:

﴿وَيْلٌ لِّلْبُطْفِيفِينَ (۱) الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ (۲)﴾

سورت کی ابتدائی آیات میں ان لوگوں کے لیے ہلاکت کی سخت وعید سنائی گئی ہے جو دوسرے سے اپنا حق لیتے وقت پورا پورا وصول کرتے ہیں مگر انہیں ان کا حق دیتے وقت کمی بیشی کر کے دیتے ہیں۔ کل قیامت کے دن؛ جہاں سب لوگ کھڑے ہوں گے؛ یہ اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھائیں گے؟ اس سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ حقوق العباد کی اچھے طریقے سے ادائیگی کرنی چاہیے اور آخرت کے لیے اچھی تیاری کرنی چاہیے۔

سجین اور علیین:

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَعَنِي سَجِّينَ (۷)﴾

یہاں کئی آیات میں کفار و فجار اور ابرار و نیک لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کفار و فجار کی جب روح نکلتی ہے تو اس کا ٹھکانہ سجین یعنی نیچے کا قید خانہ ہے۔ جب ابرار لوگوں کی روح نکلتی ہے تو اس کا ٹھکانہ علیین یعنی اوپر کے بالا خانے ہیں۔ اسی طرح کفار کا نامہ اعمال ان کی روحوں کی طرح سجین میں ہوتا ہے جبکہ ابرار کا نامہ اعمال ان کی روحوں کی طرح علیین میں ہوتا ہے۔ پھر آگے ابرار لوگوں کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

سورة الانشقاق

وجہ تسمیہ:

جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا، اس کے لیے پہلی آیت میں لفظ ”انْشَقَّتْ“ استعمال ہوا ہے

اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الانشقاق" ہے۔

اس سورت کے شروع میں بھی دیگر سورتوں کی طرح قیامت کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (۱) وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۲) وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ (۳) وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَ

تَخَلَّتْ (۴)﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا اور اس پر یہی لازم ہے، اور جب زمین کو ہموار کر دیا جائے گا اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ اسے نکال باہر کرے گی اور خالی ہو جائے گی۔ اس وقت ہر انسان کو اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

فریقین کے حالات:

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ (۷) فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (۸) وَ يَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ

مَسْرُورًا (۹)﴾

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فریقین کے حالات کو بیان فرمایا کہ مومن کے حساب کتاب کا معاملہ آسان ہو گا اور اسے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا تو وہ خوش خوش اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے گا۔ جبکہ وہ لوگ جنہیں ان کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے دیا جائے گا وہ اس وقت ناکامی کو دیکھ کر موت کو پکاریں گے۔

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۲۴) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۲۵)﴾

ان آیات میں دونوں کا نتیجہ بیان فرمایا کہ کفار کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور ایمان والوں کے لیے ایسا ثواب ہو گا جو ختم ہونے والا نہیں ہو گا۔

سورة البروج

وجہ تسمیہ:

اس سورت کے آغاز میں ہے: ﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ﴾ قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ اسی

مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة البروج" رکھا گیا ہے۔

خندق والوں کا واقعہ:

﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ (۱) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ (۲) وَشَاهِدٍ (۳) قَتَلَ أَصْحَابُ الْأُحُدِّ (۴)﴾

سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر اصحاب اُحد و کاذکر فرمایا ہے۔ ”الْيَوْمِ الْمَوْعُودِ“ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ ایک تفسیر کے مطابق ”شاهد“ سے مراد جمعہ کا دن ہے اور ”مشہود“ سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ ایک تفسیر میں ”شاهد“ سے مراد انسان ہے اور ”مشہود“ سے مراد قیامت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ برباد ہو گئے خندق کھودنے والے۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے 70 سال پہلے پیش آیا تھا۔ ایک کافر بادشاہ ایک مسلمان لڑکے کو مارنا چاہتا تھا لیکن وہ لڑکا اس کے لیے آزمائش بنا ہوا تھا۔ پھر اس لڑکے نے خود ہی بادشاہ کو تدبیر بتائی کہ میری موت کس طرح واقع ہو سکتی ہے۔ بادشاہ نے ویسے ہی کیا تو کافی سارے اور لوگ بھی ایمان لے آئے۔ بادشاہ کو غصہ آیا، اس نے کہا جو دین حق قبول کر چکے ہیں ان کو خندقوں میں آگ دھکا کر جلا دو۔ پھر آگے اہل ایمان کی کامیابی کو بیان کیا کہ وہ باغات میں ہوں گے۔

سورة الطارق

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ”سورة الطارق“ رکھا ہے۔

﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ (۱) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (۲) النَّجْمُ الثَّاقِبُ (۳)﴾

قسم ہے آسمان کی اور طارق کی۔ طارق کا معنی ہے جو رات کو آئے۔ فرمایا کہ آپ کو پتا ہے کہ طارق کیا ہے؟ طارق؛ وہ ستارہ ہے جو بالکل روشن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر بتایا کہ انسان پر ایک نگران فرشتہ مقرر ہے جو اس کے اعمال کو لکھتا رہتا ہے یا اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔

بعث بعد الموت کا اثبات:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (٥)﴾

یہاں انسان کی تخلیق کو بیان کر کے منکرین بعث بعد الموت کو سمجھایا جا رہا ہے جنہیں شک تھا کہ انسان دوبارہ کیسے بنے گا؟ ہڈیوں میں جان کیسے آئے گی؟ گوشت کیسے چڑھے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے دیکھا ہے کہ پانی کے نطفے سے اللہ تعالیٰ انسان کو بناتا ہے تو بنے ہوئے انسان کو دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔

سورة الاعلىٰ

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة الاعلىٰ" رکھا ہے۔

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ (١) الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ (٢)﴾

اپنے اونچی شان والے رب کے نام کی تسبیح بیان کیجئے جس نے پیدا کیا، پھر متناسب اعضاء والا بنایا۔ مخلوقات خاص طور پر انسانوں کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح بیان کریں۔ آگے قرآن کریم کی حقانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ بھولیں گے نہیں؛ لہذا جلدی نہ کریں۔ ہاں جس چیز کو منسوخ کرنا ہو گا اسے اللہ تعالیٰ بھلوا دیں گے۔ جس شخص نے اپنا تزکیہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا تو ایسا شخص کامیاب ہے۔

سورة الغاشية

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام

"سورة الغاشية" رکھا ہے۔

”غاشیہ“ کا معنی ہے؛ چھا جانا۔ مراد اس سے قیامت ہے۔ اس سورت کے شروع میں قیامت کا تذکرہ کیا۔ پھر مجرمین کا ذکر کیا کہ ان کے چہرے اترے ہوئے ہوں گے اور انہیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ پھر متقین اہل جنت کا تذکرہ کیا کہ وہ جنت کے انعامات سے مستفید ہوں گے۔ جنت میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اونچی نشستیں، پیالے، قالین اور تکیے ہوں گے۔ پھر مشرکین کو سمجھانے کے لیے چار چیزوں کا تذکرہ کیا: اونٹ، آسمان، زمین اور پہاڑ۔ ان میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ نبوت ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف پہنچانا ہے، کسی کو زبردستی منوانا نہیں ہے۔

سورة الفجر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿وَالْفَجْرِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الفجر" رکھا ہے۔

﴿وَالْفَجْرِ (۱) وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۲)﴾

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں؛ ذوالحجہ کی فجر کی، دس راتوں کی۔ اس سے مراد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ جفت اور طاق کی۔ جفت سے مراد 10 ذوالحجہ کا دن اور طاق سے مراد 9 ذوالحجہ کا دن ہے۔ ان قسموں کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے اور برے لوگوں کو ان کی برائی کی سزا دیں گے۔

پھر سابقہ اقوام ارم، شمود، قوم فرعون اور ان کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔ سورت کے آخر میں مجرمین اور متقین کے انجام کو بیان فرمایا ہے کہ مجرمین قیامت کے عذاب کا نظارہ کرنے کے بعد کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے اس زندگی کے لیے آگے کچھ بھیج دیا ہوتا۔ نفس مطمئنہ سے کہا جائے گا کہ اپنے پروردگار کی طرف آجا، تو اللہ تعالیٰ سے راضی وہ تجھ سے راضی اور ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

سورة البلد

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة البلد" رکھا گیا ہے۔

﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ (۱) وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ (۲)﴾

اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم کھا کر فرمایا: اے میرے پیغمبر! آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔ مکہ مکرمہ پہلے بھی مکرم تھا مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے اس کے شرف میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ دنیا میں ہر انسان کو مشقت کا سامنا ہوگا، راحت کا اصل مکان آخرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی، دونوں راستے دکھا دیے ہیں، اب اس کی مرضی جس راستے کو چاہے اختیار کر لے۔ آخر میں فریقین (دائیں اور بائیں ہاتھ والوں) کے انجام کو بیان فرمایا ہے۔

سورة الشمس

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿الشَّمْسُ﴾ کا لفظ ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة الشمس" ہے۔

﴿وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا (۱) وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا (۲)﴾

اللہ رب العزت نے گیارہ قسمیں کھا کر یہ مضمون سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات میں گناہ کا تقاضا بھی رکھا ہے اور گناہ کو کنٹرول کرنے کی طاقت بھی رکھی ہے۔ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کی اصلاح کر لی اور وہ شخص برباد ہو گیا جس نے اپنے نفس کو تباہ کر دیا یعنی اس کی اصلاح نہ کر سکا۔ پھر آخر میں قوم ثمود کی سرکشی اور ان کے انجام کو ذکر کیا ہے۔

سورة اللیل

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَى﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة اللیل" رکھا ہے۔

﴿وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَى (۱) وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى (۲)﴾

سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر نیکی اور بدی کے نتیجے کو بیان کیا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال دیا، تقویٰ اختیار کیا اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا تو اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی عطا فرمادیں گے اور جس شخص نے بخل کیا اور سب سے اچھی بات کو جھٹلادیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ناکام فرمادیں گے۔ سورت کے آخر میں فرمایا کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا ہے، اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے اور اس سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، ایسا شخص جہنم سے بہت دور رہے گا۔ یہ آیات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

سورة الضحیٰ

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿وَالضُّحَى﴾ ہے اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة الضحیٰ" رکھا ہے۔

﴿وَالضُّحَى (۱) وَاللَّیْلِ إِذَا سَجَى (۲)﴾

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے عشق کی انتہا فرمادی۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں جواب دیا کہ قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی اور رات کی جب اس کا اندھیرا چھا جائے کہ میں نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ ہی میں ناراض ہوں۔ آگے مزید اپنے محبوب کو یقین دلانے کے لیے فرمایا کہ کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا پھر تمہیں ٹھکانا

دیا، راستہ سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا اور تمہیں نادار پایا تو غنی کر دیا۔ پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یتیم پر سختی نہ فرمانا، سائل کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہنا۔

سورة الانشراح

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿الْمُ نَشْرَحُ﴾ کا لفظ ہے جس کا معنی ”کھولنا“ ہے۔ چونکہ اس سورت میں شق صدر یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو کھولے جانے کا ذکر ہے اس لیے اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة الانشراح" رکھا ہے۔

﴿الْمُ نَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ (۱) وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (۲)﴾

اس سورت میں شق صدر کے واقعہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ ہم اپنے محبوب کا ذکر بلند کر دیں گے۔ یہاں ایک اصول بیان فرمایا کہ پہلے تنگی آتی ہے پھر تنگی کے بعد آسانی آتی ہے۔ آخر میں فرمایا کہ جب مصروفیات ختم ہو جائیں تو اپنے رب کی اتنی عبادت کریں کہ آپ تھک جائیں۔ اس سے مراد نفلی عبادات ہیں۔
تو دین کا کام کرنے والوں کو چاہیے کہ فرائض اور دینی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ذکر و اذکار اور نوافل کا بھی اہتمام فرمائیں، اس سے اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

سورة التین

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿وَالْتَيْنِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة التین" رکھا ہے۔

﴿وَالْتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ (۱) وَطُورِ سِينِينَ (۲) وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (۳)﴾

شروع میں اللہ تعالیٰ نے چار قسمیں کھا کر انسان کی تخلیق بیان فرمائی کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا فرمایا۔ پھر انسان بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی خوبصورتی اور طاقت دونوں ختم ہو جاتی ہیں۔ جوانی میں

وہ جو اعمال کرتا تھا اب بڑھاپے میں نہیں کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ اسے ان اعمال کا اجر دیتے رہتے ہیں۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا ذکر ہے۔

سورة العلق

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی دوسری آیت میں ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة العلق" رکھا ہے۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲)﴾

قرآن کریم کی سب سے پہلی وحی جو غار حراء میں نازل ہوئی وہ اس سورۃ کی پہلی پانچ آیات ہیں۔ اس کی باقی آیتیں بعد میں نازل ہوئی تھیں۔

آگے ابو جہل کی سرکشی اور بد بختی کا ذکر ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم میں نماز پڑھنے سے منع کیا۔ حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت یافتہ تھے اور تقویٰ کا حکم دیتے تھے۔ ابو جہل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ان حرکات سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے محبت کے انداز میں فرمایا: میرے محبوب سجدہ کیجئے اور میرے قریب ہو جائیئے۔ معلوم ہوا کہ سجدہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

سورة القدر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿الْقَدْرِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة القدر" رکھا ہے۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۱) وَمَا أَذْرُكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (۲)﴾

اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی رات عطا فرمائی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر اور افضل ہے۔ وہ لیلۃ القدر کی رات ہے

جس میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔

سورة البينة

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة البينة" رکھا ہے۔

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ (۱)

اس سورت میں بتایا کہ مشرک ناکام ہوں گے۔ یہود و نصاریٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے روشن دلائل دیکھنے کے بعد بھی آپ پر ایمان نہ لائے تو یہ ناکام ہوں گے۔ پھر یہ بات سمجھائی ہے کہ جو نیک کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتے ہیں۔ بطور خاص صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے انعام دیا ہے کہ "رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ" اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بہت بڑا انعام اور فضیلت ہے۔

سورة الزلزال

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿زُلْزَلَهَا﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الزلزال" ہے۔

﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ (۱) وَ أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ (۲)

اس سورة میں قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کیا۔ جب قیامت آئے گی تو زمین اپنے خزانے باہر نکال دے گی۔ دنیا میں جس نے مال کی خاطر گناہ کیے تھے وہ اس مال کو دیکھ کر کہے گا یہ ہے وہ مال جس کی وجہ سے میں نے گناہ کیے تھے! اس مال کو کوئی لینے والا نہیں ہو گا تو اس وقت کو یاد کرو۔ آخرت کی تیاری کرو۔

دنیا میں کی ہوئی چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دیں گے اور چھوٹی سی چھوٹی برائی پر اللہ تعالیٰ سزا دیں گے۔ قیامت کے دن پورا حساب کتاب لیا جائے گا۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنے فضل سے جنت میں جگہ عطا فرمائیں۔

سورة العُدِيت

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿وَالْعُدِيتِ﴾ ہے۔ اسی لیے اس کا نام "سورة العُدِيت" رکھا ہے۔

﴿وَالْعُدِيتِ صَبْحًا (۱) فَالْمُورِيتِ قَدْحًا (۲)﴾

اللہ تعالیٰ نے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسمیں کھا کر یہ بات سمجھائی کہ گھوڑا اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے مالک کی حفاظت کرتا ہے، اس کی بات مانتا ہے لیکن انسان کو دیکھیے کہ وہ اپنے مالک کا کھاتا ہے لیکن اس کی بات نہیں مانتا اور شکر کے بجائے ناشکری کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھانے کے بعد اللہ کی اطاعت اور شکر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

سورة القارعة

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿الْقَارِعَةُ﴾ ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة القارعة" ہے۔

﴿الْقَارِعَةُ (۱) مَا الْقَارِعَةُ (۲) وَمَا أَذْرُكَ مَا الْقَارِعَةُ (۳)﴾

اس سورت میں قیامت کا ذکر کیا اور یہ بات سمجھائی کہ جن کے اعمال نیک ہوں گے قیامت کے دن ان کا اعمال نامہ وزنی ہوگا، اور جن کے اعمال برے ہوں گے، گناہ بہت زیادہ کیے ہوں گے تو ان کا اعمال نامہ بہت ہلکا ہوگا۔ قیامت کے دن اعمال کو صرف گنا نہیں جائے گا بلکہ تو لا بھی جائے گا کہ اعمال میں وزن، خشوع و خضوع اور اخلاص کتنا ہے۔ تو نیک اعمال کو اخلاص کے ساتھ کرنا چاہیے۔

سورة التكاثر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿التَّكَاثُرُ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة التكاثر" رکھا ہے۔

﴿أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ (۱) حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۲)﴾

اس سورت میں انسان کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں وہ تمہیں غفلت میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ قیامت کے دن ایک ایک نعمت کا حساب ہوگا۔

سورة العصر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿وَالْعَصْرِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة العصر" رکھا ہے۔

﴿وَالْعَصْرِ (۱) إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكُفْرٌ (۲)﴾

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ بات سمجھائی ہے کہ وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو، عمل سنت کے مطابق ہو، صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتا ہو اور اگر اس تبلیغ و اشاعت پر مصائب و پریشانیاں آئیں تو ان پر صبر بھی کرتا ہو۔

سورة الهمة

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿هُمَزَةٌ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الهمة" رکھا ہے۔

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱)﴾

اس میں اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ مال گن گن کر رکھنا، بخل کرنا، چغل خوری کرنا، لوگوں کے عیب نکالنا، مذاق اڑانا اور دوسروں کو طعنہ دینا یہ انسان کو برباد کر دیتا ہے۔ لہذا مذکورہ تمام برے اعمال سے گریز کرنا چاہیے۔

سورة الفیل

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿الْفِيلِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الفیل" رکھا ہے۔

﴿الْمُتَرَكِّفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾ (۱)

اس سورت میں وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جب ابرہہ کعبہ کو گرانے کے لیے لشکر لے کر آیا تھا تو چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندے ابابیل بھیجے جنہوں نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اس سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے کی بات نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں۔

سورة قریش

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿قُرَيْشٍ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة قریش" رکھا ہے۔

﴿لَا يَلْفُ قُرَيْشٍ﴾ (۱) ﴿الْفَهْمُ رَحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾ (۲)

اس سورت میں یہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رزق اور امن دیتے ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ اصل چیز تو عبادت ہے اور عبادت کا ماحول بنتا ہے اچھی معیشت اور امن سے۔ لہذا ایسے حالات پیدا کریں جن سے امن بھی ہو اور معیشت بھی اچھی ہو تاکہ سب لوگ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہیں۔

سورة الماعون

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی آخری آیت میں ﴿الْمَاعُونِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الماعون" رکھا ہے۔

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالذِّبِّينِ (۱)﴾

اس سورت میں یہ بات سمجھائی ہے کہ بخل اور کنجوسی نہ کریں، نماز میں غفلت نہ کریں کیونکہ غفلت کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ نماز کی پابندی کریں۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو عام استعمال اور کھانے پینے کی ہوتی ہیں، انہیں دینے لینے میں بخل سے کام نہ لیں۔

سورة الكوثر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿الْكَوْثَرُ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الكوثر" رکھا ہے۔

﴿إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (۱)﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بیان کیا کہ آپ کو کوثر عطا کی گئی ہے۔ آپ نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ آپ کے مخالف ہی ختم ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام قیامت تک اور قیامت کے بعد بھی رہے گا۔

سورة الكفرون

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ﴿الْكَافِرُونَ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "سورة الكافرون" رکھا

ہے۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ (۱) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (۲)﴾

یہ سورت توحید اور شرک، ایمان اور کفر اور حق اور باطل کے درمیان حد فاصل ہے۔ جب مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کرنے کی پیشکش کی کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ آپ ان کو دو ٹوک الفاظ میں فرمائیں کہ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

سورة النصر

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ﴾ کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة النصر" رکھا ہے۔

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ (۱)

اس سورت میں فتح مکہ اور لوگوں کے اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے کا ذکر ہے۔ آخرت کی تیاری کی ترغیب دی ہے کہ اے پیغمبر! فتوحات کا وقت آگیا ہے اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے ہیں۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد پورا ہونے کو ہے۔

سورة الہب

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی پہلی آیت میں ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورة الہب" رکھا ہے۔

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ (۱)

اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ابو لہب اور اس کی بیوی کے برے انجام کو بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح برباد ہوئے اور آخرت میں بھی وہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے اندر رہیں گے۔ مال اور اولاد ان کے کام نہ آ سکے۔

سورة الاخلاص

وجہ تسمیہ:

اس سورت میں عقائد میں سے بنیادی عقیدہ؛ عقیدہ توحید کو بیان کیا گیا ہے۔ جو شخص اس عقیدہ میں مخلص

ہے وہی موحد ہے، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام "سورۃ الاخلاص" رکھا گیا ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (۱) اللَّهُ الصَّمَدُ (۲)﴾

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے توحید کو بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الکافرون میں شرک کا رد اور سورۃ الاخلاص میں توحید کا بیان ہے۔ یہ دو سورتیں بہت محبوب ہیں۔ فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

سورۃ الفلق، سورۃ الناس

وجہ تسمیہ:

سورت الفلق کی پہلی آیت میں لفظ ﴿الْفَلَقِ﴾ ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورۃ الفلق" رکھا گیا ہے۔

اسی طرح سورت الناس کی بھی پہلی آیت میں ﴿النَّاسِ﴾ کا لفظ ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "سورۃ الناس" رکھا گیا ہے۔

آخری دو سورتوں میں یہ بات سمجھائی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ انسانوں اور جنات کے شرور سے پناہ مانگے۔ اگر جادو سے بچنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے۔ وسوسوں سے بچنا چاہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے۔ ہر حال میں انسان کو چاہیے کہ شرور و فتن سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ سے قرآن کریم کو شروع کیا اور سورۃ الناس پر ختم کیا۔ سورۃ الفاتحہ میں دو چیزیں مانگنے کی بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ مانگیں:

◆ مدد و نصرت مانگیں

◆ صراط مستقیم مانگیں

اللہ تعالیٰ کی مدد مل گئی تو دنیا میں غالب آجائیں گے اور صراط مستقیم پر آگئے تو آخرت سنور جائے گی۔

معوذتین میں دو چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے:

♦ دنیاوی معاملات میں مخلوقات کے شرور سے پناہ مانگیں۔

♦ دینی معاملات میں وسوسہ ڈالنے والوں کے شرور سے بچیں۔

دنیاوی معاملات میں وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے بچ گئے تو دنیا اچھی رہے گی اور دینی معاملات میں

وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے بچ گئے تو آخرت سنور جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرور و فتن سے ہمیں محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اختتامی کلمات

الحمد للہ! ”خلاصہ القرآن“ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے مکمل ہوا۔ یہ محض اللہ رب العزت کی رحمت اور کرم کا نتیجہ ہے کہ اس خدمت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، اسے عوام و خواص کے لیے نافع بنائیں اور اس کے ذریعے قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق بخشیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام پڑھنے، پڑھانے، سننے اور سنانے والوں کو اس کے فیوض و برکات سے مستفید فرمائیں۔ ہمیں قرآن کے نور سے منور فرمائیں، اسے ہماری زبانوں کی حلاوت، آنکھوں کا نور، دلوں کی ٹھنڈک اور دنیا و آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائیں۔ ہمیں اور ہماری نسلوں کو بھی دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔

اللہ کریم مرکز اہل السنۃ والجماعۃ اور خانقاہ حنفیہ (سرگودھا) کے علمی و روحانی فیض کو تاقیامت جاری و ساری فرمائیں اور اسے پوری دنیا میں دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائیں۔

أَمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيمِ عَلَيْهِ وَالِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَبِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ.

محتاج دعا

مسیرِ سیاس رکھیں

استنبول، ترکیہ

ہفتہ: 2- شعبان 1446ھ، 1- فروری 2025ء